کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ان کا انجام
کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے
کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی آباد کی تھی اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں
لے کر آچکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمٰی بہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

حصہ ثانیہ

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر ابن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے
مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ
فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی
۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ) بہار میں طبع ہوئی

تفسیر انوار القرآن

اردو زبان میں شیعوں کی کوئی ایسی تفسیر نہیں تھی جو مخالفین کی کتابوں کے حوالہ سے لکھی گئی ہو اور جس میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ بمقابلہ دوسرے مذہبوں کے شیعہ ہی حق پر ہیں ایسی جامع مفصل اور محققانہ اردو قرآن کی مدت سے قوم محتاج تھی۔ ایک عالم متبحر اور مجتہد جلیل القدر نے ایسی عظیم الشان تفسیر تحریر فرمائی جلد اول مقدمات جلد دوم تفسیر بسم اللہ و سورۂ الحمد ... تفسیر سورۂ بقر جلد اول ہے، جلد دوم ہے، جلد سوم ہے

تاریخ الائمہ

جس میں حضرات انبیاء کرام کے مختصر اور ائمہ طاہرین کے مفصل حالات زندگی اور علمی و عملی نیز دینی و دنیوی کارنامے کمال تحقیق سے جمع کیے گئے ہیں اس کے ساتھ ائمہ طاہرین کی ازواج و اولاد و اصحاب کے بھی نہایت معرفت خیز حالات لکھے گئے ہیں۔ علم دوست حضرات نے تسلیم کر لیا ہے کہ اس کتاب میں گویا دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ جناب قاسید سبط نبی صاحب مجتہد العصر اعلی اللہ مقامہ شیعہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے اس کتاب کو اس درجہ پسند فرمایا کہ اسے علیگڈھ کالج و اسکول کے شیعہ طلباء کے نصاب تعلیم میں داخل کرا دیا۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی اعلی درجہ کی ضخامت ۵۰۸ صفحہ قیمت ہے

جوہر قرآن

جس میں اسلام کے ۷۳ فرقوں سے صرف ایک نجات پانے والے فرقہ کی تعیین کے متعلق ایک محقق سنی عالم اور ان کی ذی علم شیعہ بی بی کی بہت دلچسپ مہذب اور محققانہ بحثیں درج کر کے زیادہ تر یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خود خدائے کریم کی کتاب مبارک (قرآن مجید) اصول و فروع دین یعنی کل اعتقادات اور جملہ اعمال میں مذہب اہلسنت کو حق کہتی ہے یا مذہب شیعہ کو ۵۰۸ صفحہ کی اس کتاب میں سنی و شیعہ کے کل اختلافات پر کامل تحقیق و جامعیت سے تبصرہ کر کے صراط مستقیم بالکل واضح کر دی گئی ہے کاغذ، لکھائی، چھپائی سب اعلی درجے کی۔ قیمت ہے

حضرت ابوبکرؓ

حضرت ابوبکر کی سوانح عمری بڑی تحقیق و جامعیت سے لکھی اور شائع کی گئی ہے جس کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں ممدوح کے مفصل حالات ہجرت تک شائع ہوئے ہیں اس میں خاصکر یہ مضامین نہایت دلچسپ اور ایمان افروز ہیں۔ آپ کی نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی حیثیت آپ کے خاندانی پیشہ کے نتائج اور اس کے دینی و دنیوی خصوصیات، آپ کی ولادت کے حالات، حلیہ، نام، کنیت، القاب اور ان کے وجوہ و اسباب عہد طفولیت، تعلیم و تربیت، ذریعہ معاش، حضرت رسولخدا سے آپ کا برتاؤ، خاندان بنی ہاشم سے تعلقات، حضرت عمر سے تعلقات، زمانہ جاہلیت کے کارنامے، آپ کا قبول اسلام، اولیت اسلام کی بحث، ابتدا اسلام میں آپ کا اجتہاد، حضرت رسولخدا کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق، سفر ہجرت کے کارنامے، معیت غار اور اسکے کارنامے، لکھائی چھپائی عمدہ ۲۶۴ صفحے قیمت

سوانح عمری حضرت عمرؓ حصہ اول و دوم

مولوی شبلی صاحب نعمانی نے الفاروق لکھ کر حضرت عمر کو صرف خلیفۂ اول ہی نہیں بلکہ حضرت رسولخدا سے بھی افضل و اعلی بلکہ حضرت کا استاد تک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا تھا۔ شدید ضرورت تھی کہ حضرت عمر کی سچی تصویر نمایاں کی جائے۔ اس وجہ سے دفتر اصلاح نے ۸۰۰ صفحے کی یہ عظیم الشان سوانح عمری شائع کر کے حضرت عمر کے کل کارناموں کی دھجیاں اڑا دی ہیں مذہب شیعہ کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہو گیا ہے حضرت ام کلثوم کی شادی کے افسانے کی بھی ایسی تحقیق کی گئی ہے جس سے اس کا بالکل غلط اور خلاف عقل ہونا مثل آفتاب روشن ہو گیا ہے۔ کاغذ سفید، لکھائی چھپائی سب اعلی درجے کی

قیمت ہر دو حصہ

ذخیرۂ حق

جس میں رسالہ اصلاح کھجوا کے چند مخصوص نمبر کے نہایت ضروری، دلچسپ اور مفید مضامین جمع کر دیے گئے ہیں خصوصاً لکھنؤ کے رسوائے عام فتنہ مدح صحابہ اور شیعوں کے زبردست و حیرت خیز تبرا ایجی ٹیشن کے متعلق بکثرت انصاف پسند سنی، ہندو، سکھ، عیسائی معزز اور مشہور لیڈروں اور موقر اخباروں کی وہ کل تحریریں (اصل یا بصورت اردو ترجمہ) شائع کر دی گئی ہیں جن میں ان لوگوں نے شیعوں کے ایجی ٹیشن کو حق اور بانیان بدعت مدح صحابہ کے فساد کو باطل قرار دے کر زور دیا ہے کہ جلوس مدح صحابہ کی اجازت کو منسوخ کر کے امن قائم کرنا چاہیئے اور آئندہ کبھی اس کی اجازت نہ دی جائے۔ قیمت

المشتہر: منیجر اصلاح کھجوا (بہار)

سوانح عمری خلیفہ دوم پر علم دوست حضرات کی قابل قدر رائیں

الحمدللہ کہ محض اوسی کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم بھی اس درجہ پسند کی جا رہی ہے کہ بکثرت آعیان ملت و علمائے اعلام نے اسکی مدح و ثنا بہت شاندار الفاظ میں کی جس پر خدائے تبارک و تعالٰے کے کرم و احسان کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ صرف چند رائیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں (۱) جناب مرزا اکبر علی بیگ صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر دام مجدہٗ نے کانپور سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ دام برکاتکم۔ تسلیم۔ خداوند کریم آپ کو بتصدق بیمار کربلا ہمیشہ صحت یاب رکھے اور عمر صد و سی سال کو پہونچائے۔ پرچہ اصلاح نے وہ کام زمانہ میں کیا کہ سب اپنے مذہب اور اوسکی حقیت اور دشمنان دین کے حالات سے واقف ہو گئے۔ خدا کرے اصلاح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے۔ سوانح عمری اول و تاریخ ائمہ دونوں کتابیں لاجواب اور بے مثال رہیں۔ محرم کے پرچہ میں سوانح عمری ثانی اور اوسی کے ساتھ ایک کتاب جوہر قرآن شروع ہوئی ہے۔ موخرالذکر کتاب دیکھکر حیرت ہو گئی۔ بڑی ضروری و نادر کتاب ہو گی۔ سوانحعمری ثانی کے تو شروع ہی ورق میں آپ نے الفاروق کی حقیقت کھول کر رکھ دی اور اوسکو ردی کر دیا۔ خداوند کریم دونوں کتابوں کو اتمام کو پہونچا دے اور یہ پرچہ اصلاح زر کثیر نثار کرنے کے قابل اور آپ کا منہ جواہرات سے بھر دینے کے لائق ہے" (۲) جناب میر علی اکبر صاحب موسوی دام مجدہٗ کھوٹا پڈ صوبہ اڑیسہ سے تحریر فرمایا "جناب مولانا عماد الملت والدین ادام اللہ فیوضکم۔ تسلیم۔ میں سچ کہتا ہوں آپ نے قوم پر وہ احسان عظیم کئے اور کر رہے ہیں کہ جس سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ابھی حال کی بات ہے تصویر عزا جیسی نایاب کتاب لکھی جسکی نظیر محال ہے۔ حضرت ابوبکر کی سوانح عمری لکھکر ایسے ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہم نے دیکھنا تو کجا شنا تک نہیں۔ تاریخ ائمہ لکھکر مومنین و مومنات پر احسان عظیم کیا آپ کی جتنی تعریف و توصیف کی جائے کم ہے۔ سال رواں میں حضرت عمر کی سوانح اور جوہر قرآن شروع کی ہے۔ ہر دو کتاب بدایت مآب گزشتہ سے بڑھ چڑھکر رہیں گی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم بطفیل آل عبا آپ کی صحت تادیر برقرار رکھے آمین" (۳) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل و صدر الافاضل

دام مجدہ نے حیدرآباد دکن سے تحریر فرمایا "سوانح عمری خلیفہ دوم اور جوہر قرآن نہایت عمدہ اور دلچسپ طریقہ سے آپ نے تحریر فرمایا ہے مجھ کو تو بے حد پسند ہے۔ خصوصاً سوانح عمری محض سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں اپنی عقیدت مندی سے جہاں پردہ پوشی کی اور حقیقت حال کو گول مول کیا ہے اوسکی رد اور حقیقت کا اظہار بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ سوانح عمری خلیفہ اول سے بہتر و مفید تر ثابت ہوگی" (۴) جناب ڈاکٹر سید منظر عباس صاحب سیفی دام مجدہ نے بلاسپور سے تحریر فرمایا "میں سوانح عمری خلیفہ اول اور تاریخ ائمہ کے متعلق کسی عریضہ میں اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں۔ اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا۔ لیکن چونکہ اظہار حق ازبس ضروری ہے اسلئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جوہر قرآن انشاء اللہ المتعان تحفہ اثنا عشریہ کا بہترین جواب ہوگی اور مومنین کی دیرینہ آرزو برآئیگی۔ کیا خوب ابتدا کی ہے۔ سبحان اللہ وجزاکم اللہ۔ سوانح عمری خلیفہ دوم کے ابتدائی اوراق ہنوز شائع ہو رہے ہیں مگر بتا رہے ہیں کہ ہونے والی کتاب کس درجہ مدلل ہوگی۔ الحق کہ تحقیق آپ کا حق ہے۔ خداوند عالم آپ کو صد و سی سال قائم رکھے اور مومنین کو آپ کی تصانیف سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے۔ آمین ثم آمین" (۵) جناب مولوی سید ظہیر الدین حیدر صاحب ظہیر شادانی دام مجدہ نے جگراؤں سے تحریر فرمایا "جناب مولانا دامت مفاخرکم السامیہ و زادت مآثرکم النامیہ تسلیم آپ نے جو اصلاح میں سوانح نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے بے حد کامیاب ہوا ہے۔ واقعی آپ کی یہ مساعی جمیلہ لائق صد ستائش ہیں۔ سوانح عمری خلیفہ اول ہی کیا کم تھی۔ سوانح عمری خلیفہ ثانی نے تو جہانِ اغیار میں ہلچل ڈال دی۔ اغیار اب ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ دونوں آپ کے بہترین شاہکار ہیں" (۶) جناب سید فقیر حسین صاحب ریڈر دام مجدہ نے چکیا سے تحریر فرمایا "جناب قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی ... خداوند عالم جناب کو بتصدق ائمہ معصومین علیہم السلام بخیر و عافیت رکھے اور عمر خضری عطا فرمائے۔ یوں تو پرچہ اصلاح جب سے جاری ہوا ہے اپنی آپ نظیر ہے لیکن جب سے جناب کے زیر اہتمام اسکی اشاعت شروع ہوئی ہے ماشاء اللہ اسمیں اور چاند لگ گئے ہیں۔ علمی خزانہ سے وہ وہ جواہرات انمول جناب نے پیش کئے ہیں جسکے لئے قوم جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے۔ سنہ گزشتہ تک جو کتابیں طبع ہوئی ہیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ سنہ رواں میں کتاب حضرت عمر و جوہر قرآن جیسی نایاب کتاب جس عنوان سے شائع

ہو رہی ہے تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کتاب کیا ہے انصاف و حق پسند کے لئے مشعل
ہدایت ہے۔ خداوند عالم جناب کی توفیق میں روز افزوں ترقی اور قلم میں زور حیدری
عطا فرمائے اور وجوہ توقف اشاعت سے دائمی نجات بخشے۔ آمین" (۷) جناب مولوی سید
رضا حیدر صاحب زیدی ہیڈ مولوی دام مجدہٗ نے ضلع فیروز پور سے تحریر فرمایا "حامی ملت جعفریہ
زاد عنایتکم سلام علیکم۔ حقیقت میں جناب نے وہ کام کیا ہے جو شاید علماء کی ایک جماعت برسوں
کی محنت کے بعد بھی نہ کر سکتی جزاکم اللہ خیر الجزاء" (۸) جناب سید حسن علی شاہ صاحب مشہدی
دام مجدہ نے فیروز پور سے تحریر فرمایا "خلیفہ صاحب کی سوانح عمری کا شائع شدہ حصہ قبول
ایمان و جدا آفرین ہے جزاک اللہ" (۹) جناب حاجی پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی رئیس
دام مجدہٗ نے شمس آباد سے تحریر فرمایا "طمطام المتکلمین قمقام المناظرین دام مجدکم العالی۔ اس
حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن مناظرہ میں جو دستگاہ کامل آپ کو حاصل ہے وہ کسی
اور کو میسر نہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ حضرت عمر کی سوانح عمری میں آپ نے
علم رجال کی رو سے اُن کے مزعومہ فضائل کو جس طرح بے نقاب کیا ہے وہ لائق صد ستائش
ہے... کیا خوب ہوتا اگر جناب سامی اس نقد رواۃ کے سلسلہ کو جاری رکھتے اور سوانح
حضرت ابوبکر کی طبع ثانی اور سوانح حضرت ثالث کی ابتداء میں ان حضرات کے فضائل کا
نقد فرما کر یہ ثابت فرما دیتے کہ حضرات اصحاب ثلثہ کے فضائل خود علم رجال حضرات اہلسنت
کی رو سے موضوع ہیں" (۱۰) جناب ماسٹر کریم بخش صاحب حیدری مضطر ہیڈ ماسٹر دام مجدہ نے
ضلع میانوالی سے تحریر فرمایا "فخر ملت عالی جناب عمدۃ العلماء حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب
قبلہ دامت برکاتکم۔ سلام مسنون۔ جناب کی گراں قدر تصنیف سوانح عمری حضرت ابوبکر
ہی کیا کم تھی مگر اب تو آپ نے حضرت عمر کی پُر اسرار اور حیرت انگیز سوانح حیات لکھکر دنیائے
عالم کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ہوا خواہان ثلاثہ کے گھروں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔
مولانا شبلی نعمانی نے جن کتابوں سے ممدوح کی ہستی بے نظیر اور عظیم الشان ثابت کرنے کی
کوشش کی تھی اب انہیں سے ان کے ممدوح کی قلعی کھل رہی ہے۔ اے کاش آج مولانا
شبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو اپنی مایۂ ناز کتاب الفاروق کا مسکت جواب پاکر اور
اپنے قصر امید کی دیواروں میں شگاف دیکھکر ایک بسیط و عریض نوحہ تصنیف فرماتے۔ حضرت

ممدوح کو جنرل اسلام اور ایک مدبر سیاسیات بیان کیا جاتا ہے مگر آں جناب نے جس خوش اسلوبی سے اصل واقعات کی نقاب کشائی کی ہے وہ یقیناً مستحسن اور تعجب خیز ہیں۔ حقیقت میں اسلام کی سچی خدمت کا یہ بہترین طریق ہے۔ آپ کے علمی کارنامے کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ خداوند عالم آپ کو بحق محمدؐ و آل محمدؐ تا دیر زندہ و سلامت رکھے۔ آمین" (۱۱) جناب ماسٹر سید انور علی صاحب دام مجدہ نے سکندر آباد دکن سے تحریر فرمایا "جناب مولانا و مقتدانا و حامی دین مبین دام اقبالہ سلام علیکم۔ خدا آپ کا سایہ ہم شیعوں پر قائم رکھے۔ اس سال جو ہر قرآن اور سوانح حضرت عمر جو چل رہی ہیں انکی مدح میں میری زبان و قلم قاصر ہے۔ جناب کے طرز بیان کی تعریف ناممکن ہے" (۱۲) جناب سید حسین صاحب ٹیلیگراف ماسٹر دام مجدہ نے نئی دہلی سے تحریر فرمایا "سوانح عمری حضرت ثانی اور جوہر قرآن بے مثال لاجواب کتب آں جناب کے قلم سے وجود میں آرہی ہیں۔ دعا ہے خداوند عالم آں جناب کو ان کی تکمیل کی توفیق رفیق کرے اور نشر علوم عقدین آں جناب کو صد و سی سال زندہ و سلامت و باکرامت رکھے۔ بقول غالب مرحوم ؎

تم سلامت رہو ہزار برس ⁝ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

(۱۲) جناب منشی دین محمد صاحب ہیچر دام مجدہٗ نے ضلع گرداسپور سے تحریر فرمایا "چشم بد دور رسالہ کیا ہے مخالفین کی رگ و ریشہ کو کاٹ رہا ہے۔ اللہ اس رسالہ کو ابد الآباد تک رکھے اور اسکے مدیر صاحب قبلہ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ رسالہ کے مضامین علمی خزانہ ہیں اور معلومات میں اضافہ کرنے کے خزانے ہیں ... جو ہر قرآن اور سوانح عمری جو چھپنی شروع ہوئی ہے اس سے علمی خزانہ میں گوناگوں اضافہ ہے" (۱۳) جناب سید احمد حسن صاحب دام مجدہٗ نے لگروہی سے تحریر فرمایا "حضور نے ہم لوگوں کا ایمان تازہ کر دیا۔ پروردگار آپ کو عمر نوح عطا فرمائے تاکہ اس غریب قوم کے سر پر آپ کا سایہ رہے۔ آپ نے جو ہر قرآن و سوانح عمری دوم صاحب الیسی عجیب و غریب لکھی ہے کہ جواب نہیں ہو سکتا" (۱۴) جناب میاں عمر علی صاحب رئیس اعظم دام مجدہ نے ضلع مظفر گڈھ سے تحریر فرمایا "سیدی و مولائی۔ جناب کے زور قلم سے جو کتاب عالم شہود میں آتی ہے دیکھنے والا فوراً ہی کہہ دیتا ہے کہ مولانا اس جیسی دوسری کتاب تصنیف نہ فرما سکیں گے۔ اسے حیران ہونا پڑتا ہے جب جناب کی دوسری تصنیف ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ بعد مطالعہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ حضرت عمر کی سوانح عمری

بھی جس شان سے لکھی جا رہی ہے یقیناً بطلان کے تار و پود کی نقاب جناب ہیرو کے رُخ زیبا سے ہٹا دیگی"

اس الخمری سے مذہب شیعہ کی ترقی اس سوانح عمری سے بفضلہ تعالےٰ بکثرت برادران اہلسنت نے مذہب حق قبول کرلیا ہے مثلاً جناب مولوی سید محمد یحییٰ حسن صاحب رئیس نہٹور سادات ضلع بجنور دام مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ "جوہر قرآن اور سوانح عمری خلیفہ دوم پڑھکر چار حضرات اہلسنت نے مذہب شیعہ قبول کرلیا۔"

ضروری مضامین کی مختصر فہرست

غلط نامہ

(پہلے ان غلطیوں کو درست کرلیجئے تب کتاب دیکھئے)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١	١٢	خلافت کے قبل	ہجرت	٥٥	١٣	گمراہ اور	گمراہ کرنا اور
٥	٨	اُس	اُس	٥٧	١٠	یقینا	لقینا
٩	١٨	اُس خط کو لکھا	اُس کو خط لکھا	٥٨	٧	نستیذ ل	نستذل
١٦	١٤	ساعدی	سعدی	٥٩	١٤	خون محفوظ	خون کے محفوظ
٢٨	٢	کبیرالسہ	کبیرالبتہ	٦٢	٢	ہوگیا لعنی	ہوگئے یعنی
٣٧	٩	یبائرون	یبرؤن	"	٦	ہوگی الااب اگر	ہوگی۔ اب اگر
٥١	١٢	اس کو	اُس سے	٦٤	٣	محمدؐ نبی	محمدؐ کو نبی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٨٥	٩	لوگوں فتح	لوگوں کو فتح				
١٠٣	١٢	خدائے موافقت	خدا نے میری موافقت	١٨٤	١٤	کوئی نئی	کوئی وجہ مانتی
١٠٨	١١	التشمس	التشهين	١٩٤	١٥	تبراء عذاب	بڑا عذاب
″	١٣	مللث	مللت				
١١١	٢٣	زبد	زہد	٢٠٧	٢١	اس وجہ	اس وجہ سے
١١٤	١٢	تمہارے بھی	تمہارے لئے بھی	٢٢١	٥	آخر	آؤ
				٢٢٣	٣	بہت سے بہت	بہت
١١٧	٣	لیشهد	لیشهد	″	١٢	اور ان کے فرزند	اور نہ ان کے فرزند
١٢٨	١٠	الطب	الرطب				
١٣٦	١٩			٢٢٨	١٣	صعبته	صعبة
١٥٦	١٢	مغضبنا	مغضبا	٢٣٤	٨	وانکرعر	وانکر عمر
١٥٧	١٨	فارق	فاروق	٢٤٩	٤	اسکے معنے	اس جگہ سودا
١٦١	١	ابو و عمر	ابوبکر و عمر	٢٤٩	٦	حضرت عمر	حضرت عمر کے والد
١٧٠	٢	چاتی	پاتی	٢٥١	٨	تھا رتا وہ	تھا کہ وہ
١٧١	١٢	فرماد یا تھا	فرمادی تھی	٢٥٦	٢٣	ص ١٨٥	ص ١٨٥ وازالۃ الخفاء جلد ٢ ص ٨١
″	٢٣	سام	سالم	٢٥٦	٦	عمیرا	عمیر
١٧٢	١١	المقدمۃ	المقدسۃ	٢٥٧	٤	فارق	فاروق

ان بعض کتابوں کی فہرست جنکے حوالے اس سوانح عمری میں زیادہ دیئے گئے ہیں

قرآن مجید۔

کتب تفسیر:- تفسیر در منثور علامہ سیوطی، تفسیر وحیدی مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی، تفسیر معالم التنزیل امام بغوی، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، تفسیر علامہ طبری۔ یہ روایت کنز العمال [illegible]

کتب حدیث :- صحیح بخاری ، مشکوۃ شریف ، فتح الباری ، مسند امام احمد بن حنبل ، فتح المغیث ، کنز العمال ، لئالی مصنوعہ ، شرح سفر السعادۃ ، سنن ترمذی ، کتاب الارشاد ، صحیح مسلم ، سنن ابی داؤد ۔ جامع الاصول ۔

کتب تاریخ :- تاریخ تمدن اسلام از جرجی زیدان ، جامع بیان العلم ، فہرست ابن الندیم تاریخ ابو الفدا ، تاریخ الخلفاء ، روضۃ الصفاء ، تاریخ طبری ، تاریخ کامل ابن اثیر ، مروج الذہب علامہ مسعودی ، تاریخ ابن خلدون ، روضۃ المناظر ، تاریخ ائمہ ، معارف ابن قتیبہ ، سکسرز آف محمدؐ ۔

کتب سیرۃ :- سیرۃ الفاروق ، الفاروق ، ازالۃ الخفاء ، قرۃ العینین ، ریاض نضرہ ، سیرۃ النبیؐ طبقات ابن سعد ، سیرۃ النعمان ، نصائح کافیہ ، تاریخ خمیس ، امہات الامۃ ، سیرۃ عائشہ ، سیرۃ محمدیہ ، سیرۃ حلبیہ ، سوانح عمری حضرت ابوبکر ۔

کتب رجال :- میزان الاعتدال ، تہذیب التہذیب ، اصابہ ، تہذیب الکمال ، استیعاب ، اسد الغابہ ۔

کتب انساب :- سبائک الذہب ۔

کتب ادب :- عقد فرید ، ثمرۃ الاوراق ، مستطرف ۔

کتب لغۃ :- انوار اللغۃ ، قاموس ، مجمع بحار الانوار ۔

کتب معارف :- شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید ۔ کتاب مستطاب ، نہج البلاغہ ۔

کتب جغرافیہ :- سفرنامہ روم و شام و مصر ۔

کتب فقہ :- فتاوے عزیزی ۔

ضروری اعلان جو صاحب اس سوانح عمری کا ترجمہ بھی انگریزی اور عربی زبان میں شایع کرنا چاہیں اُن کا فرض ہوگا اسکے مصنف سے اجازت لیکر ایسا کریں اور جب ترجمہ کو پریس میں دینے لگیں تو مصنف کو اس کا مسودہ دکھانے کے بعد ایسا کریں تاکہ دیکھ لیا جائے ترجمہ اصل کے مطابق کیا گیا ہے یا اسمیں کچھ ترمیم کی ضرورت باقی رہ گئی ہے اوسکو درست کرنے کے بعد اسکی اشاعۃ قابل اعتراض نہیں رہیگی ۔

۷۸۶

[illegible]

الحمدللہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمیٰ بہ

سوانح عمری حضرت عمر

حصہ اول و دوم

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمر بن الخطاب کی ولادت سے ممدوح کی خلافت کے (ہجرت) تا ۱۳ کے مفصل سوانح حیات بکمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدۂ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء المجتہد بن زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمؤمنین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ
(المتوفی ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری)

مطبع اصلاح کھجوا ضلع سارن (بہار)

بار اول سنہ ۱۳۵۷ ہجری



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین۔

احقر علی حیدر عفا عنہ اللہ الاکبر مدیر رسالہ اصلاح کھجوا ابن حضرت فخر المتکلمین سید المحققین ظہیر العلماء والمجتہدین بن عماد الملۃ والدین بن حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا ومقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ (المتوفی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ ہجری) عرض کرتا ہے کہ دنیا میں جو لوگ کسی وجہ سے بڑے درجہ پر پہونچے اُن کے حالات زندگی جاننے اور اُنکی ترقی وعروج کے اسباب وذرائع پر مطلع ہونے کا شوق لوگوں کو آمادہ کرتا ہے کہ ان کے سوانح زندگی کی تحقیق کریں اور مفصل واقعات کا پتا لگائیں۔ اسی طرح کسی شخص کی سوانح عمری مرتب کرنے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور دنیا کے نامور لوگوں کے تذکرے کسی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

اسلام میں حضرت عمر بن الخطاب بھی ایک نامور بزرگ گزرے ہیں جن کے مفصل حالات جاننے کا اشتیاق مسلمانوں کو ہوتا ہی چاہیئے۔ اس سبب سے ان کے حالات عربی زبان کی کتب تاریخ ورجال میں تو موجود ہی ہیں۔ ان کے متعلق اردو زبان میں بھی دو سوانح عمری شائع ہو چکی ہے۔ ایک سیرۃ الفاروق مولفہ منشی سراج الدین احمد صاحب اڈیٹر سرمور گزٹ جو سنہ ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسری الفاروق مولفہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی جو سنہ ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ مگر افسوس کل کتابوں میں ممدوح کے صرف وہی حالات شائع کئے گئے جو خوش اعتقادی کا نتیجہ کہے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ سوانح نویس کو اپنے ہیرو کا سچا مصور ہونا چاہیئے کہ اسکی صورت جیسی بھی ہو اس کا

عکس اُتار کر پیش کر دے۔ اپنی جانب سے اس میں کچھ تصرف نہ کرے۔ اور حالات کے انتخاب میں اپنی دینی ارادت کو دخل نہ دے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی اپنی الفاروق کو اس طرح لکھنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے اگر ان سے قبل جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں حضرت عمرؓ کو ان کی اصلی حالت سے بہت زیادہ دکھانے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ حالانکہ شاہ صاحب نے زیادہ تر اُن روایات سے ممدوح کی عظمت ثابت کی جن کو محققینِ اسلام قبول کرنے کے لئے طیار نہیں ہیں۔ خود مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغۂ قضا کے متعلق ان کا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں اُن کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدہ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اُن کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے" (الفاروق حصہ اول دیباچہ صـ۱۶) اس پوری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی الفاروق کا منبع زیادہ تر یہی کتابیں ہیں۔ اور موصوف ان کل کتابوں کو قابل اعتبار و استناد سمجھتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ گویا آپ کی نظر میں سب مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر اس کے بعد ہی موصوف تحریر فرماتے ہیں " ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل

سے ملتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا" (الفاروق ص۱۶)۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس عبارت سے پوری کتاب الفاروق کی حقیقت منکشف ہو جائے۔ ریاض النضرہ میں موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لئے ممدوح نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب (ریاض النضرہ) کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے اور اس (شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب) کو مولوی صاحب اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اسکی مدح بھی نہایت عظمت سے کرتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقہ سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اٹھایا ہے"۔ مولوی صاحب اگر زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ جب ازالۃ الخفاء ماخوذ ہے ریاض نضرہ سے اور ریاض نضرہ میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں تو ازالۃ الخفاء بھی نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ ہوئی یا نہیں؟ اور جب ازالۃ الخفاء موضوع روایتوں سے ماخوذ ہوئی اور آپ نے اُن سے فائدہ اُٹھایا تو الفاروق بھی نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ ہوئی یا نہیں؟ کیا تماشا ہے کہ آپ ریاض نضرہ سے تو احتراز کرتے ہیں لیکن ازالۃ الخفاء سے جو اسی ریاض نضرہ سے لکھی گئی بلکہ اس کا مطلب خیز ترجمہ کیا گیا ہے آپ اپنی الفاروق مرتب کرتے ہیں! اگر ایک دیگ میں سڑا ہوا کھانا ہے تو کفگیر میں اس سے جو کھانا نکالا جائیگا وہ بھی سڑا ہوا ہی ہوگا۔ کوئی شخص اس نکلے ہوئے کھانے کو خوشگوار نہیں کہہ سکتا۔ اگر ایک لوٹے میں نجس پانی ہے تو اس سے چلو میں جو پانی انڈیلا جائیگا وہ بھی نجس ہی ہوگا کوئی انسان اس کو پاک نہیں کہیگا۔ اگر ایک قرابہ میں کراسن کا تیل ہے تو اس سے کُپّی میں جو چیز نکالی جائیگی وہ بھی کراسن کا تیل ہی ہوگی۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس کو سر میں لگانے کا خوشبودار تیل نہیں تسلیم کریگا۔ اسی اصول کے مطابق اگر ریاض نضرہ میں موضوع اور ضعیف روایتیں ہیں تو ازالۃ الخفاء کی روایتیں بھی موضوع اور ضعیف

ہی ہونگی۔ اور اس ازالۃ الخفار سے الفاروق مرتب ہوئی تو وہ بھی موضوع اور ضعیف روایتوں ہی کا مجموعہ ہو سکتی ہے اور اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کراسن تیل کے ٹین سے تیل بوتل میں انڈیلا گیا۔ اور اس سے کپی میں لیا گیا۔ سب میں وہ تیل کراسن ہی کا رہا بدلا نہیں۔ اس سے دس بیس برتنوں میں ڈالتے جاؤ سب میں وہ تیل وہی رہیگا۔ وہی بُو۔ وہی مزہ رہیگا۔ ظرف بدلنے سے مظروف نہیں بدلیگا۔

یہ امر کس قدر حیرت خیز اور افسوس ناک ہے کہ حضرت عمر کی وہ سوانح عمری جو ممدوح کی بہترین لائف سمجھی جاتی ہے اور جس کے متعلق خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " الفاروق جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اول اول اُس کا نام باتوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اُس کا ذکر آگیا تھا۔ اسکے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کے ابتدائی اجزا ابھی طیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا" (الفاروق صا) اُس کی بنیاد ازالۃ الخفار وغیرہ ایسی کتاب پر رکھی گئی وہ ازالۃ الخفار جسکی بنیاد ریاض نضرہ پر اور ریاض نضرہ کی بنیاد موضوع اور ضعیف روایتوں پر قائم ہوئی۔ ایسی کتاب کا جو نتیجہ ہوگا واضح ہے۔ سچ ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ؛ تا ثریا می رود دیوار کج

یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ صرف ازالۃ الخفار کی وجہ سے پوری کتاب الفاروق کیوں موضوع اور ضعیف روایتوں سے ماخوذ قرار دی جائیگی۔ اس میں اور کتابوں سے بھی تو مضامین لئے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کتاب کے مصنف (مولوی شبلی صاحب) نے جس نظر سے ازالۃ الخفار کو دیکھا اسی نظر سے دوسری کتابوں کو بھی دیکھا۔ جب آپ نے ازالۃ الخفاء کو باوجود اسکے کہ وہ موضوع اور ضعیف روایتوں والی کتاب سے ماخوذ ہے اپنا ماخذ قرار دیا اور اسکی پرواہ نہیں کی کہ اس سے احتراز کریں تو دوسری کتابوں کے متعلق بھی آپ پر اطمینان نہیں ہو سکتا کہ انھیں کتابوں کو اپنی الفاروق کا ماخذ قرار دیا ہو جن کی روایتیں موضوع اور ضعیف نہیں ہیں۔ جس طرح کوئی جوہری سو موتیوں کا ایک

ہار بنائے اور کہے اس کے کل موتی سچے ہیں مگر بعد کو اُسی کے بیان سے کسی موتی کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو بقیہ موتیوں کے متعلق بھی اطمینان زائل ہو جائیگا اور سب کے جھوٹے ہونے کا کم از کم احتمال ضرور پیدا ہوگا۔ اب جو شخص جوہری ہوگا وہ جانچ کر بتا دیگا کہ اس ہار کے یہ موتی بھی جھوٹے اور صرف یہ سچے ہیں لیکن عوام کو جو اسکی آسانی سے تمیز نہیں کر سکتے کل موتیوں کے متعلق شک باقی رہے گا۔

فن درایت مولوی شبلی صاحب نے اپنی کتاب کا ماخذ جس طرح کتب مذکورہ بالا کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس کو درایت کے اصول پر بھی مبنی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب وعلل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے ... درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم۔ ابن القیم۔ خطابی۔ ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے:۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیہا علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ وقواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ نہ

الانسانی ولا قیس الغائب منہا بالشاھد والحاضر بالذاھب فربما لم یؤمن فیہا من العثور	طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہو گی۔

علامۂ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکانِ عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق صہ ۱۵)

مولوی صاحب ممدوح کا فرض تھا کہ حضرت عمرؓ کے حالات میں بحیثیت منصف مولف کے طرز عمل اختیار کرتے کہ ہر واقعہ کو روایت اور درایت دونوں کے مطابق جانچ کر کے لکھتے خواہ اس سے ان کے ہیرو کی مدح نکلتی یا ذم۔ مگر افسوس موصوف نے اسکے برعکس اصول اختیار کیا کہ جس روایت سے ممدوح کی مدح ثابت ہوتی تھی وہاں اصول درایت کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ ایسی روش اختیار کی کہ ناظرین کا ذہن اصول درایت کی طرف ملتفت بھی نہ ہونے پائے۔ اور جس روایت سے ممدوح کی مذمت نکلتی تھی وہاں اصول درایت کو پیش کر کے اپنا کام نکالنا چاہا[۱] مثال کے طور پر صرف حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ پیش کر دینا کافی ہے۔ آپ خود اس کو اس طرح لکھتے ہیں "حضرت عمرؓ کا ستائیسواں

---

[۱] اس زمانہ میں جو لوگ اپنے مذہب کے مذہبی پیشواؤں کی مدح اور دوسرے مذہب یا اسکے مقتدایان دین کی مذمت میں کتابیں لکھتے ہیں وہ عموماً یہی روش اختیار کرتے ہیں۔ زمانہ حال میں مصر میں ایک مشہور عیسائی مصنف علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الہلال گزرا ہے اس نے اسلام کی مذمت میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ وہاں تک تو کسی کو پروا نہیں ہوئی مگر جب بنو امیہ کی مذمت پر پہونچا تو مولوی شبلی صاحب سے برداشت نہ ہو سکا اور عربی زبان میں ایک رسالہ اسکی رد میں لکھا۔ اردو میں بھی اسکی رد شایع کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "تمدن اسلام مصنفہ جرجی زیدان کی پردہ دری۔ جرجی زیدان ایک عیسائی

سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ ص۷) مصنف نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی تاریخ لکھی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے دریردہ مسلمانوں پر نہایت سخت اور متعصبانہ حملے کئے ہیں۔ لیکن بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی کی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کی نظر اسکی فریب کاریوں پر نہیں پڑی اور کتاب گھر گھر پھیل گئی۔ میں اس حالت کو دیکھ رہا تھا لیکن قلت فرصت کی وجہ سے اسکی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ فاضل کے امتحان میں اس کے داخل نصاب کرنے کی رائے دی گئی۔ اور ٹائمس نے حال میں ایک مضمون لکھا کہ حضرت عمر کا کتب خانہ اسکندریہ کو جلانا ثابت ہے جیسا کہ جرجی زیدان نے اسکو تمدن اسلام میں جدید دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔

ان واقعات نے مجبور کر دیا کہ میں اسکی فریب کاریاں تفصیل کے ساتھ ناظرین کے پیش نظر کروں۔ اصل مضمون عربی میں لکھا ہے اور اس کو نہایت وسعت دی ہے۔ اردو میں مختصر کر دیا ہے۔ اور طرز تحریر سے بھی معمولی ہے۔

مصنف کا اصل مقصود کیا ہے؟ آج کل یورپ میں تصنیف کا ایک طرز یہ ہے کہ مصنف کبھی خاص قسم کے واقعات جب ملک میں پھیلانا چاہتا ہے تو اس پر مستقل حیثیت سے کوئی کتاب نہیں لکھتا بلکہ کوئی ناول لکھتا ہے جس میں ان واقعات کو جا بجا ضمنی موقعوں میں لاتا جاتا ہے اور اس طرح دلچسپی کے ساتھ ان تمام واقعات کو گوشش آشنا کر دیتا ہے۔ اسی قسم کا طریقہ مصنف نے اختیار کیا ہے اس کے اہم مقاصد جسکے لئے اس نے یہ کتاب لکھی ہے حسب ذیل ہیں (۱) عرب کی تحقیر اور ان کی مذمت (۲) خلفاء بنی امیہ و عباسیہ مذہب کی توہین کرتے تھے ... (۳) مسلمانوں پر عام اعتراضات۔

ان مضامین پر مصنف اگر کوئی مستقل کتاب لکھتا تو لوگ اسکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ اس لئے اس نے تاریخی واقعات کے پردے میں ان مضامین کو ادا کیا اور

توحید کی آواز بالکل ا نوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اِس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان

(بقیہ حاشیہ صٹ) آہستہ آہستہ یہ زہر اس طرح سرایت کر گیا کہ لوگوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی۔ مصنف نے ان اغراض کے حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ان کی تفصیل ذیل میں ہے (۱) صریح کذب و دروغ (۲) روایات کی نقل میں خیانت اور تحریف (۳) کسی صحیح واقعہ میں اپنی طرف سے ایسا اضافہ کردینا کہ واقعہ کی صورت بدل جائے (۴) غلط استنباط اور استدلال ....

اس موقع پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس میں مصنف کا کیا قصور ہے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں مصنف نے ان کو نقل کردیا اور سند بھی نقل کردی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان عبارتوں کی نقل میں سخت تحریف اور خیانت سے کام لیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ مصنف نے اس تصنیف میں مختلف طریقوں سے کام لیا ہے۔ کہیں علانیہ جھوٹ حوالے دیتا ہے۔ کہیں عبارت کو ادل بدل کردیتا ہے۔ کہیں ایک خاص واقعہ کو عام کردیتا ہے اور اس سے عام نتیجہ نکالتا ہے۔ کہیں اپنے موافق ایک واقعہ کو نقل کرتا ہے اور اس کے مخالف بہت سے صحیح واقعات جو مذکور ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے۔ کہیں استدلال اور استنباط میں غلطی کرتا ہے۔

ایک امر کا اظہار کرنا اس موقع پر ضرور ہے۔ مصنف نے جب اس کتاب کا پہلا حصہ مجھکو بھیجا تو میں نے اجمالاً کتاب کی تعریف کی۔ لیکن چونکہ میں مصنف کی عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے اُس خط کو لکھا کہ آپ کو واقعات میں کتابوں کا حوالہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ مصنف نے میرے اس خط کو تمدن اسلام کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے۔ اور میری تحریک کے مطابق پچھلے حصوں میں حوالے دیئے ہیں۔ لیکن اس میں یہ چالاکی کی کہ چھاپے کی تعیین نہیں کرتا۔ اکثر کتابیں مصر میں بار بار چھپی ہیں۔ مصنف ان کے حوالے دیتا ہے اور یہ نہیں بتاتا کہ کون سے چھاپہ کے صفحے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن الاثیر، مسعودی وغیرہ کے جو کثرت سے مصنف نے

ہو گئیں۔ اِسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ اِن کے کانوں میں جب یہ صدا

(بقیہ حاشیہ ص۹) حوالے دیئے ہیں۔ میں نے مقابلہ کیا تو میرے پاس جو نسخے ہیں اُن میں وہ عبارتیں نہیں ملیں۔ لیکن مصنف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے کسی اور نسخہ کا حوالہ دیا ہے۔ اس کارروائی کی وجہ سے مصنف کی بہت سی خیانتوں کا پردہ رہ گیا۔ ورنہ جن کتابوں میں اس کے حوالے میرے نسخے سے مطابق نکلے ہیں ان میں ایک موقع بھی مجھ کو ایسا نہ ملا کہ مصنف نے سخت خیانت نہ کی ہو..... مصنف کے کذب وافترا، فریب و تدلیس، غلط استدلالی اگرچہ الگ الگ عنوان قائم کر کے تفصیل سے لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ناظرین کو اس سے چنداں دلچسپی نہ ہوگی... مصنف نے جس قدر سندیں نقل کی ہیں سب ایک خاص گروہ یا خاص اشخاص کے اقوال ہیں۔ مصنف ان کو تحریف پسندی کی بنا پر عام کر لیتا ہے اور ان سے استدلال کرتا ہے۔ اس نے جی کھول کر زورِ طبع صرف کیا ہے اور جس قدر کذب، تحریف، تمویہ، فریب، تدلیس، خدع، غلط بیانی کی قوت فطرت نے اس کو عطا کی تھی سب صرف کر دی ہے... مصنف یہ کتاب عیسائی بن کر نہیں بلکہ مورخ بن کر لکھتا ہے۔ اور اسی حیثیت سے اس تصنیف کو تمام دنیائے اسلام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس فرض کو کہاں تک ادا کر سکا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی خدمت سچائی کا پھیلانا ہے۔ اس لئے اگر مصنف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو اس نے... لٹریچر کے ساتھ، تاریخ کے ساتھ بلکہ کل دنیا کے ساتھ برائی کی ہے... بنو امیہ کے پردہ میں مصنف نے قرن اول کے عام مسلمانوں کی ہر قسم کی برائیاں ثابت کی ہیں۔ اس لئے ایسے اتہامات کا رفع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جن باتوں نے اس کتاب کو تاریخی پایہ سے بالکل گرا دیا ہے۔ یعنی تحریف، تعصب، کذب وخدع ان کا سب سے زیادہ استعمال بنو امیہ ہی کے واقعات میں کیا گیا ہے... مصنف نے نہایت مغالطہ کاری اور ملمع سازی سے کام لیا ہے... جس فریب وہ ترتیب سے مصنف نے ان واقعات کو لکھا ہے اس سے یہ

پہونچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اِن کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اُس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر مارونگا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ اِن تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی

(بقیہ حاشیہ صلا) ظاہر ہوتا ہے ... واقعات کے بیان کرنے میں مصنف حسب عادت کہیں ایک جزئی واقعہ کو عام کر دیتا ہے۔ کہیں تاریخی حوالوں میں تحریف کرتا ہے. کہیں غلط استدلال سے کام لیتا ہے لیکن اگر اسکی ایک ایک جزئی خیانتوں کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بہت بڑی کتاب طیار کرنی ہوگی۔ اس لئے ہم اختصار کے ساتھ اسکی فریب کاریوں کو دکھاتے ہیں ... ناظرین کو تعجب ہوگا کہ مصنف نے جو واقعات لکھے ہیں ان سے بڑھکر ظلم کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے اور ان کی صحت سے اس لئے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر واقعہ کے ساتھ سند موجود ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ان تمام واقعات میں تحریف، تدلیس اور غلط بیانیاں کی ہیں افسوس ہے کہ ان سب کی اگر تشریح کی جائے تو تمدن اسلام کے برابر ایک کتاب بن جائیگی ... مصنف نے سخت خیانت کی ہے ... ان چند واقعات کو مصنف اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ بنوامیہ کا یہ عام طرز عمل تھا ... ان واقعات کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ اسکے بیان میں مصنف نے کس قدر جھوٹ اور فریب رنگ آمیزیاں کی ہیں ... مصنف کی اس خیانت کو دیکھو کہ یزید بن ابی مسلم کی کارروائی لکھکر باقی تمام واقعات کو قلم انداز کر دیا ہے ... مصنف نے سخت خیانت اور علانیہ دروغ گوئی کی ہے ... اس عبارت کے نقل کرنے میں سخت خیانت کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ آفشین کا قول ہے جو ایک مجوسی تھا اور بظاہر مسلمان ہوگیا تھا۔ مصنف نے اس کو عام کر کے ارباب حکومت کی طرف منسوب کیا ہے" (الندوہ بنا جلد ۸ ماہ شوال ۱۳۲۹ ہجری)۔ یہاں تک کی کل عبارت مولوی شبلی صاحب ہی کے مضمون کا اقتباس ہے۔ اس پر ہر انصاف پسند شخص مولوی شبلی صاحب

وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ نعوذ باللہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کردیں۔ تلوار کمر سے لگائے سیدھے رسول اللہؐ کی طرف چلے... راہ میں نعیم نے کہا... خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہونچے... بولے... میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے اور جب انکی بہن بچانے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا بدن لہو لہان ہوگیا.. حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچکر دستک دی... اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور اِن کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُررعب آواز نے اِن کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے" (الفاروق ص۳۳)۔ عبارت طویل تھی ہم نے ضروری اقتباس کرلیا ہے۔ (اور تفصیل سے انشاءاللہ آئندہ حضرت عمر کے اسلام کی تحقیق میں بحث کرینگے) نعمانی صاحب خود لکھ چکے ہیں کہ "واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں... امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے" (الفاروق ص۱۵) اب مذکورہ بالا واقعہ پر غور کرو کہ حضرت عمر کا اس طرح ایمان قبول کرنا فی نفسہ یعنی اصول عادت کے مطابق ممکن ہے؟ چھ سال سے اسلام کی آواز۔ اسکی دعوت۔ اس کی خصوصیات مشہور ہوچکی ہیں۔ قرآن مجید کی عبارتیں برابر کانوں میں پڑتی رہی ہیں۔ اسلام۔ نبوت اور قرآن مجید کے چرچے ہر جگہ ہو رہے ہیں۔ اسکی خوبیاں مثل آفتاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) سے دریافت کرسکتا ہے کہ جو شکایتیں آپ کو جرجی زیدان سے اسکی کتاب تمدن اسلام کے متعلق ہیں کیا بالکل وہی شکایتیں بے تعصب مسلمانوں کو آپ سے بھی آپ ہی کی کتاب الفاروق کے متعلق نہیں ہوسکتیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ جرجی زیدان نے بنو امیہ کی مذمت میں وہ ترکیبیں کیں اور آپ نے حضرت عمر کی مدح میں۔ اس کے سوا تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور اگر جرجی زیدان اردو سمجھتا تو آپ کے اعتراضات کا پورا جواب وہ آپ ہی کی الفاروق پیش کرکے آپ کو خاموش کردیتا اور کہتا آفتاب آمد دلیل آفتاب!!

روشن ہو چکی ہیں۔ رسولؐ کا شہرہ دور دور تک پہونچ چکا ہے۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ اسلام سے صرف علیحدہ ہی نہیں ہیں بلکہ اِس کے خلاف آپ کو اس درجہ غیظ و غضب ہے کہ آپ کے قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ کنیز کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ راہ میں بہن بہنوئی کو لہولہان کر دیا۔ حضرتؐ کو قتل کرنے آنحضرتؐ کے پاس پہونچے اور فوراً ایمان قبول کر لیا۔ گویا ایک منٹ میں آپ بے درجہ دشمن سے اس کے جان نثار بن گئے۔

اصول عادت کے مطابق کیا یہ ممکن ہے کہ جو شخص اِس درجہ مخالف ہو وہ فوراً مسلمان ہو جائے؟ آج فرقہ اہلحدیث اور فرقہ حنفی میں سخت عداوت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اہلحدیث کا ایک شخص جو دن رات اخباروں، رسالوں۔ کتابوں میں امام ابو حنیفہ اور مذہب حنفی کی خوبیاں دیکھتا رہتا اور ان سب کو لغو و مہمل سمجھکر حقارت سے ٹھکراتا رہتا ہے کسی زبردست حنفی عالم کو قتل کرنے کے ارادے سے جائے مگر وہ زبردست عالم اس کو پکڑ کر ہلاک کرنا چاہے تو وہ دل سے حنفی مذہب قبول کر لے؟ یا قادیانیوں اور مسلمانوں میں مخالفت ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی قادیانی کسی غیر قادیانی عالم اہلسنت کو قتل کرنے جائے اور جب وہ غیر قادیانی اس کو پکڑ کر دبانا چاہے تو دل سے کہدے کہ میں تو حضور کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ قادیانی مذہب سے توبہ کروں؟ آریہ اور مسلمانوں میں شدید عناد ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آریہ جو دن رات اسلام کی خوبیاں سُنتا۔ اخباروں میں پڑھتا۔ کتابوں میں دیکھتا رہتا ہے اور پھر بھی اس کو شدید نفرت ہے کسی زبردست مسلمان مناظر عالم کو قتل کرنے جائے اور جب عالم اس کو گرفتار کر کے سزا دینی چاہے تو دل سے اقرار کرلے کہ مذہب اسلام سچا ہے اور اس کا پیرو ہو جائے! عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی بہت دنوں سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی عیسائی پادری جو شب و روز مسلمانوں کی مخالفت میں بسر کرتا اور ان کے خون کا پیاسا رہتا ہے کسی بڑے مسلمان عالم کو قتل کرنے کے لئے نکلے اور جب وہ مسلمان عالم اس کو پکڑ کر اسکے سر کو توڑنا چاہے تو وہ دل سے بول اُٹھے

کہ میں تو آپ کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ اِن کل صورتوں میں کسی کا اپنے مذہب کو ترک کرکے دوسرے کا مذہب اختیار کر لینا ناممکن (اصول عادت کے خلاف) اور صرف اپنی جان بچانے کی تدبیر اور موت کے چنگل سے نکلنے کا حیلہ ہے۔ تو حضرت عمر کے متعلق بھی یہی فیصلہ کرنا پڑیگا کہ اُس وقت آپ نے دور اندیشی اور مصلحت اِسی میں دیکھی کہ حضرتؐ سے کہ دیں "میں ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں"۔ مگر مولوی شبلی صاحب نے اِس جگہ صرف روایت کو لے کر حضرت عمر کے اسلام کا فیصلہ کر دیا۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ درایت کے اصول سے یہ امر قابل تسلیم ہے بھی یا نہیں۔ اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں لہ

لہ لطیفہ یہ امر کس قدر قابل مضحکہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں جس درایت کو اس درجہ اہم کر دیا کہ کئی صفحے اس کے لئے سیاہ کئے اور آخر میں لکھا "واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اُس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں (۱) واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟ (۲) اُس زمانہ میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟ (۳) واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں (۴) اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اُسکے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ ہے؟ (۵) راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں (۶) اس بات کا اندازہ کہ زمانہ کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان اصول کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور ان کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں" (الفاروق صـ۱۷)۔ جب ممدوح اپنی دوسری کتاب سیرۃ النبی لکھنے لگے تو اسی درایت کو

اِن وجوہ سے شدید ضرورت ہے کہ کمال تحقیق و انصاف اور انتہا درجہ کی بے تعصبی سے کام لے کر بلکہ آزاد مطلق ہو کر حضرت عمرؓ کی ایک ایسی جدید مفصل اور جامع سوانح عمری لکھی جائے جس میں نہ مذہبی خوش اعتقادی کا اثر ظاہر ہو نہ دینی تعصب کا دھبا نظر آئے۔ اور نہ اختلاف مسلک کا مقتضےٰ دکھائی دے۔ اُس کا مصنف ذاتی حیثیت سے خواہ کسی مذہب کا پابند ہو لیکن حضرت عمرؓ کے حالات لکھنے میں اُس کے

(بقیہ حاشیہ صلا۱۴) نہایت درجہ خفیف کر دیا۔ جیسا کہ لکھتے ہیں "نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہو گی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلۂ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو اُس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے۔ حامیان روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہیگا انکار کر دیگا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں ... ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے اور یہ طریقہ خود صحابہ کرام کے عہد میں شروع ہو گیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا۔ چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے اس لئے ہم اسکی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں ... صحابہ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ گو اُن کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۵۹)۔ مگر مولوی صاحب نے یہ یہاں نہیں لکھا کہ آپ خود کس گروہ میں داخل ہیں۔ اور اب درایت کو روایت پر ترجیح دینگے یا نہیں۔ کیا یہ حیرت خیز امر نہیں کہ ممدوح جس فن کو الفاروق میں اس قدر ضروری قرار دیں کہ اسکے ہر صفحہ میں اس سے کام لیں اس کو دوسری

قلم پر کسی قسم کا پہرہ نہیں رہے - وہ نہ سُنی ظاہر ہو نہ شیعہ بلکہ تمام مذہبی خیالات سے علیحدہ اور ہر دینی جذبہ سے پاک ہو کر محض مورخ کی حیثیت سے صحیح واقعات کو جمع کر دے اور علم و عقل سے جو امر درست ثابت ہو وہی نتیجہ نکال کر پیش کرے۔

ضروری سوال یہاں یہ ضروری سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے تو حضرت عمرؓ کو اپنا مقتدائے دین سمجھنے کی وجہ سے موضوع اور ضعیف روایتوں پر اعتبار کر کے اُن کو اُن کی اصلی حالت سے بہت زیادہ دکھانے کی کوشش کی اور اُن کا جو واقعی درجہ تھا اُس سے کہیں بڑھا چڑھا دیا جس سے اُنکی صحیح حالت پر پردے پڑ گئے اور وہ کچھ اور نظر آنے لگے۔ لیکن جو شخص اُن کو اپنا پیشوائے مذہب نہیں جانتا اور نہ اُن سے حسنِ عقیدت رکھتا ہے بلکہ اُس کا مذہب ہی اُس کو مجبور کرتا ہے کہ ممدوح سے علیحدگی اختیار کرے۔ اُس سے کیونکر اس امر کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں بجائے مدح کے صرف مذمت نہ کرے۔ اور جس طرح مولوی شبلی صاحب وغیرہ نے افراط کا پہلو اختیار کیا اسی طرح یہ شخص اسکے عکس تفریط کے اصول پر عمل کر کے ممدوح کی نئی سوانح عمری کو محض آپ کے عیوب اور مطاعن کا ذخیرہ نہ بنا دے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؏ گل است سعدیؒ و در چشم دشمناں خار است۔ سعدیؒ

اُس کو تو ممدوح کا وہ فعل بھی جو واقعاً اچھا ہے بُرا ہی نظر آئیگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ... عیب نماید ہنرش در نظر

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس جدید سوانح عمری کے متعلق بادی النظر میں ایسا شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایسے واقعات ہر روز ہوتے رہتے ہیں کہ ایک ہی شخص یا ایک ہی چیز یا ایک ہی واقعہ کے متعلق کچھ لوگ صرف اسکی مدح کرتے ہیں اور کچھ صرف ذم پر آمادہ رہتے ہیں تو پھر اسکی اصلی حالت ظاہر کر دیتے ہیں جس میں بعض حصہ مدح کا ہوتا ہے اور بعض ذم کا بھی۔ پھر سمجھدار اور تحقیق پسند جماعت انصاف اور عقل سے کام لیتی ہے تو اس پر واضح ہو جاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) کتاب لکھتے وقت اس درجہ ناقابل التفات قرار دے دیں ؏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ۱۲

کہ کس شخص کے بیان کی کیا حالت ہے۔ کس نے افراط سے کام لیا ہے۔ کس نے تفریط سے اور کس نے اعتدال سے۔ کس نے واقعہ پر رنگ چڑھایا ہے اور کس نے اس کو اس کے اصلی لباس میں پیش کر دیا ہے۔ کس کا کلام قابل رد۔ کس کا مستحق انکار اور کس کا لائق تسلیم ہے۔

بس اسی طرح دوسری سوانح عمریوں کے ساتھ اس جدید سوانح عمری کے دیکھنے والے بھی آسانی سے فیصلہ کر لیں گے کہ اس کی کیا حالت ہے اور کس رنگ میں لکھی گئی ہے یہ طے شدہ امر ہے کہ اس جدید سوانح عمری کے مأخذ بھی صرف حضرات اہلسنت کی کی کتب حدیث و تفسیر و رجال و تاریخ و فقہ و جغرافیہ وغیرہ ہی ہیں کہ انھیں کتابوں سے یہ سوانح عمری بھی مرتب کی جائیگی۔ اور کسی شیعہ کی کتاب سے کوئی مضمون اس میں درج نہیں کیا جائیگا۔ پس اگر بالفرض اس میں حضرت ممدوح کے عیوب و مطاعن اور ذم و قدح کا انبار لگا دیا جائے جب بھی اس کا کوئی حرف غلط نہیں ہو سکتا نہ کسی طرح وہ شبہہ کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ نہ اسکی کسی روایت کو کوئی شخص موضوع کہہ سکتا ہے۔ نہ کسی بیان پر اتہام و افترا کا شک کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں خلفاء ثلثہ کے فضائل و مناقب میں تو غلط اور موضوع روایتیں ہزاروں مل سکتی ہیں لیکن ان کی رد و قدح طعن و ذم اور مخالفت و عیب جوئی میں نہیں مل سکتیں کیونکہ ایسی ایک روایت بھی غلط درج ہو ہی نہیں سکتی تھی پس ان حضرات کے متعلق جو روایت یا مضمون کسی کتاب میں ملے اور اس سے ان کی ہجو یا مذمت ثابت ہو اُس کے بارے میں یقین کرنا ہو گا کہ بے شک صحیح اور وہم و شک سے بالاتر ہے۔

یہ بہت بڑا اور نہایت اہم دعوے ہے اس سبب سے شدید ضرورت ہے کہ اسکی وجہ ذرہ تفصیل سے لکھی جائے۔ ناظرین کتاب گھبرائیں نہیں بلکہ صبر سے کام لیں۔ کیونکہ اس بیان کا بہت گہرا تعلق اس جدید سوانح عمری سے ہے اور جب تک یہ مضمون اچھی طرح واضح و مبرہن نہ ہو جائیگا اُس وقت تک اس سوانح عمری کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ بیان بھی اس کتاب کی بڑی بنیاد ہے جس پر ممکن ہے خدائے کریم اپنے فضل و کرم سے کوئی شاندار عمارت قائم کرا دے۔ اس دعوے کی حقیقت اس پر موقوف ہے کہ اسلامی

کتابوں کی تدوین و ترتیب کی حالت واضح کی جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کیا کتب اہلسنت میں خلفاء ثلثہ کے خلاف کوئی حال درج بھی ہو سکتا تھا یا نہیں۔ ان کی مذمت یا عیب کا کسی کتاب میں مرقوم ہونا ممکن بھی تھا یا نہیں یا کوئی شخص ان کے مطاعن کو بہ حیثیت مطاعن اپنی کتاب میں لکھنے پر قادر بھی تھا یا نہیں۔ اگر حالات ایسے منکشف ہو جائیں جن سے واضح ہو جائے کہ ان حضرات کے فضائل و مناقب اور مدح وثنا کے درج کرنے میں ہر شخص کا قلم نہایت آزاد اور اس کا ہاتھ بالکل مطلق العنان تھا لیکن انکی تنقیص و توہین کی روایات یا عیب و ذم کے مضامین پر حکومت کے زبردست پہرے پڑے ہوئے تھے اور جو شخص اس کا ارادہ بھی کرتا اس کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ موضوع اور غلط روایات کا تعلق صرف خلفاء ثلثہ کی مدح وثنا اور فضائل و مناقب سے ہو سکتا ہے مگر انکی مذمت و اہانت سے ممکن ہی نہیں ہے۔

بہتر ہے کہ پہلے اسلامی کتابوں کی ترتیب و تدوین کی حقیقت واضح کی جائے تاکہ یہ بحث صاف ہو سکے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں اس پر بھی قلم فرسائی کی ہے بغرض اختصار ممدوح ہی کی چند عبارتوں کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ لکھتے ہیں۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی امیر معویہ المتوفی ۶۰ھ ہجری کے زمانہ میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معویہ نے اس کو صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھا ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانۃ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ ہجری

کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ۱۱۳ھ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

۱۴۳ھ ہجری میں جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفیٰ ۱۵۱ھ ہجری نے منصور عباسی کے لئے خاص سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مورخین کا دعوےٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسےٰ بن عقبہ المتوفیٰ ۱۴۱ھ ہجری نے آں حضرت کے مغازی قلم بند کئے تھے۔ موسےٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے اُن کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی۔ واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے۔ قبائل عرب کے مناظرات۔ جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک قریب بے پایاں طیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔ اس دور میں بے شمار مورخ گزرے۔ ان میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُنکی مختصر سی فہرست یہ ہے:۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی	غزوات نبی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علی اور عائشہ کی لڑائی کا حال	

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الاستاد تھے
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ ہجری	فتوحات خالد بن الولید	
ابوالبختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ ہجری میں انتقال کیا
ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی المتوفی ۲۲۴ھ ہجری		اس نے آنحضرتؐ اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی، اسماء الخلفاء وکتابھم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبد الرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ ہجری	کتاب امراء الکوفہ، کتاب امراء البصرہ	مشہور مورخ ہے

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم اُن کے نام اُن کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ ہجری و المتوفی ۲۷۶ھ ہجری۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اُس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ ہجری۔ یہ بھی مشہور مصنف ہے تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن

۱۸۵۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی سنہ ۲۳۰ ہجری۔ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔ اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُس نے ایک کتاب آنحضرتؐ اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے مجھکو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہونچا سکا ہے۔ اسکی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری۔ المتوفی سنہ ۲۷۹ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور ان کے متعلق ابتدا سے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری۔ المتوفی سنہ ۳۱۰ ہجری۔ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ ہجری۔ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ تصنیفات جس زمانہ کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر۔ سمعانی۔ ذہبی۔ ابوالفداء۔ نویری۔ سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔ . . متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اس پر کچھ اضافہ کرسکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے۔ اور در حقیقت اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں لیکن جہاں تک زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زائد نہیں مل سکتی۔ ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وھلم جرا . . . لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے . . . اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔ بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدماء کی تصنیفات تھیں" (الفاروق صنا)

مولوی صاحب نے دوسری کتاب میں اس مضمون کو کچھ تغیر کے ساتھ لکھا ہے۔ اسکے نقل کرنے میں طول ہوگا مگر اس کا ترک کرنا بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ امید ہے۔ اس سے بھی انشاء اللہ آئندہ بہت کام نکلے۔ لکھتے ہیں:-

"تصنیف و تالیف کی ابتداء سلطنت کی وجہ سے ہوئی | صحابہ اور خلفاء راشدین کے

زمانہ میں اگرچہ فقہ وحدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

کنا نکرہ کتاب العلم حتے اکرھنا علیہ ھولاء الامراء (مطبوعہ مصر ص۳۶) | ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا۔

سب سے پہلے امیر معویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے (فہرست ابن الندیم ص۲۴۴)۔ امیر معویہ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے انہی کی تفسیر ہے۔ عطاء کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہات آگیا تھا۔ اور انھوں نے اپنے نام سے مشہور کر دیا (میزان الاعتدال ترجمہ عطاء بن دینار)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف وتالیف کو زیادہ ترقی دی تمام ممالک میں حکم بھیج دیا کہ احادیث نبوی مدون اور قلم بند کی جائیں۔ سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے اُن سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلم بند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں

عن سعد بن ابراھیم قال امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا (مطبوعہ مصر ص۳۶) | سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اُس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا (طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی ص۱۳۴)۔ حدیث میں حضرت عائشہ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے۔ یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل میں

اس لئے عمر بن عبدالعزیز نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتناء کیا۔ عمرۃ بنت عبدالرحمن ایک خاتون تھیں۔ اُن کو حضرت عائشہ نے خاص اپنی آغوشِ تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کی مرویات کا اُن سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلم بند کرکے بھیج دیں (تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بن عبدالرحمان و طبقات ابن سعد جزء دوم حصہ دوم صفحہ ۱۳۴)

مغازی پر خاص توجہ اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ ہجری اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھکر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں (تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ)۔ اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اُٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے (تہذیب التہذیب، ترجمہ امام زہری محمد بن مسلم) وہ نسباً قریشی تھے۔ ۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا، ۸۲ھ ہجری میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی، ۱۲۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن

صالح تمار، عبدالرحمن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف صاحب المغازی لکھا جاتا ہے۔ زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، موسےٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق؛ موسےٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسےٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کی جو خصوصیات ہیں یہ ہیں (۱) مصنفین، ابتک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا (۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں آجاتی تھیں، موسےٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے (۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہوجاتے تھے، اور حدیثیں سنکر لوگوں سے روایت کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہوجاتا تھا۔ موسےٰ نے بخلاف اور لوگوں کے بکبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا ۱۴۱؁ھ ہجری میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ترجمہ موسےٰ بن عقبہ)۔ موسےٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی کذب بیانی مسلمۂ عام ہے اور اس لئے اُن کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں متعدد صحابہ کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے

سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اُن کی روایت نہیں لی، لیکن جزء القراۃ میں اُن سے روایت کی ہے اور تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیتے ہیں۔ فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفاء عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اُن کے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے۔ ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہونچی (تہذیب التہذیب) ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد ابن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے اور چونکہ یہ واقعات انھوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے اس لئے اُن پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے۔ سنہ ۱۵۱ ہجری میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔ اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔ محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی۔ اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اِس کے نسخے مرتب کئے۔ اُسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے اِس لئے آج اُسکی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔ ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں اُن کی تفسیر بھی لکھی۔ سنہ ۲۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا چنانچہ ابونصر فتح بن موسےٰ خضراوی المتوفی سنہ ۶۶۳ ہجری و عبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعد دیری المتوفی فی حدود سنہ ۷۰۰ ہجری و ابو اسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد

بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی سنہ ۷۹۳ ہجری نے منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے۔

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں لیکن اُن کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرتؐ اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو اُن کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ۔ صنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن (تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد) یہ خاندان ہاشم سے تھے بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انھیں کے شاگرد ہیں۔ سنہ ۲۳۰ ہجری میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں خاص آنحضرتؐ کے حالات میں ہیں اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے۔ باقی جلدیں صحابہ کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرتؐ کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔ یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپیہ جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اُس کے اجزا فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ مصر اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدیں بہم پہونچائیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیدن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہیں۔

سیرت کے سلسلہ سے الگ تاریخی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں اُن میں آنحضرتؐ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبوی ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں۔ تاریخ صغیر چھپ گئی ہے اس میں سیرت

نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور اُن میں بھی کوئی ترتیب نہیں۔ کبائر البتہ بڑی ہے۔ میں نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ میں دیکھا تھا لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال تفقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو اُن سے بڑھکر عالم نہیں جانتا۔ سنہ ۳۱۰ ہجری میں وفات پائی۔ بعض محدثین (سلیمانی) نے اُنکی نسبت لکھا ہے کہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

ھذا رجمٌ بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین۔	یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا وغیرہ انھیں کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔ یہ قدما کی تصنیفات تھیں مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ شرح فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔

روض الانف سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبد الرحمن سہیلی ہے جنھوں نے سنہ ۵۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام محدثین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی۔ اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے۔

سیرت حافظ عبد المومن دمیاطی المتوفی سنہ ۷۰۵ ہجری کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں

اسکے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے۔ قریباً ۱۰۰ صفحوں میں ہے پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔
سیرت خلاطی علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے۔ ۷۰۸ھ ہجری میں وفات پائی۔
سیرت گازرونی شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ ہجری کی تصنیف ہے۔
سیرت ابن ابی طی مصنف کا نام یحیٰی بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہجری ہے یہ کتاب ۳ جلدوں میں ہے۔ سیرت مغلطائی مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اسکے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام کشف اللثام ہے۔ شرف المصطفےٰ۔ حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔ شرف المصطفےٰ للحافظ ابن الجوزی۔ اکتفاء فی مغازی المصطفےٰ والخلفاء الثلاثہ۔ حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ ہجری کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔
سیرت ابن عبد البر۔ ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہیں اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں۔ عیون الاثر۔ ابن سید الناس کی تصنیف ہے۔ ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں۔ ۷۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے۔ معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے سند بھی نقل کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔
نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس عیون الاثر کی شرح ہے مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔
سیرت منظوم۔ حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے۔ نظم میں لکھی ہے۔ لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔
مواھب لدنیہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف

قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔ زرقانی علی المواهب۔ یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ سیرت حلبی مشہور اور متداول ہے۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۸)

نتائج شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی کی مذکورہ بالا عبارتوں سے جو انھوں نے حضرات اہلسنت کی معتبر ترین کتابوں سے لکھی ہیں حسب ذیل نتائج واضح طریقہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بنوامیہ نے لوگوں کو مجبور کر کے ان سے تصنیفیں لکھوائیں۔ اور سب سے پہلے معویہ نے تاریخ کی کتاب مرتب کرائی۔ پس جو کتابیں معویہ کے حکم اور بنوامیہ کے زور حکومت سے لکھی گئی ہوں گی ان میں معویہ کی مدح کس درجہ ہو گی۔ بنوامیہ کے مناقب کس قدر درج کئے گئے ہوں گے اور خلیفہ اول و دوم و سوم کے فضائل کس حد تک بھرے گئے ہوں گے۔ یہ باتیں محتاج توضیح نہیں۔ اس لئے کہ معویہ کی خلافت موقوف تھی حضرت عثمان کی خلافت پر۔ اور آپکی خلافت موقوف تھی حضرت عمر کی خلافت پر اور وہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر۔ پس جو کتابیں معویہ نے لکھوائی ہوں ان میں یہ ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ مصنفین نے خوشامد یا مال و دولت کی طمع یا جائداد و حکومت کے لالچ میں ان لوگوں کے بے حد و حساب فضائل بھر دیئے ہوں۔ لیکن یہ محال تھا کہ مصنفین اُن خلفاء اسلام کے خلاف ایک لفظ بھی لکھنے پاتے۔ اگر وہ بیچارے اس قسم کا ارادہ بھی کرتے تو ان کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی یا وہ قتل ہی کر دیئے جاتے یا اور کوئی سخت سزا کی جاتی۔ جیسا کہ خلیفہ متوکل نے ابن سکیت شاعر کے ساتھ کیا۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے وفی سنۃ اربع واربعین ومأتین قتل المتوکل ابا یوسف یعقوب المعروف بابن السکیت لانہ قال لہ ایما احب الیک ابناء المعتز والمؤید ام الحسن والحسین فقال لہ ابن السکیت واللہ ان قنبرا خادم علی خیر منک ومن ولدیک۔ فقال المتوکل سلوا لسانہ من قفاہ ففعلوا ذلک فمات من ساعتہ۔ ۲۴۴ھ ہجری میں خلیفہ متوکل نے ابو یوسف یعقوب معروف بہ ابن السکیت شاعر کو قتل کر ڈالا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک روز متوکل نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو میرے دونوں بیٹے معتز اور مؤید زیادہ محبوب ہیں

یا حسن و حسین فرزندان علیؑ؟ ابن السکیت نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کا خادم قنبر بھی حضور سے اور حضور کے دونوں شاہزادوں سے بہتر ہے۔ یہ سن کر متوکل نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لو۔ چنانچہ فوراً زبان کھینچ لی گئی۔ اور وہ اسی وقت اس مصیبت سے ہلاک ہو گئے (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ صا۴۱)۔ یا جیسے خلیفہ معتصم باللہ نے مجتہد زمانہ امام احمد بن حنبل کی سزا کی کہ ۲۱۹ھ ہجری میں اس نے موصوف کو طلب کر کے مسئلہ خلق قرآن کے متعلق اُن کا امتحان لیا۔ انہوں نے معتصم کے قول کو قبول نہیں کیا اور یہ نہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس بات پر بگڑ کر معتصم نے اس جلیل القدر امام اہلسنت کو اتنے کوڑے لگوائے کہ ان کی جلد بدن کٹ گئی اور عقل ہی زائل ہو گئی (ابوالفدا جلد ۲ ص۴۳)۔ یہ خلفاء بنی عباس کا برتاؤ تھا جو مزاج۔ اخلاق۔ تدین اور شرافت میں بنو امیہ سے بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ پھر بنو امیہ کے زمانہ میں کس کی مجال تھی کہ ان لوگوں کی خواہش کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتا یا ان کے خلاف مرضی کوئی مضمون یا روایت اپنی کتاب میں لکھتا اور صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے خاندان بھر کو ہلاکت میں ڈالتا۔ مولوی شبلی صاحب عہد بنی امیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "نہایت پُرآشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا کہ اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب مل کر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا۔ عبدالملک نے ۸۶ھ ہجری میں وفات کی اور اُس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی... لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اوسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اوسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں۔ قرۃ مصر میں۔ واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" (سیرۃ النعمان ص۲۵) ان تمام حالات کا مقتضے یہ تھا کہ خلفائے ثلثہ اور خلفاء بنی امیہ کی شان میں اچھی طرح قصیدے لکھے جاتے۔ ان کے فضائل

میں حدیثیں وضع کی جائیں۔ ان کی شان خوب بلند کی جاتی اور ان کے متعلق وہ چیزیں کتابوں میں بھر دی جائیں جن سے عوام کے ذہنوں میں ان کی عظمت و جلالت کے سکے بیٹھ جاتے چنانچہ یہی ہوا کہ غلط اور موضوع روایتوں سے دنیائے اسلام پُر ہو گئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی۔ اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں... زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا... لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثباتِ سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام بن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہلسنت کی حدیثیں لی جائیں اور اہل بدعت کی ترک کی جائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی۔ اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اُسی قدر اُن کی قدر اور اُن کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی۔ نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں اِن نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا اُدھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتوں نے ان کو معلومات مذہبی کا اس قدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب ان کی ہمسری کا دعوٰی نہیں کر سکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے۔ اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں۔ لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال۔ مختلف عادات۔ مختلف عقائد۔ مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتوں میں اس قدر

بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہو گیا۔ یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں۔ اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں (فتح المغیث صفحہ ۱۰۱) عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُس کی موضوعات سے ہیں (فتح المغیث صفحہ ۱۰۱) بہت سے **ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے**۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہونچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں اور رواج پا گئیں۔ وضع کے بعد مسامحات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا۔ جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہؐ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروفِ تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے۔ امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے اُن کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں دکذا کان الزھری یفسر الحدیث کثیراً و ربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ وکیع کا بھی یہی حال تھا وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کیا کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا۔ ان ایجاد اور وضع حدیث کے بے احتیاطیاں

تھیں جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔
غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں[1] احادیث کا جو دفتر طیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط۔ مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اُس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے ... حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام (ابوحنیفہ) صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ یہ صدا اگرچہ جدت کی وجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایۂ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا۔ برسوں کے تجربہ سے اُن کے ذاتی اوصاف۔ اخلاق۔ و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں ... امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اُن کے اصول اجتہادی اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے ... صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئی۔ امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوا دیجئے جو رسول اللہؐ سے ثابت ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہؐ سے روایت

[1] امام موصوف کا زمانہ ثابت کا طریقہ سے ۱۵۰ھ تک رہا ہے ۱۲ مصنف

گیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطاب باوجود اس کے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُن کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں حضرت عثمان کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؓ اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن اُن سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہے۔ اُن سے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے عہد خلافت کی ہیں۔ ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں۔۔۔ امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُن کے زمانہ تک روایت بالمعنے کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے۔ اس لئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا۔۔۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرہ (مجھ سے ابوہریرہ نے بیان کیا) حالانکہ ابوہریرہ سے وہ کبھی نہیں ملے تھے۔ انھوں نے اس کی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اُس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ۔ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنے یہ لیتے تھے کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سُنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُن کی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی۔ یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سُنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اُس کا نام نہیں بتایا اس لئے اُس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا اور اُن کے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی اُن کی متابعت کی" (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۶۱)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ احادیث کی ایجاد اور وضع میں کس قدر وسعت سے

کام لیا گیا۔ خاصکر صحابہ کے فضائل میں زیادہ کوشش کی گئی جسکی حسب ذیل ادلہ ہیں:۔
(۱) جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں۔ علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں۔ اور اس میں بہت سی حدیثیں، ہیں جو قوی ہیں اور حسن ہیں۔ اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہیں۔ اور اسی طرح وہ حدیثیں جو ابو خیثمہ بن سلیمان صحابہ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حدیثیں جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں خلفاء کے فضائل میں روایت کی ہیں۔ اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور اُن کے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہیں۔
غور کرو ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر۔ حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے۔ باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۳۹) معلوم ہوا کہ خلفاء اور صحابہ چونکہ علماء اہل سنت کے پیشوایان دین اور مقتدایان مذہب تھے اس وجہ سے راویوں کی کوشش رہتی تھی کہ ان کے فضائل میں حدیثیں وضع کی جائیں اور ائمہ حدیث کا معمول تھا کہ ان حدیثوں کو بے تکلف روایت کرتے اور علماء کرام آنکھ بند کر کے ان روایات کو اپنی کتابوں میں جمع کرتے گئے۔ پھر موصوف لکھتے ہیں" اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھکر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا۔۔۔ باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی۔ ابونعیم بزار۔ طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ بخاری اور مسلم میں اُن کا پتا نہیں لگتا بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔۔۔ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں

(طبرانی۔ بیہقی۔ ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے اُن میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہوگئیں اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۲)۔ موصوف نے کسی مصلحت سے اصلی راز کو نہیں کھولا کہ کیوں خلفاء اور صحابہ کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں وضع کی گئیں۔ ہر فعل کی کسی علت کا ہونا ضروری ہے پس فضائل خلفاء میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ضروری ہے۔ آؤ اس کا پتا لگایا جائے (۲) حضرات اہلسنت کے عالم جلیل جناب محمد بن عقیل بن عبداللہ لکھتے ہیں:۔ کتب معویۃ نسخۃ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئا من فضل ابی تراب واھل بیتہ۔ فقامت الخطباء فی کل کورۃ وعلی کل منبر یلعنون علیا ویبرؤن منہ ویقعون فیہ وفی اھل بیتہ وکان اشد الناس بلاء حینئذ اھل الکوفۃ لکثرۃ من بھا من شیعۃ علی علیہ السلام۔ فاستعمل علیھم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ۔ فکان یتتبع الشیعۃ وھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علی علیہ السلام فقتلھم تحت کل حجر ومدر واخافھم وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل وطردھم وشردھم عن العراق۔ فلم یبق بھا معروف منھم وکتب معویۃ الی عمالہ فی جمیع الافاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شھادۃ وکتب الیھم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واھل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسھم وقربوھم واکرموھم واکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منھم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ۔ ففعلوا ذلک حتے اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ لما کان یبعثہ الیھم معویۃ من الصلات والکساء والحباء والقطائع ویفیضہ فی العرب منھم والموالی فکثر ذلک فی کل مصر وتنافسوا فی المنازل والدنیا فلیس یجد امرؤ من الناس عاملا من عمال معویۃ فیروی فی عثمان فضیلۃ او منقبۃ الا کتب اسمہ وقربہ وشفعہ فلبثوا بذلک حینا۔ ثم کتب الی عمالہ ان الحدیث فی عثمان قد کثر وفشا فی کل مصر وکل وجہ

وناحیة فاذا جاءکم کتابی هذا فادعوا الناس الی الروایة فی فضائل الصحابة والخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا یرویه احد من المسلمین فی ابی تراب الا وائتونی بمناقض له فی الصحابة ۔ فان هذا احب الیّ واقر لعینی وادحض لحجة ابی تراب وشیعته واشد علیهم من مناقب عثمان وفضله ۔ فقرئت کتبه علی الناس فرویت احادیث کثیرة فی مناقب الصحابة مفتعلة لا حقیقة لها وجد الناس فی روایة ما یجری هذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب فعلموا صبیانهم وغلمانهم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووه وتعلموه کما یتعلمون القرآن وحتی علموه بناتهم ونساءهم وخدمهم وحشمهم فلبثوا بذلک ما شاء الله ۔ ثم کتب الی عماله نسخة واحدة الی جمیع البلدان انظروا من قامت علیه البنیة انه یحب علیا واهل بیته فامحوه من الدیوان واسقطوا عطاءه ورزقه وشفع ذلک بنسخة اخری من اتهمتموه بموالاة هؤلاء القوم فنکلوا به واهدموا داره ۔ فلم یکن البلاء اشد واکثر منه بالعراق ولا سیما بالکوفة حتی ان الرجل من شیعة علی لیأتیه من یثق به فیدخل بیته فیلقی الیه سره ویخاف من خادمه ومملوکه ولا یحدثه حتی یاخذ علیه الایمان الغلیظة لیکتمن علیه ۔ فظهر حدیث کثیر موضوع وبهتان منتشر ۔ ومضی علی ذلک الفقهاء والقضاة والولاة ۔ وکان اعظم الناس فی ذلک بلیة القراء المراءون والمستضعفون الذین یظهرون الخشوع والنسک فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذلک عند ولاتهم ویقربوا فی مجالسهم ویصیبوا به الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تلک الاخبار والاحادیث الی ایدی الدیانین الذین لا یستحلون الکذب والبهتان فقبلوها ورووها وهم یظنون انها حق ۔ ولو علموا انها باطلة لما رووها ولا تدینوا بها ۔ فلم یزل الامر کذلک حتی مات الحسن بن علی علیهما السلام ۔ فازداد البلاء والفتنة فلم یبق احد من هذا القبیل الا وهو خائف علی دمه او طرید فی الارض ۔ ثم تفاقم الامر بعد

قتل الحسین علیہ السلام وولی عبد الملک بن مروان فاشتد الامر علی الشیعة وولی علیہم الحجاج بن یوسف فتقرب الیہ اهل النسک والصلاح ببغض علی وموالاة اعدائه وموالاة من یدعی قوم من الناس انہم ایضا اعدائه فاکثروا من الروایة فی فضلہم وسوابقہم ومناقبہم واکثروا من الغض من علی کرم اللہ وجہه وعیبه والطعن فیه والشنان له حتی ان انسانا وقف للحجاج ویقال انه جد الاصمعی عبد الملک بن قریب نصاح به ایہا الامیر ان اهلی عقونی نسمونی علیا وانی فقیر بائس وانا الی صلة الامیر محتاج فتضاحک الحجاج وقال للطف ما توسلت به قد ولیتک موضع کذا۔ وقد روی ابن عرفة المعروف بنفطویه وهو من اکابر المحدثین واعلامہم فی تاریخه ما یناسب هذا الخبر وقال ان اکثر الاحادیث الموضوعة فی فضائل الصحابة افتعلت فی ایام بنی امیة تقربا الیہم بما یظنون انہم یرغمون به انوف بنی هاشم۔ قلت لا یلزم من هذا ان یکون علی علیه السلام یسوءه ان یذکر الصحابة والمتقدمون علیه بالخیر والفضل الا ان معویة وبنی امیة کانوا یبنون الامر من هذا علی ما یظنونه فی علی کرم اللہ وجہه من انه عدو من تقدم علیه ولم یکن الامر فی الحقیقة کما یظنونه ولکنه کان یری انه افضل منہم وانہم استأثروا علیه بالخلافة من غیر تفسیق منه لہم ولا براءة منہم

جس سال (سنہ ۴۱ھ میں) معویہ نے حضرت امام حسنؑ سے صلح کر لی اس کے بعد ہی اس نے دنیائے اسلام کے ہر گورنر۔ والی اور حاکم کو یہ بیت فرمان لکھکر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب (حضرت علیؑ) اور ان کے اہلبیت کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت یا کوئی خوبی بیان کرے گا اُس سے حکومت بری الذمہ رہے گی۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر شہر و دیہات میں بلکہ ہر منبر پر خطبہ دینے اور وعظ کہنے والے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ پر لعنت اور حضرتؑ سے تبراء کرنے لگے اور حضرتؑ کو اور حضرتؑ کے اہلبیتؑ کو بُرا کہنے اور ان حضراتؑ کی مذمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس مصیبت میں اُس وقت

سب سے زیادہ بیچارے کوفہ والے مبتلا ہوئے کیونکہ اُس زمانہ میں وہاں حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ بہت تھے۔ اسی سبب سے معویہ نے ان لوگوں پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا اور اُس کو کوفہ و بصرہ دونوں مقام کی گورنری دے دی۔ زیاد شیعوں کو خوب پہچانتا تھا کیونکہ حضرت علی علیہ السّلام کی (ظاہری) خلافت کے زمانہ میں وہ خود بھی شیعہ ہی تھا۔ اُس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر گرفتار کیا اور کسی مکان یا کسی خیمہ تک میں جو شیعہ ملا اُس کو اس نے قتل کر کے چھوڑا۔ اور جنھیں زندہ رکھا اُن کو دھمکیاں دیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اُن کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں ان کو درختوں کی شاخوں پر سولی دیدی۔ ان کو عراق سے نکال دیا اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی معروف شخص عراق میں نہیں بچا۔ اور معویہ نے دنیائے اسلام کے کل والیوں کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا کہ حضرت علیؑ کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کریں اور اپنے ماتحت لوگوں کے نام یہ فرمان بھی لکھ بھیجا کہ دیکھو تم لوگوں کی طرف حضرت عثمان کو خلیفہ ماننے والے ان کو دوست رکھنے والے اور ان کی ولایت کا اقرار کرنے والے جو لوگ ایسے ہوں جو اُن کے فضائل و مناقب لوگوں سے بیان کرتے رہتے ہیں ان کی بڑی عزت کرو۔ ان کو اپنے دربار میں خاص جگہ دو۔ ان کو مقرب بارگاہ بناؤ۔ ان کے اکرام واحترام میں اہتمام کرو اور جو شخص حضرت عثمان کے فضائل میں کوئی بات بھی بیان کرے اُس کی وہ بات اور اُس کا اور اُس کے باپ کا اور اس کی قوم و قبیلہ کا نام میرے ہاں لکھ بھیجو۔ چنانچہ جس جس کے پاس یہ فرمان پہونچا سب نے اس حکم کی تعمیل کی۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کے فضائل و مناقب کا انبار لگ گیا کیونکہ جو لوگ ان کی فضیلت میں کوئی روایت یا حدیث بھی لکھکر بھیج دیتے تھے ان کو معویہ کی طرف سے بڑے بڑے جائزے۔ خلعتیں۔ بخششیں اور جاگیروں کے پروانے انعام میں پہونچ جاتے تھے۔ اور عرب و موالی سب ہی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گھر میں اس کی کثرت ہو گئی اور لوگوں نے اس ذریعہ (وضع احادیث) سے دنیا حاصل کرنے اور اپنی منزلت بڑھانے میں بڑی جد وجہد کی۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ جو شخص بھی معویہ کے کسی عامل کو پاتا اور اس سے حضرت عثمان کی فضیلت یا منقبت میں کوئی

بات بیان کر دیتا تو فوراً وہ عامل اُس کا نام لکھ لیتا۔ اُس کو مقرب بارگاہ بنالیتا۔ اور معویہ کے ہاں اُس کی سفارش لکھ بھیجتا۔ اسی طرح ایک مدت دراز تک ہوتا رہا۔

اِن سب کے بعد معویہ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے فضائل میں حدیثیں بہت زیادہ ہوگئیں اور ہر شہر و دیہات میں پھیل گئیں۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خط پانے کے بعد تم سب لوگوں کو بلا کر کہو کہ اب صحابہ اور خلیفہ اول و دوم کے فضائل میں حدیثیں بیان کریں اور ابو تراب (حضرت علیؑ) کی فضیلت میں کوئی شخص بھی جو حدیث بیان کرتا ہے اس کے مقابل کی حدیث صحابہ کے لئے بھی یہ لوگ پیش کریں۔ خبردار کوئی ایسی حدیث نہ چھوٹنے پائے جو حضرت علیؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہو اور ویسی ہی صحابہ کے لئے بھی نہ بنائی جائے۔ کیونکہ یہ تدبیر مجھے بہت پسند اور میرے لئے نہایت درجہ موجب اطمینان و باعث مسرت ہے اور ابو تراب اور ان کے شیعوں کی حجت باطل کرنے کی بہترین صورت ہے اور خلیفہ اول و دوم کی فضیلت میں حدیثوں کا انبار لگنا شیعوں کے لئے حضرت عثمان کے فضائل کی حدیثوں سے بھی زیادہ ناگوار اور گراں ہوگا۔

غرض معویہ کے یہ سب فرمان لوگوں کے سامنے پڑھے گئے جس پر بکثرت ایسی جعلی حدیثیں صحابہ کے فضائل میں گڑھ دی گئیں جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں تھی اور لوگوں نے ان موضوع حدیثوں اور ان کے مثل دوسری چیزوں کے بیان کرنے اور ہر شخص سے روایت کرنے میں بڑی ہی جدو جہد کی۔ یہاں تک لوگوں نے ان بنائی ہوئی جھوٹی اور بالکل بے اصل حدیثوں کو منبروں پر بیٹھکر پڑھنا اور لوگوں کو سنانا شروع کیا اور مدرسوں کے معلموں کو بھی وہ بناوٹی حدیثیں دے دی گئیں۔ انھوں نے ان حدیثوں کی تعلیم بچوں کو بھی دے دی اور ان کے دماغوں میں بھی ان مہملات کا زیادہ حصہ بھر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے ان حدیثوں کو بھی اسی طرح لوگوں سے بیان کرنا اور خود پڑھنا شروع کیا جس طرح قرآن مجید کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ ان جعلی حدیثوں کی تعلیم لوگوں نے (اپنے ہی تک محدود نہیں رکھی بلکہ) اپنی لڑکیوں بیویوں خدمت گاروں اور مصاحبوں کو بھی دی۔

جب اس حالت کو بھی ایک مدت گزر گئی تب معویہ نے ہر شہر میں یہ فرمان بھیجا کہ اب پتا لگاؤ جس شخص کے متعلق کوئی شخص (سچی یا جھوٹی) گواہی دے کہ وہ علیؑ اور اُن کے اہلبیتؑ کو

دوست رکھتا ہے اُس کا نام دفتر سے مٹا دو۔ اور اُس کو بطور بخشش یا بغرض مدد معاش جو کچھ ملتا ہے اسے بند کردو۔ اس کے ساتھ دوسرا فرمان اس مضمون کا بھی تھا کہ جس شخص پر اس بات کی تہمت بھی قائم ہوجائے کہ ان سبھوں (علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ) سے محبت رکھتا ہے اُس کو پوری سزا دو اور اُس کا گھر تک ڈھا دو۔ ان فرمانوں کی تعمیل میں سب سے زیادہ آفت عراق والوں اور خصوصاً کوفہ کے لوگوں پر نازل ہوئی۔ ان بیچاروں (کوفہ کے شیعہ باشندوں) کی حالت (خوف ودہشت سے) یہاں تک پہونچ گئی کہ اگر کسی شیعہ کے پاس اُس کا نہایت سچا اور معتبر دوست بھی ملنے جاتا تو وہ دوسروں کے ڈر سے اس سے باہر ملاقاۃ نہیں کرسکتا بلکہ اس کو کسی کمرے یا کوٹھری میں لے جاتا اور وہاں تخلیہ میں اس سے اپنی مصیبت وغیرہ کا حال بیان کرتا اس خوف سے کہ کہیں اس کا نوکر یا غلام ان باتوں کو نہ سُن لے (اور جا کر معویہ والوں کو خبر نہ کردے) اور وہ اپنے اُس سچے معتبر اور مخلص دوست سے بھی اپنا اصلی حال اُس وقت تک بیان نہ کرسکتا جب تک اس سے بڑی سخت قسمیں نہ کھلوا لیتا کہ وہ ان باتوں کو اپنے ہی تک رکھے گا اور کسی پر بھی ظاہر نہ ہونے دے گا۔

غرض (ان سختیوں اور ظلم وتشدد سے) بکثرت موضوع حدیثیں ظاہر ہوگئیں اور جعل وفریب بلکہ افترا وبہتان تک کی روایتیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اس وبا میں بڑے بڑے فقہاء قضاۃ اور ولاۃ تک مبتلا ہوگئے مگر اس مصیبت میں سب سے زیادہ وہ لوگ پھنس گئے جو لوگوں کے دکھانے اور اپنے تقدس کا سکہ جمانے کے لئے قرآن مجید کے قاری اور مذہبی علوم کے عالم بنے ہوئے تھے۔ اور ایمان کے وہ کچے لوگ بھی تھے جو عوام پر اپنے خشوع وخضوع۔ زہد وورع اور تقدس وپارسائی کا رنگ جمانا چاہتے تھے کہ وہ نئی نئی حدیثیں بنا کر اور اپنے دل سے روایتیں گڑھ کر اپنے حاکموں کے ہاں سُرخ روئی حاصل کرتے اور اُن کے دربار میں اپنی عزت ووقار بڑھاتے اور اس فن حدیث سازی وروایت بازی کے ذریعہ سے بکثرت مال ومتاع اور جاگیریں وجائدادیں پیدا کرتے۔ یہاں تک کہ انھیں دنیا پرست عالموں زاہدوں اور بندۂ زرومال مذہبی پیشواؤں کے ذریعہ سے ان کی من گڑھت حدیثیں اور بے بنیاد روایتیں اُن ایماندار اور واقعی پابند دین ومذہب حضرات تک بھی پہونچ گئیں جو جھوٹ اور بہتان کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ پس ان لوگوں نے وانِی

سادہ لوحی سے ان مکار اور دھوکے باز حدیث سازوں کے فریب میں مبتلا ہو کر) ان جعلی اور وضعی حدیثوں کو قبول کر لیا اور گمان کیا کہ یہ سب سچی حدیثیں ہیں حالانکہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ ان حدیثوں کو روپیہ پیسہ کے لالچ اور دنیوی عزت و جاہ کی طمع اور جاگیر و جائداد کی تمنا میں ابن الوقت لوگوں نے اپنے دل سے ڈھالا ہے تو کبھی ان حدیثوں کی روایت نہ کرتے نہ ان پر عمل کرتے۔ غرض دنیائے اسلام کی یہی حالت برابر رہی۔ یہاں تک کہ (سنہ ۴۹ ہجری میں) حضرت امام حسنؑ ابن حضرت علی علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ پھر کیا تھا فتنہ و فساد کا بازار اور زیادہ گرم ہو گیا اور مذہبی مصیبت پہلے سے بھی بڑھ گئی اب تو سچے مذہب کے پابند لوگوں سے کوئی بھی نہ بچا جو اپنی جان کو ہتھیلی پر نہ رکھے ہو۔ کر یا ہر وقت اس کو اپنی ہلاکت کا خوف رہنے لگا یا وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے آوارہ وطن ہو کر ہر طرف مارا مارا پھرنے لگا۔ پھر (سنہ ۶۱ ہجری میں) جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے اس کے بعد تو اور بھی مذہبی لوگوں کی حالت سقیم ہو گئی۔ خصوصاً جب عبد الملک بن مروان خلیفہ ہوا تو شیعوں کے مصائب پہلے سے بھی بہت زیادہ ترقی کر گئے۔ عبدالملک نے لوگوں پر حجاج بن یوسف ایسے شخص کو حاکم بنا کر مسلط کر دیا۔ اس کے دربار میں عابد۔ زاہد۔ مقدس اور پارسا حضرات حضرت علیؑ کے دشمن ہونے اور حضرتؑ کے دشمنوں کو دوست رکھنے کا دعوے کر کے تقرب حاصل کرتے تھے بلکہ جو لوگ دعوے کرتے تھے کہ حضرت علیؑ کے دشمن ہیں ان کی دوستی کا اقرار کر کے بھی لوگ حاکم وقت کے پاس اپنا مرتبہ بڑھا لیتے تھے) غرض جس نے خوب ترقی کرنی چاہی اُس نے یہی پیشہ اختیار کر لیا کہ حضرت علیؑ و اہلبیتؑ سے خوب دشمنی کرو اور خلفاء کی شان میں اچھی طرح جھوٹی حدیثیں بناؤ) اس طرح لوگوں نے صحابہ اور خلفاء ثلثہ کی شان۔ ان کے فضائل۔ مناقب اور سوابق میں بہت کثرت سے روایتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اور حضرت علیؑ کا مرتبہ کم کرنے۔ حضرتؑ کی شان گھٹانے بلکہ حضرتؑ کی مذمت۔ عیب۔ اعتراض۔ طعن۔ بدنامی۔ بُرائی اور اہانت و تحقیر کے متعلق بھی اسی کثرت سے جھوٹی روایتیں بنائی گئیں۔ یہاں تک تماشہ ہوا کہ ایک شخص جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ جد اصمعی عبد الملک بن قریب تھا۔ حجاج کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے امیر میرے بزرگوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا کہ میرا نام علیؑ رکھ دیا تھا اور میں ایک پریشان حال

بھوکا فقیر شخص اور سرکار کی بخشش و عطا کا محتاج ہوں۔ یہ سن کر حجاج ہنس پڑا اور کہا تونے اچھا بہانا تراشا۔ جا میں نے تجھ کو فلاں مقام کا تحصیلدار مقرر کر دیا۔ اور ابن عرفہ معروف بہ نفطویہ نے بھی جو اکابر محدثین اور ان کے اعلام سے ہیں اپنی تاریخ میں اسی کے قریب مضمون لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ صحابہ کے فضائل میں اکثر حدیثیں بنی امیہ ہی کے زمانہ میں وضع کی گئی اور گڑھی گئی ہیں۔ اُس زمانہ کے لوگ ایسی حدیثیں اس امید میں ایجاد کرتے تھے کہ حکومت ان کی بڑی قدر کرے گی اور وہاں ان کا رسوخ بڑھ جائیگا کیونکہ وہ سمجھتے تھے اس طرح خاندان بنی ہاشم کے لوگ خوب چڑینگے۔ اُن کی شکست ہوگی اور وہ ذلیل ہو نگے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ اور خلفاء ثلثہ کا ذکر خیر یا ان کے فضائل کا بیان حضرت علی علیہ السّلام کو ناگوار ہوتا ہو لیکن معویہ اور بنی امیہ یہ سب کوششیں اسی غلط خیال سے کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلثہ کے مخالف اور دشمن تھے حالانکہ وہ جو گمان کرتے تھے حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ حضرت علیؑ اپنے کو خلفاء ثلثہ سے افضل سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان لوگوں نے حضرتؑ کو الگ کر کے خود خلافت پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علیؑ اسکی وجہ سے خلفاء ثلثہ کو نہ بُرا کہتے تھے نہ اُن سے برارت کرتے تھے (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی صـ۷ تا ۷۲) (۳) علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:۔ ان معویۃ امر الناس بالعراق والشام وغیرھما بسبّ علی والبراءۃ منہ وخطب بذلک علی منابر الاسلام وصار ذلک سنۃ فی ایام بنی امیۃ ... وروی ابو عثمان ایضا ان قوما من بنی امیۃ قالوا لمعاویۃ یا امیر المومنین انک قد بلغت ما املت فلو کففت عن لعن ھذا الرجل۔ فقال لا واللہ حتے یربوا علیھا الصغیر ویھرم علیھا الکبیر ولا یذکر لہ ذاکر فضلا۔ وقال ابو عثمان ایضا وما کان عبد الملک ... ممن یخفے علیہ فضل علی ... ولکنہ اراد تشیید الملک وتاکید ما فعلہ الاسلاف وان یقرر فی انفس الناس ان بنی ھاشم لاحظ لھم فی ھذا الامر وسیدھم الذی بہ یصولون وبفخرہ یفخرون حالہ وھذا مقدارہ فیکون من ینتمی الیہ ویدلی بہ عن الامر ابعد وعن الوصول الیہ اشحط وانزح ... وکان الحجاج یلعن علیا ویامر بلعنہ۔ وقال لہ متعرض بہ یوما وھو راکب

ایہا الامر ان اہلی عقونی فسمونی علیا فغیرا سمی وصلنی بما ابلغ بہ ثانی فقید نقال للطف۔ ما توصلت بہ قد سیتک کذا او ولیتک العمل الفلانی فاشخص الیہ ... ان معویۃ وضع قوما من الصحابۃ وقوما من التابعین علی روایۃ اخبار قبیحۃ فی علی تقتضی الطعن فیہ والبراءۃ منہ وجعل لہم علی ذلک جعلا یرغب فی مثلہ فاختلقوا ما ارضاہ منہم ابوہریرۃ وعمرو بن العاص والمغیرۃ بن شعبہ ومن التابعین عروۃ بن الزبیر... ان معویۃ بذل لسمرۃ بن جندب ماۃ الف درہم حتی یروی ان ہذہ الایۃ نزلت فی علیؑ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وہو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیہا ویہلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد وان الایۃ الثانیۃ نزلت فی ابن ملجم وہی قولہ تعالی ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔ فلم یقبل۔ فبذل لہ مائتی الف درہم فلم یقبل فبذل لہ اربع ماۃ الف فقبل وروی ذلک قال وقد صح ان بنی امیۃ منعوا من اظہار فضائل علیؑ وعاقبوا ذلک الراوی لہ حتی ان الرجل اذا روی عنہ حدیثا لا یتعلق بفضلہ بل بشرائع الدین لا یتجاسر علی ذکر اسمہ فیقول عن ابی زینب وروی عطا عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد قال اردت ان اترک فاحدث بفضائل علی بن ابی طالب یوما الی اللیل وان عنقی ہذہ ضربت بالسیف۔ قال فالاحادیث الواردۃ فی فضلہ لو لم یکن فی الشہرۃ والاستفاضۃ وکثرت النقل الی غایۃ بعیدۃ لانقطع نقلہا للخوف والتقیۃ من بنی مروان مع طول المدۃ وشدۃ العداوۃ ولولا ان للہ تعالی فی ہذا الرجل سرا یعلمہ من یعلمہ لم یرو فی فضلہ حدیث ولا عرفت لہ منقبۃ۔ الا تری ان رئیس قریۃ لو سخط علی واحد من اہلہا ومنع الناس ان یذکروہ بخیر وصلاح لخمل ذکرہ ونسی اسمہ وصار وہو موجود معدوما وہو حی میتا... وذکر جماعۃ ان عدۃ من الصحابۃ والتابعین والمحدثین کانوا منحرفین من علیؑ قائلین فیہ السوء

منهم من ... اعان اعداءه ميلاً مع الدنيا و ايثاراً للعاجلة۔ عراق وشام وغیرہ ملکوں کے لوگوں کو معویہ نے حکم دیا کہ (حضرت) علیؑ کو گالیاں دیا کریں اور ان سے تبراء کیا کریں۔ اور اسلامی منبروں پر اس بات کا خطبہ بھی بیان کیا جو بنی امیہ کی سلطنت میں واجب العمل دستور ہوگیا... ابو عثمان نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک قوم نے معویہ سے کہا کہ اے امیر اب اس شخص (علیؑ) کو گالیاں دینے میں اپنی مراد کو پہونچ گئے (بہت کچھ گالیاں دلوا دیں)۔ اب جانے دیجئے اور اس شخص پر لعنت کرنے سے باز رہیئے (کہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی) معویہ نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم میں اس کو کبھی موقوف نہیں کرونگا یہاں تک کہ اس کو دیکھتے اور سُنتے بچے بوڑھے ہوجائیں اور بڑے بڑھاپے کی آخری حد تک پہونچ جائیں اور دنیا میں ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے جو علیؑ کی ایک فضیلت بھی بیان کرسکے۔ اور ابو عثمان یہ بھی بیان کرتے تھے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان ایسا غافل شخص نہیں تھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل سے ناواقف ہوتا لیکن حضرت علیؑ پر لعنت اور گالیوں کا سلسلہ جاری رکھکر اس نے چاہا کہ اپنی سلطنت کو خوب مستحکم کردے اور اس کے بزرگ حضرت علیؑ کی عداوت میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کی تاکید کردے کہ خاندان بنی ہاشم کو خلافت وحکومت میں کوئی حق ہی نہیں ہے اور ان کے سردار جس پر وہ فخر کرتے اور جسکی وجہ سے خلافت کا دعوےٰ کرتے ہیں اس کی حالت ومنزلت اتنی ہی تھی (کہ ہم لوگ آج ان پر لعنت کررہے ہیں) پس جو شخص ان کی طرف منسوب اور ان سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کا دعویدار ہے تو اور بھی اس کے استحقاق سے دور تر اور اس تک پہونچنے سے بہت زیادہ محروم رہیگا ... اور بنی امیہ کی طرف سے جو مشہور گورنر حجاج تھا اس نے معمول کرلیا تھا کہ حضرت علیؑ پر خود بھی لعنت کرتا اور دوسروں سے بھی لعن کراتا۔ ایک دفعہ اس سے ایک شخص نے کہا اے امیر میرے اہل خاندان نے مجھ پر بڑا ستم کیا کہ میرا نام علی رکھ دیا اب حضور میرا خراب نام بدل کر دوسرا اچھا نام رکھ دیں اور مجھے اتنا انعام دیں جو میری ضرورتوں کے لئے کافی ہو کیونکہ میں ایک نادار شخص ہوں۔ حجاج نے کہا تم نے اپنی مطلب براری کا اچھا حیلہ نکالا۔ لو میں نے تمہارا وہ نام بدل کر فلاں نام رکھ دیا اور تم کو فلاں مقام کا حاکم بھی مقرر کردیا وہاں چلے جاؤ (اور حضرت علیؑ کی دشمنی ظاہر کرنے کا مزہ اٹھاؤ)... معویہ نے ایک بڑا انتظام یہ بھی کیا کہ صحا

م اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات داخل کردے۔

اور تابعین کی ایک ایک جماعت کو اس بات پر مقرر کردیا کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں بری باتیں مذمت کی خبریں اور توہین وتذلیل کی حدیثیں بیان کیا کریں جن کی وجہ سے حضرت علیؑ اچھی طرح رسوا اور بدنام ہوتے رہیں اور لوگ حضرتؑ سے تبراء کیا کریں۔ ان باتوں کے لئے معویہ نے بڑی بڑی رشوتیں اور انعام دینے کا انتظام کر لیا تھا جسکی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کے وضع کرنے میں ٹوٹے پڑتے اور معویہ کی خوشامد میں سب کچھ سیاہ سفید کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ ان میں ابو ہریرہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ وغیرہ صحابہ اور عروہ بن زبیر وغیرہ تابعین خاص کر قابل ذکر ہیں..... ایک دفعہ معویہ نے سمرہ بن جندب سے کہا کہ میں تم کو ایک لاکھ درہم انعام دیتا ہوں تم صرف اتنا کرو کہ لوگوں سے برابر بیان کرتے رہو قرآن مجید کی یہ آیت ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد یعنی اے رسول منافقین سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی چکنی چپڑی باتوں سے اس دنیوی زندگی میں تم بہت خوش ہوجاتے ہو اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو بھی گواہ مقرر کرتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور جب وہ حاکم ہونگے تو زمین میں کوشش کرینگے کہ اس میں خوب فساد پھیلائیں۔ اور زراعت اور مویشی کو تباہ کریں اور خدا تو فساد کو اچھا نہیں سمجھتا (پ۲ سورہ بقرہ رکوع ۲۵/۴) حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی! اور یہ دوسری آیۃ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد اور لوگوں میں سے خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑی ہی شفقت والا ہے۔ (پ۲ رکوع ۹) ابن ملجم کی شان میں نازل ہوئی تھی!!! مگر سمرہ بن جندب نے اس کو منظور نہیں کیا۔ تب معویہ نے کہا اچھا دو لاکھ دیتا ہوں۔ اس پر بھی سمرہ بن جندب نے انکار کیا تب معویہ نے کہا چار لاکھ درہم لے لو مگر اس مضمون کی روایت ضرور کرادو۔ آخر سمرہ بن جندب نے قبول کر لیا اور اس بات کی حدیث گڑھکر روایت کردی۔ یہ بھی صحیح واقعہ ہے کہ بنوامیہ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کے فضائل زبان تک پر لانے سے بشدت روک دیا تھا اور جو شخص ایسا کرتا اس کی سخت سزا کرتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص

حضرت علیؓ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرتا جو حضرتؓ کے فضائل سے نہیں بلکہ دوسرے احکام دین سے متعلق ہوتی جب بھی اسکی مجال نہیں تھی کہ حضرت علیؓ کا نام تک لے سکے۔ بلکہ یوں کہتا کہ زینب کے والد نے اس طرح بیان کیا تھا اور عطاء نے عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں چھوڑ دیا جاؤں اور حضرت علیؓ کے فضائل کو ایک دن رات بیان ہی کرتا رہوں اگرچہ اسکی وجہ سے میری گردن پر تلوار ماردی جائے مختصر یہ کہ حضرت علیؓ کے فضائل کی حدیثیں اگر مشہور ہونے۔ ہر شخص کے کانوں میں پڑ جانے اور بکثرت منقول ہونے کی حیثیت سے غیر معمولی حد پر نہ پہونچ گئی ہوتیں تو آج اُن کا پتا بھی نہ ملتا اور کہیں ذکر بھی دکھائی نہ دیتا کیونکہ مدت دراز تک بنی امیہ کی حکومت اور حضرت علیؓ و اہلبیتؑ کے ساتھ ان کی شدید عداوت کی وجہ سے لوگ ایسی حدیثوں کا کوئی لفظ تک زبان پر نہ لا سکتے اور اس کا ایک حرف تک سُننے کی جرأت نہیں پاتے تھے۔ اور اگر اس بزرگ (حضرت علیؓ) کی شان اعلےٰ وارفع رکھنے میں خدا کا کوئی خاص بھید نہ ہوتا جس کی حقیقت سے صرف وہی واقف ہے جس کو اس کا شرف حاصل ہوا تو حضرتؓ کے فضائل و شرف میں ایک حدیث بھی کہیں روایت نہ کی جاتی اور نہ آپ کی کسی مدح یا خوبی کا کہیں نام ونشان ملتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی بستی کا کوئی چودھری وہاں کے کسی شخص پر خفا ہوجاتا ہے اور لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ کوئی شخص اس کا ساتھ نہ دے نہ اس کو خیر وخوبی سے یاد کرے تو اس کا ذکر غائب اور وہ گمنام ہوجاتا ہے۔ وہ موجود رہتا ہے مگر معدوم کے حکم میں اور زندہ رہتا ہے مگر گویا مردہ۔ (پھر جس بزرگ کے خلاف اتنی زبردست سلطنت اتنے دنوں تک کوشش کرتی رہی اُس کے فضائل کیسے باقی رہتے۔ لیکن خدا کی قدرت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے کہ باوجود اتنی مخالفت کے آج بھی حضرتؓ کے فضائل سے کتابیں بھری ہیں) اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ وتابعین و محدثین سے بکثرت لوگ صرف دنیا حاصل کرنے اور اس زندگی کا مزہ اُٹھانے کے لئے حضرت علیؓ کے خلاف رہتے تھے کہ حضرتؓ کی برائیاں کرتے اور حضرتؓ کے دشمنوں کی تائید وحمایت میں مشغول رہتے (شرح نہج البلاغۃ از علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد اول جزو رابع ص۳۵۸) وغیرہ)۔ اس عبارت سے احادیث موضوعہ کی علت غائیہ پر جو پردے پڑے تھے ان میں سے اکثر ہٹ گئے اور واضح ہوا کہ جس طرح حضرت امیر المومنینؑ

کی زندگی میں اور حضرتؐ کے بعد آپ کی تنقیص و توہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ اسی طرح خلفاء ثلثہ و صحابہ کے فضائل و مناقب میں جھوٹی حدیثیں بنانے۔ روایت کرنے اور کتابوں میں نقل کر کے تمام پھیلانے میں بھی کوئی کوشش چھوڑی نہیں گئی۔ پس جب ایسی زبردست سلطنت نے اپنی سزا و عقوبت کے اسلحہ کے ساتھ اپنے خزانوں کا منہ بھی کھول دیا ہو تو غلط اور جعلی حدیثوں کی اشاعت کیونکر رک سکتی تھی۔

(۴) وضع احادیث کے متعلق جناب امیرؑ کا ایک خطبہ

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں وضع احادیث کی مصیبت نازل ہو گئی تھی جس کا اثر آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد بہت ہوا۔ مناسب ہے کہ ہم اسکو بھی یہاں نقل کر دیں۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

ومن کلام لہ علیہ السلام وقد سألہ سائل عن احادیث البدع وعمانی ایدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیہ السلام اِنَّ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ حَقًّا وَ بَاطِلًا وَ صِدْقًا وَ کَذِبًا وَ نَاسِخًا وَ مَنْسُوْخًا وَ عَامًّا وَ خَاصًّا وَ مُحْکَمًا وَ مُتَشَابِهًا وَ حِفْظًا وَ وَهْمًا۔ وَ لَقَدْ کُذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ عَلٰی عَهْدِهٖ حَتّٰی قَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَ اِنَّمَا اَتَاکَ بِالْحَدِیْثِ اَرْبَعَةُ رِجَالٍ لَیْسَ لَهُمْ خَامِسٌ رَجُلٌ مُنَافِقٌ مُظْهِرٌ لِلْاِیْمَانِ۔ مُتَصَنِّعٌ بِالْاِسْلَامِ لَا یَتَأَثَّمُ وَ لَا یَتَحَرَّجُ۔ یَکْذِبُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

جب ایک شخص نے حضرتؑ سے نئی نئی حدیثوں اور اُن مختلف روایتوں کے بارے میں جو لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں تو فرمایا لوگوں کے درمیان حضرت رسولخدا صلعم کی جو حدیثیں ہیں ان میں حق۔ باطل۔ سچ۔ جھوٹ ناسخ۔ منسوخ۔ عام۔ خاص۔ محکم۔ متشابہ۔ محفوظ اور موہوم (مشکوک) سب ہی ہیں۔ خود حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ پر لوگوں نے جھوٹ باندھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کو خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہونا پڑا اور فرمایا جو شخص جان کر مجھ پر جھوٹ باندھے (یعنی غلط حدیثوں کے بارے میں کہے کہ میں نے بیان کی ہیں) وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ سنو۔ تمہارے سامنے جو لوگ آنحضرت صلعم

صلے اللّٰہ علیہ و آلہ متعمداً فلو
علم الناس انہ منافق کاذب
لم یقبلوا منہ ولم یصدقوا
قولہ و لکنہم قالوا صاحب
رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و آلہ
راٰہ و سمع منہ و لقف عنہ۔
فیاخذون بقولہ و قد اخبرک
اللّٰہ عن المنافقین بما اخبرک و
وصفہم بما وصفہم بہ لک ثم
بقوا بعدہ فتقربوا الی ائمۃ
الضلالۃ والدعاۃ الی النار
بالزور و البہتان فولوہم الاعمال
وجعلوہم حکاما علی رقاب
الناس فاکلوا بہم الدنیا و
انما الناس مع الملوک و الدنیا
الا من عصم اللّٰہ۔ فہذا
احد الاربعۃ۔ و رجل سمع
من رسول اللّٰہ شیئا لم
یحفظہ علی وجہہ فوہم فیہ
ولم یتعمد کذبا فہو فی یدیہ
و یرویہ و یعمل بہ و یقول
انا سمعتہ من رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ
علیہ و آلہ۔ فلو علم المسلمون
انہ وہم فیہ لم یقبلوہ منہ

کی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ چار ہی قسم
کے ہیں پانچویں قسم کا کوئی نہیں ہے۔ ایک
قسم کے وہ منافق ہیں جو ایمان ظاہر کرتے اور
اسلام کے دعوے میں تصنع کرتے ہیں وہ
نہ گناہ سے رُکتے ہیں اور نہ فتنہ و فساد سے
بچتے ہیں۔ بلکہ وہ جان بوجھکر حضرت رسولخدا صلعم
پر جھوٹ کے انبار لگاتے ہیں۔ اب اگر لوگوں
کو معلوم ہو جائے کہ وہ منافق اور جھوٹے ہیں
تو کبھی ان کی حدیثیں قبول نہ کریں اور نہ اُنکے
قول کو سچا جانیں۔ لیکن لوگ اس دھوکے میں پڑجاتے
ہیں کہ کہتے ہیں وہ (منافقین) آنحضرت صلعم کے
صحابہ ہیں۔ آنحضرتؐ کو دیکھا تھا حضرتؐ کی صحبت
اُٹھائی تھی۔ حضرتؐ سے سُنا اور حضرتؐ ہی کی
باتیں لی تھیں۔ پس اس فریب میں آکر وہ ان منافقوں
کی حدیثیں لے لیتے ہیں حالانکہ خدا منافقین کی
جو حالت بیان کر چکا ہے اُس سے تم لوگ اچھی
طرح واقف ہو کہ وہ محض افترا و بہتان کرتے
ہیں) اور ان (منافقین) کی صفت جس طرح واضح
کردی ہے اُس سے بھی خوب باخبر ہو۔ یہ منافقین
آنحضرت صلعم کے بعد باقی رہے اور پیشوایانِ ضلالت
و داعیان جہنم کے دربار میں پہونچکر ان لوگوں نے
افترا و بہتان کے انبار لگانے شروع کئے اور
اس ذریعہ سے ان (حاکمان وقت) کے ہاں مقرب
بارگاہ ہوگئے۔ پس اس (حدیث سازی اور روایت

ولو علم هو انه كذلك لرفضه ۔ ورجل ثالث سمع من رسول الله صلى الله عليه وآله شيئاً يامر به ثم انه نهى عنه وهو لا يعلم او سمعه ينهى عن شيء ثم امر به وهو لا يعلم فحفظ المنسوخ ولم يحفظ الناسخ فلو علم انه منسوخ لرفضه ولو علم المسلمون اذ سمعوه منه انه منسوخ لرفضوه ۔ وآخر رابع لم يكذب على الله ولا على رسوله مبغض للكذب خوفاً من الله وتعظيماً لرسول الله صلى الله عليه وآله ولم يهم بل حفظ ما سمع على وجهه فجاء به على سمعه لم يزد فيه ولم ينقص منه فهو حفظ الناسخ فعمل به وحفظ المنسوخ فجنب عنه ۔ وعرف الخاص والعام والمحكم والمتشابه فوضع كل شيء موضعه وقد كان يكون من رسول الله صلى الله عليه وآله الكلام له وجهان

بازی) کے انعام میں اُن پیشوایانِ وقت نے ان منافقوں کو مختلف مقامات کی حکومتیں دے دیں اور انھیں امیر بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا۔ پس ان سب منافقین نے ان پیشوایان ضلالت کی خوشامد میں حدیثیں وضع کر کے خوب ہی دنیا کمائی۔ اور یہ تو مشہور ہی ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے بادشاہوں کی طرف ہو جاتے ہیں اور دنیا ہی کا ساتھ دیتے ہیں سوا ان مخصوص لوگوں کے جنھیں خدا اس سے محفوظ رکھے۔ پس یہ منافقین ایک قسم کے لوگ ہوئے۔ دوسری قسم کے لوگ ہیں جنھوں نے رسولخدا صلعم سے کوئی حدیث سنی تو ضرور مگر اُسکو اسی طرح یاد نہیں رکھی بلکہ اس میں ان کو شک ہو گیا۔ اور جان بوجھکر حضرتؐ پر جھوٹ نہیں باندھا۔ اب وہ حدیث بھی ان لوگوں کے پاس ہے وہ لوگ اس کی روایت اور اس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود ہم نے حضرت رسولخدا صلعم سے ان حدیثوں کو سنا تھا۔ اب اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان راویوں ؏ تو ان سے وہ حدیثیں کبھی قبول نہ کریں بلکہ وہ حدیث بیان کرنے والے بھی اگر جان جائیں کہ انھوں نے غلط سمجھا یا یاد رکھا ہے یا ان حدیثوں کے بارے میں اور کوئی غلطی ہوگئی ہے تو وہ بھی ان حدیثوں کو چھوڑ دیں۔ اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے پہلے کوئی حدیث سنی جس میں حضرتؐ

؏ سے ان حدیثوں میں غلطی ہوگئی

فَكَلَامٌ خَاصٌّ وَ
كَلَامٌ عَامٌّ فَيَسْمَعُهُ
مَنْ لَا يَعْرِفُ مَا
عَنَى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِهِ
وَلَا مَا عَنَى رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ
وَسَلَّمَ فَيَحْمِلُهُ السَّامِعُ
وَ يُوَجِّهُهُ عَلٰى غَيْرِ
مَعْرِفَةٍ بِمَعْنَاهُ وَمَا
قُصِدَ بِهٖ وَ مَا خَرَجَ
مِنْ اَجْلِهٖ وَ لَيْسَ كُلُّ
اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ
وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ
يَسْأَلُهُ وَ يَسْتَفْهِمُهُ
حَتّٰى اِنْ كَانُوْا لَيُحِبُّوْنَ
اَنْ يَجِيْئَ الْاَعْرَابِيُّ
وَ الطَّارِئُ فَيَسْأَلَهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ
حَتّٰى يَسْمَعُوْا وَكَانَ
لَا يَمُرُّ بِيْ مِنْ ذٰلِكَ
شَيْئٌ اِلَّا سَأَلْتُهُ
عَنْهُ وَ حَفِظْتُهُ۔
فَهٰذِهٖ وُجُوْهُ مَا عَلَيْهِ

نے کسی بات کا حکم دیا تھا۔ لیکن پھر حضرتؐ نے اس بات سے منع فرما دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کے منع کو نہیں جانا یا حضرتؐ سے سنا کہ کسی بات سے منع فرماتے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے اس کا حکم دے دیا مگر ان لوگوں نے حضرتؐ کی اجازت کی خبر نہیں سُنی تو منسوخ بات ان کے ذہن میں رہ گئی اور ناسخ کا انھیں علم ہی نہیں ہوا۔ اب اگر ان کو خبر ہو جاتی کہ جس حدیث کو اونھوں نے یاد کیا ہے وہ منسوخ ہو چکی ہے تو خود ہی اس کو چھوڑ دیتے۔ اور جن مسلمانوں نے اُن راویوں سے اس حدیث کو سُنا انھیں معلوم ہو جاتا کہ حضرتؐ اس کو منسوخ فرما چکے ہیں تو وہ لوگ بھی اس حدیث کو ترک کر دیتے۔ اب صرف چوتھی قسم کے راویان حدیث رہ گئے جنھوں نے کبھی خدا یا رسولؐ پر جھوٹ نہیں باندھا نہ ان حضرات کی طرف کسی غلط حدیث کی نسبت دی بلکہ اللہ کے خوف اور رسول اللہؐ کی تعظیم کے خیال سے وہ جھوٹ کے شدید دشمن رہے۔ اور انھوں نے حدیث کے یاد رکھنے میں غلطی بھی نہیں کی۔ بلکہ جس طرح آنحضرت صلعم سے جو سُنا اسی طرح اسکو یاد رکھا۔ اور اُسی طرح اس کو بیان کیا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم سے سُنا تھا۔ اس میں نہ ذرہ برابر بڑھایا نہ تل برابر اس سے کم کیا۔ انھوں نے ناسخ کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا اور منسوخ کو بھی محفوظ رکھا اور اس سے علحدہ رہے۔ خاص و عام و محکم و متشابہ کو بھی پہچانا اور ہر حدیث کو اسکی اصلی جگہ پر رکھا کسی میں کوئی تغیر نہیں کیا۔ اور حضرت رسولخدا صلعم سے جو کلام ہوتا اُسکی دو صورتیں ہوتیں۔ ایک کلام خاص ہوتا دوسرا کلام عام۔ اب اس کلام کو ایسے لوگ بھی سُنتے جو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس سے خدا یا رسول اللہؐ کا کیا مقصود ہے اس سبب سے

النّاس فی اختلافھم وعللھم فی روایاتھم (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۴۴۹)

وہ لوگ اُس کلام کا وہ مطلب خیال کرتے جو خدا اور رسولؐ کا مقصود نہ ہوتا اور اصحاب رسول اللہؐ سے سب لوگ اس قابل بھی نہ تھے کہ حضرتؐ سے کوئی بات پوچھتے یا کسی امر کو دریافت کرتے بلکہ اس تمنا میں رہتے تھے کہ کوئی اعرابی یا نووارد آجائے اور حضرتؐ سے کوئی بات پوچھے تو وہ لوگ بھی سُن لیں۔ مگر میری حالت یہ تھی کہ جو بات پیش آتی اسکے متعلق حضرتؐ سے ضرور دریافت کرلیتا اور اُسی طرح یاد رکھتا۔ غرض حضرتؐ کی حدیثوں کے متعلق جو اس قدر اختلافات ہیں اُن کے اسباب و علل یہی ہیں جو میں نے بیان کئے۔

حضرتؑ کے اس کلام مبارک سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے (۱) حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانہ ہی میں احادیث میں اس کثرت سے اختلافات و تغیرات پیدا ہوگئے تھے کہ لوگوں کو حضرتؑ سے اسکی وجہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی (۲) حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں صحابہ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنی اور حضرتؐ پر کذب و افترا کا پل باندھنا شروع کردیا تھا جس پر مجبور ہوکر آنحضرتؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے حلقہ میں کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صاف صاف فرمایا کہ جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دے گا وہ جہنم میں جائیگا [1] (۳) چار قسم کے لوگوں نے آنحضرتؐ کی حدیثیں لوگوں سے بیان کیں اُن میں اول نمبر پر وہ صحابہ تھے جو ظاہر میں مسلمان اور دل سے منافق تھے وہ اپنے مصنوعی اسلام اور زبانی ایمان سے لوگوں کو دھوکا فریب دیتے رہتے تھے اور آنحضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے تو ہر طرف جھوٹی اور وضعی حدیثوں کے جال پھیلا دیئے (۴) حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو صاحب اقتدار حضرات ہوئے اُن کے پاس یہ منافقین پہونچے اور ان جھوٹی حدیثوں اور افترا و بہتان کی روایتوں سے ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اُن کو بڑے بڑے انعام دیئے گئے اور چونکہ اُن لوگوں کے قبضہ میں دنیا تھی اس سبب سے

[1] جلیل القدر عالم مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں:۔
"من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدہ من النّار ۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے وہ دوزخ میں جو اُس کا ٹھکانا ہے اُس میں اُترے۔ اس حدیث کو بہت علماء نے متواتر کہا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲ ص ۲۲)

انھوں نے ان منافقین کو مختلف مقامات کی حکومتیں بھی دے دیں۔ اور مسلمانوں پر انکو امیر بھی مقرر کر دیا۔ اس کا نتیجہ واضح ہے کہ جب ہر طرف جھوٹی حدیث اور وضعی روایتیں گڑھنے والے منافقین ہی کی حکومت قائم ہو گئی تو ان شہروں قصبوں اور دیہاتوں کے باشندے بھی صرف جھوٹی اور وضعی ہی حدیثیں سنتے تھے کیونکہ ان کے حاکم وہی منافقین تھے جو آنحضرت پر جھوٹ و افتراء کرتے اور اسی کے صلہ میں حکومت پر فائز ہوئے تھے۔ (۵) دوسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کی اصلی حدیث بھلا دی اور غلط حدیث لوگوں میں پھیلا دی (۶) تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے صرف منسوخ کو سُنا اور ناسخ کو نہیں سُنا۔ اس وجہ سے لوگوں میں وہ بات پھیل گئی جسکو حضرتؐ ہی نے اپنے زمانہ میں منسوخ کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہی نہیں ہو سکی (۷) صرف ایک (چوتھی) قسم کے لوگ ایسے رہے جنھوں نے صحیح حدیث لوگوں تک پہونچائی اُنکی قلت واضح ہے۔

(۵) مذکور بالا کلام کی شرح میں علامہ جلیل القدر ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے :۔

ان هذا التقسیم صحیح وقد کان فی ایام الرسولؐ منافقون وبقوا بعده ولیس یمکن ان یقال ان النفاق مات بموته .... و صار المتولی للامر بعده یحمل الناس کلهم علی کاهل المجاملة ویعاملهم بالظاهر ... و لسکوت الخلفاء

حضرت امیر المومنینؑ کی یہ تقسیم بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں حضرتؐ کے صحابہ سے بہت لوگ منافقین تھے جو حضرتؐ کے بعد بھی باقی رہے اور یہ کہنا غیر ممکن ہے کہ حضرتؐ کے انتقال پر نفاق کی موت بھی آ گئی (بلکہ نفاق تو اسی طرح قائم اور منافقین زندہ رہے) ... اور آنحضرتؐ کے بعد جو صاحب مسلمانوں کے حاکم بنے وہ سب لوگوں کو رواداری نرمی اور ملایمت کے دوش پر چڑھاتے اور انکے ظاہری اسلام کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے رہے ... اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد حضرتؐ کے خلفاء نے ان منافقین سے چشم پوشی اختیار کی اس وجہ سے ان کا چرچہ بھی غائب ہو گیا ... اس کے بعد ان لوگوں پر شہروں کی فتوحات اور مال و متاع کی بھرمار کا دروازہ کھل گیا تو وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے جو حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں کرتے تھے باز رہے اور انھیں دنیوی چمک دمک میں پھنس گئے۔ اور ان منافقین کو خلفاء نے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ روم و عجم کے شہروں کی طرف روانہ کیا تو

دنیا (پرستی) نے ان لوگوں کا منہ ان شرارتوں کی طرف سے جو یہ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں کرتے رہتے تھے (دوسرے امور کی طرف) موڑ دیا... مختصر یہ کہ جب یہ لوگ اپنے حال پر چھوڑ دیئے گئے تو انھوں نے بھی اپنا نفاق ظاہر کرنا موقوف کر دیا۔ اور جب ان کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی گئی تو انھوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے سکوت کر لیا۔ البتہ ان لوگوں کے بعض مخفی مکروفریب کی ریشہ دوانیاں باقی رہیں جن پر یہ برابر عمل کرتے رہے جیسے وضعی حدیثوں کی ایجاد اور غلط یا جھوٹی روایتوں کی اشاعت جس کی طرف حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا ہے کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثوں میں بکثرت کذب و افترا کی آمیزش ہو گئی جو ایسے لوگوں کی طرف سے گڑھی گئیں جو درست عقیدہ کے نہیں تھے اور ان حدیثوں سے اُن منافقین کا مقصود لوگوں کو گمراہ اور ان کے دلوں اور عقیدوں کو بگاڑنا تھا اور بعض لوگوں کی غرض ان جعلی حدیثوں سے یہ تھی کہ کسی جماعت کی عزت زیادہ اور شان بلند کر دیں تاکہ ان کی اس خوشامد کے ذریعہ سے ان (حدیث گڑھنے والوں) کا مطلب پورا ہو جائے اور انکے دنیوی کام بن جائیں۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ خاص کر معویہ کے زمانہ میں اس عنوان کی جعلی حدیثیں بہت کثرت سے گڑھ لی گئیں۔ اور جو محدثین علم حدیث میں ماہر تھے وہ ان باتوں کی طرف سے خاموش نہیں رہے بلکہ انھوں نے اکثر ایسی وضعی حدیثوں کو ذکر کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ سب بنائی ہوئی ہیں اور ان کے روایت کرنے والے لائق اعتبار و قابل وثوق نہیں ہیں مگر یہ بات بھی ہے کہ محدثین صرف ان لوگوں ہی پر اعتراض کر سکے ہیں جو صحابہ کے بعد ہوئے (کہ ان کی وضعی حدیثوں کو

عنهم بعد ما خلا ذكرهم ... ثم فتحت عليهم البلاد وكثرت الغنائم فاشتغلوا بها عن الحركات التي كانوا يعتمدونها ايام رسول الله صلعم و بعثهم الخلفاء مع الامراء الى بلاد فارس والروم فالهتهم الدنيا عن الامور التي كانت تنقم منهم في حياة رسول الله صلعم ... وبالجملة لما تركوا تركوا وحيث سكت عنهم سكتوا عن الاسلام واهله الا في دسيسة خفية يعلمونها من الكذب الذي اشار اليه امير المومنين عليه السلام فانه خالط الحديث كذب كثير صدر عن قوم غير صحيحي العقيدة قصد به الاضلال

وتخبيط القلوب والعقائد وقصد به بعضهم التنويه بذكر قوم كان لهم في التنويه بذكرهم غرض دنيوي۔ وقد قيل انه افتعل في ايام معاوية خاصة حديث كثير على هذا الوجه ولم يسكت المحدثون الراسخون في علم الحديث من هذا بل ذكروا كثيرا من هذه الاحاديث الموضوعة وبينوا وضعها وان رواتها غير موثوق بهم الا ان المحدثين انما يطعنون فيما دون طبقة الصحابة ولا يتجاسرون في الطعن على احد من الصحابة لان عليه لفظ الصحبة ... فان قلت من هم ائمة الضلالة الذين

بیان کرکے کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے بہت برا کیا جو ایسی حدیثیں وضع کیں) لیکن صحابہ (سے جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں کہ جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر سب لوگوں میں پھیلادی ہیں ان) کے بارے میں کسی کو بولنے کی جرات نہیں ہوتی کیونکہ "صحابی" ایسا لفظ ہے جو کسی محدث کو ان کے متعلق زبان تک کھولنے نہیں دیتا[1]... اب اگر تم پوچھو کہ وہ پیشوایان ضلالت کون ہیں جن کا ذکر یہاں کیا گیا

[1] حالانکہ صحابہ کے متعلق بھی مذمت کی اتنی حدیثیں معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو جو لوگ آنے والے تھے ان سے بھی زیادہ صحابہ آنحضرت صلعم کی نظروں میں مجرے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسلمانوں کی شفاعت کریں گے مگر صحابہ سے کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے کہ آنحضرت کا شفاعت کرنا کیسا حضرت اُن کا منہ تک نہیں دیکھیں گے اور نہ اپنا منہ اُن کو دکھائیں گے۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا" ان من اصحابی من لا اراہ ولا یرانی بعد ان اموت ابدا۔ میرے اصحاب میں سے بعضے ایسے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد نہ میں اُنکو دیکھوں گا نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔ یہ حدیث سُن کر حضرت عمر دوڑتے ہوئے بی بی ام سلمہ پاس آئے اور کہنے لگے تم کو خدا کی قسم کیا میں بھی ان اصحاب میں سے ہوں؟ اُنھوں نے کہا نہیں۔ اور اب تمہارے بعد میں کسی کو ایسا نہ کہوں گی۔ اُس کی برارت بیان نہ کرونگی کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اُن میں سے ہے یا نہیں" (انوار اللغۃ مطبوعہ بنگلور پارہ ۱۴ صـ۱۸) اسی طرح حدیث حوض سے ان لوگوں کا مرتد ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ۱۲۔

يتقرب اليهم المنافقون الذين
رأوا رسول الله صلى الله عليه وآله
وصحبوه للزور والبهتان وهل هذا
الا تصريح بما تنكره الامامية و
تعتقده قلت ليس الامر كما ظننت
وظنوا وانما يعني معوية وعمرو بن
العاص ومن شايعهما على الضلال
... وقد روى ان ابا جعفر محمد
بن علي الباقر عليه السلام قال
لبعض اصحابه يا فلان ما لقينا
من ظلم قريش ايانا وتظاهرهم
علينا وما لقي شيعتنا ومحبونا من
الناس ان رسول الله قبض وقد
اخبر انا اولى الناس بالناس فتمالأت
علينا قريش حتى اخرجت الامر
عن معدنه واحتجت الانصار بحقنا
وحجتنا ثم تداولتها قريش واحد
بعد واحد حتى رجعت الينا فنكثت
بيعتنا ونصبت الحرب لنا ولم
يزل صاحب الامر في صعود كؤد
حتى قتل فبويع الحسن ابنه وعوهد
ثم غدر به واسلم ووثب عليه
اهل العراق حتى طعن بخنجر في جنبه
ونهبت عسكره وعولجت خلاخيل

جو داعیان جہنم بھی ہیں اور جن کے دربار میں پہونچ کر وہ منافقین جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا اور حضرتؐ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا تھا افترا اور بہتان کا انبار لگا کر مقرب بارگاہ ہوگئے ۔ اور کیا حضرت امیر المومنینؑ کا یہ کلام شیعوں کے (اس) اعتقاد و قول کی صریح تصدیق نہیں ہے (جو وہ خلفاء ثلثہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہی ائمہ ضلالت تھے) تو میں کہوں گا کہ جو تم نے گمان کیا اور جو شیعہ کہتے ہیں وہ بات نہیں ہے بلکہ حضرت امیرالمومنین کا مقصود ان ائمہ ضلالت سے معویہ و عمرو عاص اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی میں ان لوگوں کی پیروی کی [1] ....اور علماء و محدثین

[1] لیکن علامہ موصوف کا یہ جواب عربی قاعدہ اور اور سیاق کلام کی حیثیت سے درست نہیں ہوسکتا اس لئے کہ "ائمہ ضلالۃ" صیغہ جمع ہے جس کے لئے کم از کم تین صاحبوں کا ہونا ضروری ہے ۔ اور معویہ کا ایک ہونا واضح ہے ۔ رہا عمرو عاص تو وہ معویہ کا ماتحت تھا وہ ائمہ ضلالت میں کیونکر داخل ہوسکتا ہے اور اُس کا یا ان دونوں کی پیروی کرنے والوں کا دربار کہاں تھا جہاں وہ منافقین مقرب بارگاہ ہوئے اور حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ وہ منافقین باقی رہے اور حضرت رسولخدا صلعم کے بعد جو ائمہ ضلالت متمکن ہوئے ان کے دربار میں مقرب بارگاہ ہوئے ۱۲

امهات اولاده فوادع معاوية وحقن
دمه ودماء اهل بيته وهم قليل
حق قليل ثم بايع الحسين عليه السلام
من اهل العراق عشرون الفا ثم
غدروا به وخرجوا عليه وبيعته فى
اعناقهم وقتلوه ثم لم نزل
اهل البيت نستذل ونستضام
ونقصى ونمتهن ونحرم ونقتل ونخاف
ولا نأمن على دمائنا ودماء اوليائنا
ووجد الكاذبون الجاحدون لكذبهم
وجحودهم موضعا يتقربون به الى
اوليائهم وقضاة السوء وعمال السوء
فى كل بلدة فحدثوهم بالاحاديث الموضوعة
المكذوبة ورووا عنا ما لم نقله وما لم
نفعله ليبغضونا الى الناس وكان
عظم ذلك وكبره زمن معوية بعد
موت الحسن عليه السلام فقتلت
شيعتنا بكل بلدة وقطعت الايدى
والارجل على الظنة وكان من
يذكر بحبنا والانقطاع الينا سجن او نهب
ماله او هدمت داره ثم لم يزل
البلاء يشتد ويزداد الى زمان عبيد الله
بن زياد قاتل الحسين عليه السلام
ثم جاء الحجاج فقتلهم كل قتلة واخذهم

نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام
اپنے بعض اصحاب سے فرماتے تھے اے بھائی
قریش نے ہم لوگوں پر جو ظلم کیا اور ہم لوگوں
کے خلاف ایکا کر کے جس طرح ان لوگوں نے ہمیں
ستایا اور ہمارے شیعوں اور دوستوں پر ان لوگوں
نے جو جو مظالم کئے (اسکی داستان بہت طویل ہے)
حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال سے پہلے فرمادیا
تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا حق سب سے زیادہ
ہم لوگوں کا ہے مگر قریش ہم لوگوں کے خلاف
ایک ہو گئے اور انھوں نے اس حکومت کو اسکی
اصلی جگہ سے نکال لیا حالانکہ انصار نے بھی ہم
لوگوں کے حق اور حجت پر ان سے بحث کی (مگر سب
بیکار) ۔ پھر قریش یکے بعد دیگرے اس خلافت
کو اپنے ہی میں گھیرے رہے یہاں تک کہ (چوتھی
مرتبہ یہ ہم لوگوں کی طرف پلٹی (حضرت امیرالمومنینؑ
ظاہری خلیفہ ہوئے) مگر فوراً ہی حضرتؑ کی بیعت
توڑ اور ہم لوگوں کے خلاف جنگ (جمل وصفین)
چھیڑ دی گئی ۔ غرض ہم میں کے ظاہری خلیفہ (حضرت
امیرالمومنینؑ) برابر رنج و مصیبت ہی کی حکومت
میں بتلا رہے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر
فائز ہوئے ۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند امام حسنؑ
کی بیعت کی گئی اور حضرتؑ سے معاہدہ بھی کیا گیا
مگر پھر حضرتؑ کے ساتھ بھی غداری برتی گئی حضرتؑ
سے منہ موڑ لیا گیا اور عراق والوں نے تو حضرتؑ پر

لکل ظنة و تهمة حتے ان الرجل یقال له زندیق او کافر احب الیه من ان یقال شیعة علی وحتے صار الرجل الذی یذکر بالخیر ولعله یکون ورعا صدوقا یحدث باحادیث عظیمة عجیبة من تفضیل بعض من قد سلف من الولاة ۔ ولم یخلق اللہ تعالےٰ شیئاً منها ولا کانت ولا وقعت وهو یحسب انها حق لکثرة من قد رواها ممن لم یعرف بکذب ولا بقلة ورع (شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۱۵)

حملہ بھی کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرتؓ کے پہلو میں خنجر مار کر حضرتؓ کو زخمی کر دیا۔ حضرتؓ کا لشکر لوٹ لیا گیا اور حضرتؓ کی عورتوں کے زیور چھین لے گئے جس کے بعد حضرتؓ نے معویہ سے صلح کر لی اور اس طرح اپنا اور اپنے اہلبیت کا خون بچا لیا۔ حالانکہ یہ لوگ کم بہت ہی کم تھے۔ پھر عراق والوں سے بیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی بیعت کی مگر فوراً ہی حضرتؓ کے ساتھ بھی غداری کی حضرتؓ کی بیعۃ اپنی گردن میں رکھنے کے بعد وہی لوگ حضرتؓ سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت کو قتل کر ڈالا۔ پھر تو ہم اہلبیتؑ برابر ذلیل مظلوم۔ آوارہ وطن حقیر۔ اپنے حقوق سے محروم۔ اور قتل کئے جاتے رہے۔ ہم لوگوں کی زندگی خوف وہیم میں بسر ہوتی رہی اور ہمیں نہ اپنے ہی خون محفوظ رہنے کا اطمینان تھا نہ اپنے دوستوں ہی کے خون کا۔ اور جھوٹے لوگ جو ہمارے فضائل سے انکار ہی کرتے رہنے پر تلے ہوئے تھے اپنے جھوٹ اور انکار کے ذریعہ سے ہر شہر میں اپنے والیوں برے قاضیوں اور ظالم حاکموں کے پاس معزز جگہ پاتے رہے جہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوتی اور وہ مقرب بارگاہ بنائے جاتے تھے۔ پس یہ لوگ ان حاکموں سے جھوٹی اور گڑھی ہوئی حدیثیں بیان کرتے اور ہم سے وہ حدیثیں روایت کرتے جو ہم کبھی بھی نہیں کہی تھیں اور ہماری طرف ان باتوں کی نسبت دیتے جو ہم نے کی ہی نہیں تھیں تاکہ یہ لوگ ہمیں مسلمانوں کی نظر میں قابل نفرت بنا دیں۔ یہ مصیبت سب سے زیادہ معویہ کے زمانہ میں حضرت امام حسن علیہ السّلام کے بعد نازل ہوئی کہ اس زمانہ میں ہمارے شیعہ ہر شہر میں قتل کئے گئے اور صرف شبہہ پر ہمارے دوستوں کے ہاتھ پاؤں تک کاٹ دیئے جاتے۔ اور جس شخص کو کوئی کہہ دیتا کہ وہ ہمیں دوست رکھتا ہے یا ہمارے لگاؤ کا ہے وہ فوراً قید کر لیا جاتا تھا۔ اس کا کل مال لوٹ

لیا جاتا اور اُس کا مکان ڈھا دیا جاتا۔ غرض یہ آفت و مصیبت حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل ابن زیاد کے زمانہ تک ترقی ہی کرتی رہی۔ پھر حجاج کا دور شروع ہوا اُس نے توان لوگوں کو اور زیادہ بے دردی سے قتل کرنا اور بات بات پر تباہ کرنا شروع کیا یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ کوئی شخص کافر اور زندیق ہوتا تو اُس کو اس سے بھی اتنی دشمنی نہ ہوتی جس قدر حضرت علیؑ کے شیعوں سے عداوت ہوتی تھی۔ حد ہو گئی کہ کبھی کوئی شخص جو بھلائی سے یاد کیا جاتا اور غالباً متقی سچا ہوتا سابق حاکموں کی فضیلت میں ایسی عجیب وغریب حدیثیں بیان کرتا جن سے ایک بھی سچی نہیں ہوتی اور وہ گمان کرتا کہ وہ حدیثیں سچی ہیں کیونکہ ان حدیثوں کو اس کثرت سے اور ایسے راوی بیان کرتے جو نہ جھوٹے سمجھے جاتے اور نہ ہلکے درجہ کے متقی (انتہی)

غلط حدیثوں کے متعلق حضرت رسولخداؐ کا ارشاد

جو حدیثیں آنحضرت صلعم نے ارشاد نہیں فرمائیں ان کو صحابہ نے جھوٹ مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے ان کی وجہ سے آنحضرت صلعم بھی بہت پریشان رہتے تھے۔ امام بخاری نے ایک باب ہی اس مضمون کا قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت رسولخدا صلعم کی طرف جھوٹی حدیثوں کی نسبت دینے کے گناہ کا باب

اس ذیل میں حسب ذیل حدیثیں قابل توجہ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ	حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے صحابہ! تم لوگ میرے اوپر جھوٹ نہ باندھا کرو کیونکہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا

اس میں حضرتؐ صاف صاف اس زمانہ کے مسلمانوں کو جو حضرتؐ کے جلیل القدر صحابہ تھے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

قلت للزبیر انی لا اسمعک تحدث عن رسول اللّٰہ کما یحدث فلان وفلان قال اما انی لم افارقہ	ایک راوی نے زبیر سے پوچھا کہ جس طرح فلاں اور فلاں حدیثیں بیان کرتے ہیں تم بھی حضرت رسولخداؐ کی حدیثیں کیوں بیان نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا سنو! میں حضرتؐ سے کبھی جدا نہیں ہوا لیکن حضرتؐ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ

ولکن سمعتہ یقول مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ	جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے (میری طرف غلط حدیث کی نسبت دے) وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

اس حدیث میں متعمدا کی شرط نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں اتنی احتیاط کرنی چاہیے کہ بغیر قصد بھی حضرتؐ کی طرف غلط حدیث نہ منسوب ہو جائے۔ اسکے بعد متعمدا والی حدیث یہ ہے۔

قال انس انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبیؐ قال من تعمد علیّ کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔	انس صحابی بیان کرتے تھے کہ میں تم لوگوں سے حضرت رسولخداؐ کی حدیث زیادہ اس وجہ سے نہیں بیان کرتا کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث کی نسبت دے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں قرار دے

اسی معنی میں یہ حدیث بھی ہے۔

عن سلمۃ قال سمعت النبیؐ یقول مَنْ یَقُلْ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ	سلمہ بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے جو شخص میرے متعلق ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی ہے اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں قرار دے۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری کتاب العلم پارہ اول مطبوعہ دہلی صـ۱۰۲ و ۱۰۳ سے نقل کی گئی ہیں۔

حضرتؐ ہی کی یہ تاکید بھی ہے۔

قال رسول اللّٰہؐ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ (مشکوۃ باب الاعتصام جلد ا صـ۱۵)	حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے فریب دینے والے جھوٹے لوگ ہونگے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہونگی اور نہ تمہارے بزرگوں نے پس تم ان سے خوب بچنا اور اُن کو اپنے سے بچانا۔ دیکھو وہ لوگ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس حدیث پر یہ حاشیہ بھی مرقوم ہے "مقصود یہ ہے کہ احتیاط کرو دین کے لینے میں اور پرہیز کرو صحبت بدعتیوں کی سے اور خلط کرنے سے ساتھ اُن کے خصوصاً اُن سے کہ دعوے جھوٹا رکھیں ؎ چوں بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔ پس بہر دستے نباید داد دست" (مشکوۃ جلد ا صـ۱۵)

یہ حدیث بھی اُسی زمانہ سے متعلق ہے جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ اور دجّالوں کذابوں سے وہی لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی شروع ہوگئے یعنی دجّالوں کذابوں سے وہی لوگ مراد ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ہی حدیثیں گڑھ گڑھ کر خلفاء کے درباروں میں تقرب پیدا کر لیتے تھے۔ آخرزمانہ کے لوگ اس سے مقصود نہیں ہوسکتے اس لئے کہ آنحضرت صلعم صحابہ سے فرماتے ہیں کہ وہ دجّالون کذابون تم لوگوں کے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو تم نے نہیں سنی ہونگی اگر اس سے مراد واقعی آخرزمانہ یا قیامت کے قریب زمانہ کے لوگ ہوتے تو حضرتؐ یہ نہ فرماتے کہ وہ لوگ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے کیونکہ صحابہ اُس وقت کہاں رہیں گے کہ واضعین حدیث وہ حدیث ان کے پاس لائیں گے؟ اسکے بعد آنحضرت صلعم کا اُن صحابہ مخاطبین کو تاکید کرنا کہ "تم ان سے خوب بچنا اور اُن کو اپنے سے خوب بچانا۔ دیکھو وہ لوگ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں" بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ حدیث ان وضاعوں کے متعلق ہے جنھوں نے آنحضرت صلعم کے آنکھ بند کرتے ہی غلط حدیثیں بنانا شروع کردی تھیں۔ اسی سبب سے حضرتؐ یہ بھی فرماتے تھے۔

اِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مشکوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۷)	تم لوگ نئی نئی (گڑھی ہوئی) باتوں سے بچو کیونکہ جو نئی بات ہے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں صحابہ آنحضرتؐ سے سوال کرتے تھے کہ ہم دوسروں کی اچھی باتیں لکھ لیں (تاکہ ان پر عمل کریں یا ان سے فائدہ حاصل کیا کریں) تو حضرتؐ اُس سے بھی منع فرماتے تھے اور اپنے بڑے سے بڑے صحابی کو بھی ان کی اس تمنا اور کوشش پر ڈانٹ دیتے تھے۔ مثلاً

عن جابر عن النبیؐ حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یہود تعجبنا افترٰی ان نکتب بعضھا۔ فقال امتھوکون انتم	جناب جابر حضرت رسولخدا صلعم سے روایت کرتے تھے کہ جب آنحضرت صلعم کے پاس حضرت عمر آئے اور کہا یا حضرتؐ ہم لوگ یہودیوں سے حدیثیں سنتے ہیں تو وہ ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے ہم لوگ ان کی حدیثوں کو لکھ لیں؟ حضرتؐ نے فرمایا کیا تم بھی ویسے ہی حیران ہو جیسے یہود و نصاریٰ حیران ہیں

کما تھوکت الیہود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی (مشکوۃ جلد ۱ صفحہ)

میں تو تم لوگوں کے پاس صاف اور روشن شریعت لایا ہوں اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انکو بھی میری ہی پیروی کرنی پڑتی۔

اس پر یہ حاشیہ بھی مرقوم ہے "یعنی کیا متحیر ہو دین اسلام میں اس کو ناقص جانتے ہو کہ محتاج اور دین کے ہو" لہ

وعن جابر ان عمر بن الخطاب اتی رسول اللہ صلعم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ نسخۃ من التوراۃ۔ فسکت۔ فجعل یقرء و وجہ رسول اللہ یتغیر۔ فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلعم فنظر عمر الی وجہ

جناب جابر بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب توراۃ کا ایک نسخہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس لاکر کہنے لگے اے رسولخدا یہ توراۃ کا ایک نسخہ ہے۔ اس پر حضرت خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اس کو پڑھنا بھی شروع کر دیا تو حضرت رسولخدا صلعم کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر نے ان سے کہا گم کرنے والی عورتیں تم کو گم کریں حضرت رسولخدا صلعم کا چہرہ تم نہیں دیکھتے؟ اس پر حضرت عمر نے آنحضرت کے چہرے کی طرف نظر کی تو کہنے

لہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں" امتھوکون انتم کما تھوکت الیہود والنصاریٰ۔ تم بے پرواہو کر ہلاکت میں جا پڑنے والے ہو جیسے یہود اور نصاریٰ پڑ گئے۔ یا تم حیرت میں گرفتار ہو جانے والے ہو جیسے یہود اور نصاریٰ اپنے دینی اعتقادات میں حیرت اور پریشانی میں گرفتار ہو گئے۔ یہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب اہل کتاب کا ایک صحیفہ لاکر اُس کو پڑھ رہے تھے ان عمر اتاہ بصحیفۃ اخذھا من بعض اہل الکتاب فغضب وقال امتھوکون فیھا یا ابن الخطاب حضرت عمرؓ ایک صحیفہ اہل کتاب سے لیکر آئے۔ اُس کو آنحضرت صلعم کے سامنے پڑھ رہے تھے۔ آپ کو غصہ آگیا۔ فرمانے لگے خطاب کے بیٹے کیا تم حیرت میں پڑا چاہتے ہو یا بے پروائی سے اُس میں گرنا چاہتے ہو۔ دیکھو جو شریعت میں لایا ہوں وہ نورانی سفید صاف ہے۔ اب اگلی شریعتوں کی حاجت نہیں رہی۔ اُس میں بہت سی باتیں غلط لوگوں نے ملا کر تمام خبط کر دیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کا بھی حال یہی ہو گیا ہے۔ یہود اور نصاریٰ سے زیادہ مسلمانوں نے اپنے دین کو خراب کر دیا

رسول اللہؐ فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ۔ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا۔ فقال رسول اللہؐ والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسے فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان موسے حیا وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۵)

میں اللہ اور اسکے رسولؐ کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے خوشی سے اللہ کو رب۔ اسلام کو دین اور محمدؐ کو نبی مان لیا۔ مگر حضرت رسولخداؐ نے فرمایا قسم ہے اس معبود کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر حضرت موسےٰ اس وقت تم لوگوں پر ظاہر ہوں تو تم سب انھیں کی پیروی کرنے لگوگے اور مجھے چھوڑ دوگے اور یقیناً سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے حالانکہ اگر حضرت موسےٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو یقیناً وہ میری ہی پیروی کرتے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت عمر کا درجہ مسلمانوں نے بہت بڑا مانا ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے پاس توراۃ لاکر پڑھتے ہیں تو آنحضرت صلعم اُن سے خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ اگر حضرت موسےٰ ظاہر ہوں تو تم مجھ کو چھوڑ دوگے اور اُن کی پیروی کرنے لگوگے۔ پس جب آنحضرت صلعم کو حضرت عمر تک پر یہ اطمینان نہیں تھا کہ اسلام پر برابر قائم رہیں گے تو دوسرے صحابہ پر بدرجہ اولےٰ نہیں ہوگا۔ پھر جب حضرت رسولخدا صلعم کے انتقال پر اُن صحابہ نے دیکھا کہ جھوٹی حدیثیں بناکر حکام وقت کے خوش کرنے میں دنیوی ترقی اور عزت وجاہ سب ہی کچھ ہے تو وہ کیوں اس سے باز رہتے؟ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے بار بار ان صحابہ سے فرمادیا تھا کہ مجھے تم لوگوں کی دنیا پرستی کا بڑا خوف ہے فرماتے تھے:۔

وَاِنِّیْ وَاللہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ

خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے البتہ اس کا ڈر رہتا ہے کہ میرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) ہزار ہا باتیں اپنی طرف سے دین میں شریک کردی ہیں اور خالص سچے مسلمان حدیث اور قرآن پر چلنے والے بہت کم ہیں (انوار اللغۃ پ ۲۷ صفحہ ۱۴۹)

عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا صحیح | بعد تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑو گے[1]

بخاری پارہ ۵ صفحہ ۱۹۳ کتاب الجنائز)

پس جب تک علم خدا میں یہ بات نہ تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اہل اسلام کا غالب حصہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جائیگا اُس وقت تک خدا آنحضرت صلعم کو ان باتوں سے مطلع کیونکر کرتا۔ پس اسی دنیا پرستی نے اتنی ترقی کی کہ خدا و رسول کا خوف دل سے بالکل اٹھا کر اپنے مطلب کے موافق حدیثیں بنا ڈالی گئیں اور موضوع روایات کا انبار لگا دیا گیا تاکہ جن لوگوں سے دنیوی مقاصد حاصل ہونے والے تھے وہ زیادہ خوش ہوں اور اس خدمت کا پورا حق ادا کریں۔ اور جب معمولی امور کے لئے ہزاروں غلط حدیثیں گڑھ دی گئیں تو سلاطین وقت کی تعظیم و تفضیل میں کیوں نہ خاص کوشش کی جاتی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے متعلق بھی مذکورہ بالا اقسام کی حدیثوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور یہاں تک کوشش کی گئی ہے کہ آپ کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی زیادہ اونچا نظر آئے۔ حضرت کے اُن فضائل کا کیا ذکر ہے جو حضرات اہلبیت کے مقابلہ میں بنائے گئے اور ان سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ تو ہر وقت کا شغل اور نہایت آسان امر تھا۔ اس میں کامیابی زیادہ قابل فخر بھی نہ تھی۔

حضرت عمر کے متعلق موضوع روایتوں کے نمونے

ان حضرات کے ہاں تو یہ تک مسلّم ہے کہ اختلاف کے موقع پر خدا حضرت عمر کی رائے کو پسند کرتا اور حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں انہیں کو ترجیح دیتا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب ایسے

---

[1] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "اخشیٰ ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا۔ میں ڈرتا ہوں دنیا تم پر ایسی کشادہ ہو جیسی اگلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی۔ مال و دولت تم کو ملے جیسے اگلے لوگوں کو ملا تھا پھر تم اُس میں ایسی رغبت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے کی تھی اور اس رغبت کی وجہ سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ کا ڈر چھوڑ دو۔ ایک دوسرے سے مال و دولت حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑائی جھگڑا شروع کرو" (انوار اللغۃ پارہ ۲۵ صفحہ ۱۰۶)

روشن خیال۔ آزاد رائے اور تحقیق پسند مصنف تک اس امر کو ثابت کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں" نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کیلئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا (صحیح بخاری کتاب الاذان) یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہوسکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔" (الفاروق ص۳۷) دیکھنے میں عبارت بالکل سیدھی ہے مگر اس سے حضرت عمر کا درجہ جس قدر بلند کر دیا گیا وہ حقیقت بین حضرات سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے اور اس کا دیباچہ اذان ہے جس کی تجویز حضرت عمر نے کی۔ اور وہی رائے قائم ہوئی۔ حضرت عمر کے مقابلہ میں خود حضرت رسول خدا صلعم نے بوق اور ناقوس کو اسلام میں بھی رواج دینا چاہا۔ معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ اعتقاد ہو سکتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم جو دنیا میں اسلام لائے۔ جنھوں نے توحید کی آواز بلند کی۔ جن کو خدا نے اپنی رسالت سے مشرف کیا۔ جن کی زبان کو خدا نے وحی خدا کا راوی مقرر کیا وہ خود نماز کا اعلان کرنے کے لئے بوق اور ناقوس کی تجویز پیش کریں؟ (اس پر مفصل بحث انشاءاللہ آئندہ ہوگی)۔ جب اس زمانہ میں مولوی شبلی صاحب حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کی یہ کوشش کریں تو سابق زمانہ کے علماء نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال رسول اللہؐ اتانی جبریل فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر بن الخطاب فقال لو حدثتک بفضائل عمر منذ ما لبث نوح فی قومہ ما نفدت فضائل عمر۔ حضرت رسول خداؐ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تو میں نے کہا اے جبریل مجھ سے عمر بن الخطاب کے فضائل بیان کرو۔ انھوں نے کہا، جس مدت

تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے اگر اتنے زمانہ تک بھی میں عمر کے فضائل بیان کرتا رہوں تو ان کے فضائل ختم نہیں ہو سکتے (تاریخ الخلفاء ص۳۵) معلوم ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں نو سو سال سے زیادہ رہے۔ پس اتنے دنوں تک جبریل کے بیان کرنے سے بھی حضرت کے فضائل بیان نہیں ہو سکتے تھے۔ حدیث ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔ یعنی حضرت عمر سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوا جس پر آفتاب طالع ہوا ہو (تاریخ الخلفاء ص۷) اس سے حضرت عمر کا کل انبیاء و مرسلین یہانتک کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوا کیونکہ آفتاب تو حضرت آدم کے قبل سے طلوع کر رہا ہے اور قیامت تک طلوع کرتا رہیگا۔ پھر جب وہ حضرت عمر سے بہتر کسی شخص پر طالع نہیں ہوا تو آپ کا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہونا واضح ہے۔ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ اگر میں تم لوگوں میں رسول بنا کر نہ بھیجا جاتا تو یقیناً عمر تمہارے رسول مقرر کئے جاتے (ء ص۷۹)۔ اس سے آپ کا حضرت رسول خدا صلعم کے برابر ہونا ثابت ہو گیا۔ کہ بعثت کے وقت صرف حضرت رسولخدا صلعم نہیں بلکہ آپ کی طرح حضرت عمر بھی نبی مقرر ہونے کے قابل تھے اتفاق کی بات کہ حضرت رسول خدا صلعم نبی مقرر ہو گئے۔

حضرت عمر سے شیطان کا بھاگنا اس مضمون کی حدیثیں بھی کثرت سے ہیں کہ شیطان آپ سے بھاگتا تھا۔ مثلاً قال رسول اللہؐ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فرزند خطاب خدا کی قسم جس راہ سے تم کو جاتے ہوئے شیطان دیکھتا ہے اسکو چھوڑ کر وہ دوسرے راستے سے چلنے لگتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸) جس سے معلوم ہوا کہ شیطان آپ سے علحدہ رہتا۔ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکنے پاتا بلکہ جس راہ سے آپ چلتے اس تک سے وہ دور ہوتا۔ صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳ وغیرہ میں بھی یہ حدیث مرقوم ہے اور اسکی شرح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے فیہ فضیلۃ عظیمۃ لعمر تقتضی ان الشیطان لا سبیل لہ علیہ۔ اس حدیث سے حضرت عمر کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ شیطان کو ان کے پاس پہونچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی۔

(فتح الباری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۷۳)۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم کے لئے یہ حدیث ہے قالت یا رسول اللہ او معی شیطان قال نعم۔ قلت ومع کل انسان قال نعم۔ قلت ومعک یا رسول اللہ قال نعم۔ حضرت عائشہ نے پوچھا اے رسولخدا کیا میرے اوپر کوئی شیطان ہے؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا کیا ہر شخص پر شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے پوچھا آپ پر بھی شیطان رہتا ہے؟ فرمایا ہاں (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۵) اور امام بخاری صاحب نے تحریر فرمایا ہے عن النبیؐ انہ صلّی صلوۃ فقال ان الشیطان عرض لی فشدّ علیّ لیقطع الصلوۃ علیّ۔ حضرت رسول خدا نے ایک دفعہ نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا اور اس نے میری نماز قطع کر دینے کیلئے مجھ پر حملہ کیا (صحیح بخاری پارہ ۵ صفحہ ۶۳۰) حضرت عمر کے لئے تو وہ روایت ہے کہ شیطان ان کے پاس نہ دنیوی امر کے متعلق آنے پاتا ہے نہ دینی امر کے متعلق لیکن حضرت رسولخدا صلعم پر عبادت میں بھی وہ حملہ کرتا ہے!!! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ بلکہ حضرت کی وحی میں بھی شیطان شریک ہو جاتا اور احکام رسالت میں بھی حضرت پر غلبہ پا جاتا تھا۔ قال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطان فی حدیثہ فیبطل اللہ مایلقی الشیطان ویحکم آیاتہ۔ جناب ابن عباس بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کوئی حکم خدا بیان فرماتے تو شیطان اس میں اپنی بات بھی ڈال دیتا اور حضرت کی حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتا تھا۔ تب خدا یہ کرتا کہ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا اور اپنی آیتوں کو محکم فرما دیتا (صحیح بخاری پارہ ۱۹ صفحہ ۲۵۶) اس کی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں قرأ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم اللات والعزے ومناۃ الثالثۃ الاخرے القی الشیطان علے لسانہ تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی فقال المشرکون ماذکر الھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ الآیۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ میں سورہ والنجم کی تلاوت کی۔ جب آیۃ افرأیتم اللات والعزے تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ تلک الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی (یہ اونچے اونچے بت ہیں

اور اونکی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اس پر مشرکین کہ خوش ہو کر کہنے لگے کہ آج کے قبل انھوں نے ہمارے بتوں کی ایسی مدح نہیں کی تھی۔ غرض حضرت سجدہ میں گئے تو کفار نے بھی حضرت کے ساتھ سجدہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فتح الباری پارہ ۱۹ اصفحہ ۲۵۷) مولوی شبلی صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں "تلك الغرانيق العلى کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیئے جن میں بتوں کی تعریف ہے بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا۔ اسکے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی لو وقع لارتد كثير ممن اسلم ولم ينقل ذلك۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں وجميع ذلك لا يتمشى على القواعد فان الطرق اذا كثرت وتباينت مخارجها دل ذلك على ان لها اصلا۔ یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور آن کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۰) پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "آنحضرت نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی۔ کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی ومناة الثالثة الاخرى تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔ اس کے بعد آنحضرت نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی ... بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے۔ ان میں طبری۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر۔ ابن مردویہ۔ ابن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ۔ ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے چنانچہ لکھتے ہیں وقد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد منها على شرط الصحيح وهي مراسيل يحتج بمثلها من يحتج بالمراسيل۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ

استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قایل ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۷) کیا یہ امر اسلام پر ماتم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کتب احادیث میں ایسی حدیثیں بھری ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم پر شیطان مسلط رہتا تھا۔ جو نہ صرف دنیوی معاملات میں بلکہ دینی امور میں بھی حضرت پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور نہ صرف حضرت کی ذاتی عبادت بلکہ تبلیغی خدمات میں بھی حضرت پر غالب ہو کر حضرت کی زبان سے کفر و بے دینی کی باتیں نکلوا دیتا تھا۔ لیکن حضرت کے مقابلہ میں حضرت عمر کے متعلق یہ حدیثیں بھری ہیں کہ شیطان آپ کے پاس آنے تک نہ پاتا تھا۔ بلکہ اس راہ سے بھی وہ بھاگ جاتا تھا جس طرف سے جناب ممدوح کا گزر ہوتا تھا۔ ایسے عقائد سنکر غیر مسلم قومیں مسلمانوں کا کسدر مضحکہ کرتی ہونگی کہ وہ خدا کے پیغمبر اور عالم کے ہادی کو شیطان کا تابع سمجھتے اور خلیفۂ دوم کو ایسا پارسا مانتے ہیں جنکی راہ سے بھی شیطان دور ہی رہتا تھا۔ صرف دور ہی نہیں رہتا بلکہ ڈرتا بھی تھا۔ عن عائشۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان یفرق من عمر۔ و اخرج احمد من طریق بریدۃ ان النبیؐ قال ان الشیطان لیفرق منک یا عمر۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہؐ ما فی السماء ملک الا و ھو یوقر عمر ولا فی الارض شیطان الا و ھو یفرق من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا شیطان عمر سے ڈرتا ہے۔ اور احمد نے بریدہؓ کے طریق سے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر یقیناً تم سے شیطان ڈرتا ہے۔ اور ابن عساکر نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا آسمان میں کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو عمر کی عزت و تعظیم نہ کرتا ہو اور نہ زمین میں کوئی ایسا شیطان ہے جو عمر سے ڈرتا نہ ہو (تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۱) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہؐ انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں جن و انس کے شیطانوں کو دیکھ رہا ہوں کہ سب کے سب عمر سے بھاگ گئے ہیں (ایضاً)

نزول قرآن برائے حضرت عمر صرف شیطان ہی کے معاملہ میں آپ کی فضیلت حضرت رسول خدا صلعم پر نہیں ثابت کی گئی بلکہ دوسرے امور میں بھی یہی کارروائی کی گئی ہے۔ مثلاً قال ابن عمر

وما نزل بالناس امر قط فقالوا وقال الا نزل القرآن علی نحو ما قال۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں پر کوئی بات نازل ہوتی اور سب لوگ اپنی رائے دیا کرتے تو قرآن مجید کی آیت حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتی (تاریخ الخلفاء صہ۸۰)

دنیائے اسلام کا متفق علیہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ حضرت رسول خدا صلعم کا نہیں ہے بلکہ سب کا سب قرآن مجید کا کلام ہے۔ معنے اور الفاظ کل خدا ہی کے ہیں جنھیں خدا نے آنحضرت پر نازل کیا۔ اور کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت اتری یا کوئی حکم نازل ہوا ہو۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کے متعلق ایسی روایتیں ڈھیر کی ڈھیر ہیں۔ ایک اوپر ذکر کی گئی۔ اور دیکھو عن مجاھد قال کان عمر یری الرای فینزل به القرآن واخرج ابن عساکر ان فی القرآن لرایا من رای عمر۔ واخرج ابن عمر مرفوعا ما قال الناس فی شئ وقال فیه عمر الاجاء القرآن بنحو ما یقول عمر واخرج الشیخان عن عمر فقال وافقت ربی فی ثلث۔ مجاہد بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کوئی رائے قائم کرتے تھے تو قرآن بھی اسی کے مطابق نازل ہوجاتا تھا۔ اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عمر کی رائے کے مطابق رائے ہے۔ اور ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں دوسرے لوگوں نے کچھ کہا اور عمر نے بھی کہا تو قرآن حضرت عمر ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔ اور حضرت عمر خود کہتے تھے کہ تین باتوں میں میری رائے خدا کی رائے کے مطابق ہوگئی (کہ جیسا میں نے کہا ویسا ہی حکم نازل ہوا) وافق عمر ربه فی احد وعشرین موضعا۔ اکیس مقام پر حضرت عمر کی رائے کے مطابق خدا نے قرآن مجید کا حکم نازل کیا (تاریخ الخلفاء صہ۸۳) ان میں سے بعض باتوں کی تصریح آگے کی گئی ہے۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت عمر کے درمیان مجمل عنوان سے اختلاف کا ذکر اور اس امر کا بیان ہے کہ خدا نے ان مواقع پر حضرت عمر ہی کی تائید کی۔ اب وہ امر بھی دیکھو جس میں حضرت رسول خدا صلعم ایک فعل کرتے ہیں اور حضرت عمر اس سے منع کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی خدا حضرت عمر ہی کی تائید کرتا اور اپنے رسول کو نیچا دکھاتا ہے۔ فی الصحیح عنه قال لما توفی عبد الله بن ابی دعی رسول الله

للصلوٰة علیہ فقام الیہ فقمت حتے وقفت فی صدرہ فقلت یا رسول اللہ اعلی عدو اللہ ابن ابی القائل یوما کذا و کذا۔ فو اللہ ما کان الا یسیرا حتے نزلت ولا تصل علی احد منھم مات ابدا الاٰیۃ۔ صحیح حدیث میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ فرمایا جب عبد اللہ بن ابی نے انتقال کیا تو اُس کے اعزہ حضرت رسول خدا صلعم کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے لیگئے۔ جب حضرت وہاں پہونچے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی کھڑا ہوا اور حضرت کے سینہ کے مقابل اکڑ کر بولا اے رسول خدا کیا آپ اس شخص پر نماز پڑھیں گے جو خدا کا دشمن تھا اور فلاں روز اس نے ایسی ایسی باتیں کی تھیں۔ خدا کی قسم اس بات کو ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ خدا نے میرے موافق یہ حکم آنحضرتؐ پر نازل کر دیا کہ ان منافقوں سے جو شخص مر جائے اس پر کبھی نماز نہ پڑھو (تاریخ الخلفاء صـ۸۳)۔ اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا (صحیح بخاری باب اسلام عمر) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کیلئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک وہبی فرض کیلئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہوسکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو اس پر بار ہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ عبد اللہ بن ابیّ جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اُس کے جنازہ

کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علےٰ احد منھم۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں... تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمر سے اختلاف ہوا باستثناء بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمر ہی کی رائیں صائب نکلیں" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۷۷) دیکھنے میں یہ صرف حضرت عمر کی مدح ہے مگر اس سے خدا پر جس قدر الزامات عائد ہوتے اور حضرت رسولخدا صلعم کی جو مذمت نکلتی ہے اس کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کی عقل و معرفت ثابت کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آنحضرت صلعم سے زیادہ خلیفہ دوم کو خدا دوست رکھتا۔ اتنا اور قابل قدر سمجھتا تھا۔ لیکن اسکی تہ تک پہونچنے والے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی روایتیں اگر مان لی جائیں تو اسلام ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اور خدا و رسول ہی بے حقیقت ہو جائیں گے۔ اس طرح کہ خدا نے اپنی رسالت کے فرائض انجام دینے کیلئے حضرت رسول خدا صلعم کو منتخب فرمایا اور سارا ناس کو حضرت کا تابع قرار دیا۔ اب اگر کار رسالت انجام دینے میں کبھی حضرت رسولخدا صلعم غلطی فرماتے اور حضرت کی امت کا کوئی شخص حضرت کی غلطیاں درست کرتا رہتا تھا تو ایسا خدا کس کام کا جسے اتنی تمیز نہیں ہوئی کہ سمجھ سکتا کون شخص نبوت کا سزاوار اور کون اس کا نااہل ہے۔ اور جب حضرت کی حالت عبادات تک میں (معاذ اللہ) ایسی جہالت کی تھی کہ ادنےٰ درجہ کے لوگ حضرت کو ٹوک دیا کرتے تو خدا نے ایسے شخص کو نبی بنا کر دوسروں کی ہدایت کی یا انہیں گمراہ کیا؟۔ پھر کیوں نہ حضرت عمر ہی کو رسول بنایا؟۔ ان سب سے زیادہ مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ حضرت نے عبد اللہ بن ابی کی نماز وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی یا اپنے دل سے؟۔ اگر وحی خدا کے مطابق پڑھانی چاہی تو پھر حضرت عمر کے ٹوکنے پر ان کی تائید کیوں کی؟۔ اس کا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر خدا کی اصلاح بھی کرتے اور اس کی وحی کو بھی بدل دیا کرتے تھے۔ گویا خدا خود اپنے حکم کی خرابی تسلیم کرلیتا اور اس کے متعلق حضرت عمر کی رائے کی خوبی اور عظمت کے آگے سر تسلیم خم کردیتا تھا۔ اور اگر حضرت نے اس کی نماز اپنے دل سے پڑھانے کا ارادہ کیا تو کیا حضرت

کو اس کا اختیار بھی تھا کہ کوئی مذہبی کام اپنے دل سے کر سکیں؟ پھر تو تمام وحیوں اور تمام امور رسالت کے متعلق یہ شبہہ ہونے لگیگا کہ ہو سکتا ہے حضرت نے یہ فعل بھی اپنے دل سے یا اپنی رائے سے کیا ہو۔ کیونکر اطمینان ہوگا کہ آنحضرت نے واقعًا خدا کی رسالت انجام دی۔ اور کیونکر پتا چل سکے گا کہ فلاں کام کو حضرت نے اپنے منصب رسالت کی حیثیت سے ادا کیا اور فلاں امر کو اپنی انسانی شان سے انجام دیا۔ خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "نبوت کی حقیقت کی نسبت عمومًا لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنٰے کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے"۔ (الفاروق صـ ۲۰۹)۔ اس سے سردست ہم کو غرض نہیں کہ یہ کلام فی نفسہٖ درست ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کلیہ کو تسلیم کر کے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اذان کے متعلق آنحضرت صلعم کی رائے یقینًا منصب نبوت کی حیثیت ہی سے تھی پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگی اور وہ وہی ناقوس اور ترہی کی تجویز تھی جیسا کہ آپ نے ابن ہشام کی روایت سے اوپر بیان کیا ہے۔ پس جب وہ رائے خدا کی طرف سے تھی تو پھر حضرت عمر کی رائے کا قابل قبول اور آنحضرت کی رائے کا مردود ہونا یہی تو بتاتا ہے کہ خدا نے اپنی رائے کے مقابلہ میں حضرت عمر کی رائے کو ترجیح دی یعنی اُس نے اپنی رائے کو حقیر اور حضرت عمر کی رائے کو قابل عمل قرار دیا۔ اسی طرح ازواج نبی کیلئے پردہ کا حکم بھی منصب نبوت کی حیثیت سے ہی ہوگا۔ تو اس میں رسولخدا صلعم بلکہ خود خدا کیوں اتنے دنوں تک خاموش رہا اور اس نے اس کا موقع کیوں دیا کہ حضرت عمر کو اس پر بار ہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی پر نماز پڑھنا بھی منصب نبوت کی حیثیت سے تھا پس بے شبہہ خدا ہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر کیوں خدا نے حضرت عمر کی رائے کے مطابق رسول صلعم کو حکم دیا کہ ایسے لوگوں پر نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ باتیں تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ یا ان تمام مواقع پر آنحضرت کے کل افعال منصب نبوت سے علٰحدہ تھے اور خدا نے ان

باتوں کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آنحضرت صلعم نے اپنے دل سے ان کو اختیار کیا۔ اور حضرت عمر نے آپ کے خلاف رائے دی۔ خدا کو آنحضرت صلعم کی رائے ناپسند اور حضرت عمر کی رائے پسند ہوئی اس سبب سے آنحضرت ؐ کو حکم دیا کہ حضرت عمر کی رائے کے مطابق کریں یا ان کل صورتوں میں آنحضرت صلعم نے جو کچھ کیا محض وحی خدا کی تعمیل کی اور حکم خدا کے مطابق اس کو انجام دیا لیکن حضرت عمر نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی تو خدا کو ان کی رائے اپنی رائے اپنی تجویز اور اپنی سمجھ سے بہتر معلوم ہوئی اس سبب سے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ میں نے جو وحی تم پر نازل کی تھی وہ غلط اور خلاف عقل تھی۔ اور عمر جو کہتے ہیں وہی صحیح اور مطابق عقل ہے۔ لہذا میرے حکم کو چھوڑ کر اب عمر کی رائے کے مطابق عمل کرو۔ یا (تیسری صورت) یہ کہ ان روایتوں کو موضوع سمجھیں کہ صرف خوش اعتقادی سے حضرت عمر کا درجہ بڑھانے کیلئے اور اسکے صلہ میں دنیوی ترقیاں حاصل کرنے کی غرض سے لوگوں نے انھیں گڑھا اور ان کے ہم مذہب سلاطین اور امراء نے ان کو خوب پھیلایا۔

رسول ؐ کا استغفار اور حضرت عمر کا جواب

علامہ سیوطی وغیرہ نے یہ بھی لکھا ہے لما اکثر رسول اللہ ؐ من الاستغفار لقوم قال عمر سواء علیھم فانزل اللہ سواء علیھم ء استغفرت لھم الآیۃ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ایک قوم کیلئے بہت زیادہ استغفار کیا تو حضرت عمر نے کہا آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسول آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں دونوں بات برابر ہے تا آخر آیت (تاریخ الخلفاء ص۸۹)۔ حضرت رسول خدا صلعم کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند مانا گیا ہے کہ آپ کے القاب میں شفیع المذنبین بھی ہے کہ گنا ہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اور خدا اس شفاعت کو قبول کریگا۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت نے ایک قوم کے لئے بہت زیادہ استغفار کیا لیکن خدا نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور جب حضرت عمر نے کہہ دیا کہ ان کے لئے استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے تو خدا نے موصوف ہی کے قول کے مطابق آیت نازل کر دی۔ اس صورت میں بھی خدا پر الزام عاید ہوتا ہے کہ جب حضرت کے استغفار کی کوئی حقیقت اس کی نظر میں نہیں تھی تو خدا نے حضرت سے کیوں وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری شفاعت

کو اس کا افسوس ہوا۔

بول لونگا۔ اور حضرت کے پہلے ہی استغفار پر کیوں نہ وحی نازل کردی کہ تم کیوں استغفار کررہے ہو میں تمہاری بات نہیں مانونگا۔ اور خدا اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا کہ جب حضرت عمر نے کہا تو بالکل انہیں الفاظ میں خدا نے بھی آیت اتار دی۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل اور حضرت عمر کو مقبول درگاہ باری دکھانا چاہا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عمر کے متعلق اور روایتیں موضوعیت کی شان سے آراستہ نظر آتی ہیں اسی طرح یہ روایت بھی ہے جو مریدان می پرانند کے اصول پر ایجاد کی گئی۔

واقعۂ افک میں حضرت عمر کی رائے

حضرت عائشہ کے افک کا واقعہ مشہور ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت کس درجہ عبرت ناک ہے لما استشار الصحابۃ فی قصۃ الافک قال عمر من زوجکہا یا رسول اللہ۔ قال اللہ۔ قال افتظن ان ربک دلس علیک فیہا سبحانک ھذا بہتان عظیم فنزلت کذلک۔ جب حضرت عائشہ کے اتہام کے متعلق حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے کہا اے خدا کے رسول عائشہ کیساتھ آپ کی شادی کس نے کی تھی؟ فرمایا خدا نے۔ تب آپ نے کہا پھر کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا نے ان کے بارے میں آپ کو دھوکا دیا اور فریب میں مبتلا کردیا؟ آپ کی ذات اس سے بلند ہے اور یہ تو بڑا بہتان ہے (تاریخ الخلفاء صـ۸۳) سرسری نظر سے دیکھئے تو اس میں صرف حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور حضرت عمر کی عقیدت و اخلاص کا ذکر ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی رسالت بلکہ علم و عقل کا پردہ بھی اچھی طرح چاک کردیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ آنحضرت کی بیوی تھیں اس سبب سے آنحضرت کو ان کے طبعی حالات۔ ان کے انسانی جذبات۔ ان کے نسوانی مقتضیات کا زیادہ تجربہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور آنحضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ خدا نے حضرت عائشہ کی شادی سے قبل ان کی تصویر ایک ریشمی پردہ پر حضرت کو دکھادی تھی۔ آنحضرت اس کو بھی جانتے تھے کہ آپ ان پر نہایت درجہ فریفتہ ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ حضرت عائشہ بھی آپ پر فریفتہ رہیں۔ اور آپ کے مقابلہ میں کسی مرد کی طرف نظر بھی نہ کریں۔ اور آنحضرت برابر حضرت عائشہ کو اپنے گھر ہی رکھتے تھے۔ جسکی وجہ سے

غیروں کے آنے جانے پر بھی کافی پہرا پڑتا ہوگا۔ اور کل حالات کی اطلاع آپ کو برابر ہوتی رہتی ہوگی۔ باوجود ان امور کے جب مخالفین نے اس اتہام کو مشہور کیا تو حضرت کو بھی ان کی عزت میں شبہہ ہو گیا۔ اور ان باتوں سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ حضرت عائشہ سے ملنا تک بند کر دیا۔ ایک ماہ تک ان سے علحدہ رہے اور حضرت عائشہ نے یہ رنگ دیکھا تو کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ رونے دھونے میں زندگی بسر کرنے لگیں اور آنحضرت کا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں۔ غرض خدا کے پیارے پیغمبر بلکہ سید المرسلین کے گھر میں اتنا زبردست فتنہ قائم ہو گیا اور خدا کا رسول اپنی حرمت کی ذلت سے تلخ ترین زندگی گزارنے لگا۔ مگر خدا کو حضرت پر رحم نہیں آیا نہ وحی کے ذریعہ سے حضرت کو جناب عائشہ کی پاکدامنی کی خبر کی۔ نہ الہام کے ذریعہ سے حضرت کو متنبہ کیا کہ یہ سب خبریں غلط ہیں۔ کسی کا اعتبار نہ کرو اور اپنی بی بی عائشہ کی عزت میں شک و شبہہ نہ کرو نہ ان سے تعلقات منقطع رکھو۔ اور جب وحی و الہام کا دروازہ بند دیکھ کر اپنی قوت فیصلہ کو عاجز پاکر اور قرائن و دلائل کی راہوں کو مسدود جان کر حضرت نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر نے بغیر تحقیقات کئے۔ بغیر غور و فکر کئے۔ بغیر شک و شبہہ کو راہ دیئے ہوئے فوراً حضرت سے سوال کیا اور پھر کہہ دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے آپ کی شادی کیلئے ایسی عورت تجویز کی ہو؟ حضرت عمر کی زبان سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ فوراً خدا بھی اپنے فرض کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی وقت انہیں الفاظ میں جو حضرت عمر کی زبان سے جاری ہوئے تھے وحی نازل کر دی کہ عائشہ پاک دامن ہیں۔ کہنے والے جھک مارتے اور محض افترا و بہتان میں مشغول ہیں۔ غور کرو! اچھی طرح سوچو کہ اگر اس سے حضرت عمر کی ایک فضیلت ثابت ہوتی تو خدا کی کتنی مذمتیں پیدا ہو گئیں۔ کتنے بڑے بڑے الزامات اس پر قائم ہو گئے۔ اور اس پر اعتراضات کی کتنی بوچھار ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم کی عقل و علم و معرفت و تجربہ و قوت تمیز کا جنازہ بھی کس دھوم سے اٹھایا گیا۔ شان رسالت کی مٹی کس درجہ پلید کر دی گئی۔ اور مصداق انک لعلی خلق عظیم کے مزاج و اخلاق کی کیا حقیقت باقی رہ گئی۔

ایک شخص کا قتل اور آپکی براءۃ | علامہ سیوطی وغیرہ یہ بھی لکھتے ہیں اختصم رجلان

الی النبیؐ فقضیٰ بینھما فقال الذی قضیٰ علیہ ردنا الی عمر بن الخطاب فاتیا الیہ فقال الرجل قضیٰ لی رسول اللہ علی ھذا فقال ردنا الی عمر۔ فقال اکذالک۔ قال نعم فقال عمر مکانکما حتیٰ اخرج الیکما فخرج الیھما مشتملاً علی سیفہ فضرب الذی قال ردنا الی عمر فقتلہ وادبر الاٰخر فقال یا رسول اللہ قتل عمر واللہ صاحبی۔ فقال ماکنت اظن ان یجتری عمر علی قتل مومن۔ فانزل اللہ فلا وربک لا یؤمنون الاٰیہ فاھدر دم الرجل وبریٔ عمر من قتلہ و لہ شاھد موصول اوردتہ فی التفسیر المسند۔ دو آدمی جھگڑتے ہوئے حضرت رسول خدا صلعم کے پاس آئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ تب اس شخص نے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا آنحضرتؐ سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو حضرت عمر کے پاس واپس کر دیں (کہ وہی فیصلہ کریں۔ حضرت نے واپس کر دیا) تو دونوں ان کے پاس گئے اور جسکے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے حضرت عمر سے کہا کہ حضرت رسول خداؐ نے ہم لوگوں کا فیصلہ کیا تو اس شخص نے کہا کہ ہم لوگوں کا مقدمہ حضرت عمر کے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت عمر نے یہ سنکر کہا کیا ایسا کہا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا اچھا تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔ پھر آپ تلوار لئے ہوئے نکلے اور اس شخص کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص آنحضرت صلعم پاس واپس آیا اور کہا یا حضرتؐ عمر نے میرے ساتھی کو مار ڈالا حضرت نے فرمایا مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ ایک مومن کے قتل کی جرأت عمر کر بیٹھیں گے۔ اس پر خدا نے یہ آیت نازل کی۔ پس اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہونگے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔ پارہ ۵ ع ۶۔ اس طرح اس شخص مقتول کا خون رائگاں کر دیا گیا اور حضرت عمر اس کے قتل کی سزا سے چھوڑ دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص۸۳)۔ یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کی قابلیت اور فضل وکمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت رسول خدا صلعم سے بھی زیادہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور عامۂ مسلمین آنحضرت کی زندگی میں بھی آنحضرتؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں رہتے نہ اس سے لوگوں کی تشفی ہوتی بلکہ چاہتے کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ حضرت

عمر ہی کیا کریں۔ مگر اس سے خدا اور رسول کی جو توہین ہوتی ہے اس سے عام طور پر چشم پوشی کیجاتی ہے۔ اس طرح کہ حضرت عمر نے اس شخص کو قتل کر دیا اور آنحضرت صلعم نے اس پر افسوس بھی کیا مگر خدا نے حضرت عمر کے قتل کی تائید کر دی۔ اور ان کو قصاص سے بچا لیا۔ یہ واضح ہے کہ اس شخص نے جو کہا کہ ہمارا فیصلہ حضرت عمر سے کرا دیجئے۔ اس کا یہ کہنا ایسا جرم نہیں ہے جس پر وہ قتل کا مستحق ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو خود حضرت رسول خدا صلعم صحابہ کو حکم دیتے کہ اس کو قتل کر دو۔ لیکن بجائے اس کے حضرت نے اس کی خواہش پوری کر دی اور دونوں کو حضرت عمر کے پاس بھیجدیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو آنحضرت نے ان کے اس فعل کو ناپسند کرکے فرمایا کہ مجھے تو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ عمر ایک مومن کو قتل کر دینگے۔ مگر خدا نے اپنے ہی مقرر کئے ہوئے قواعد قصاص کو حضرت عمر کی حمایت میں پس پشت ڈال دیا اور آپ کو بری کرکے گویا کہہ دیا کہ حضرت عمر جو چاہیں کریں۔ ان کے لئے خدا کے اصول عدل و انصاف سب معطل کر دیئے گئے ہیں۔ وہی کام دوسرے کریں تو دنیا میں قتل بھی کئے جائیں اور آخرت میں ہمیشہ جہنم میں بھی رہیں لیکن وہی فعل حضرت عمر کریں تو دنیا میں بھی چھوڑ دئیے جائیں۔ آخرت میں بھی آزاد رہیں بلکہ ان کے موافق قرآن مجید میں آیت تک نازل کر دی جائے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

آپ کے حرام کرنیسے حرام ہو جانا علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے الاستیذان فی الدخول وذلک انہ دخل علیہ غلامہ وکان نائما فقال اللھم حرم الدخول فنزلت آیۃ الاستیذان۔ گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنا بھی حضرت عمر کی رائے سے ہوا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ سو رہے تھے تو آپ کا غلام آپ کے پاس پہونچ گیا۔ اس پر آپ نے جھنجھلا کر کہا اے اللہ تو دخول کو حرام کر دے۔ پس فوراً اجازت طلب کرنے کی آیت اتر پڑی (تاریخ الخلفاء ص۸۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت پر نہ خدا کی نظر پہونچی نہ رسول کی اسوجہ سے ان حضرات نے اس کو لازمی نہیں قرار دیا۔ مگر حضرت عمر نے اس کی اہمیت محسوس کی تو خدا سے کہا کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا نے اس کی تعمیل کی۔

حالانکہ کل محرمات و محللات کو خدا ہی نے طے کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم کو بھی اس کے متعلق چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ و حفصہ کی خاطر سے آنحضرت صلعم نے صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ اب شہد نہیں کھائیں گے۔ یہ امر تک خدا کو ناگوار ہوا کہ جس چیز کو میں نے حلال کیا ہے اُسے رسول کیوں حرام کرتے ہیں فوراً آیت اتری کہ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک[۵۱]

[۵۱] مولوی وحید الزماں خانصاحب نے لکھا ہے "ام المومنین سودہ نے حضرت عائشہ اور حفصہ کی صلاح سے آنحضرتؐ سے کہا آپ نے شاید مغافیر کھایا ہے جو ایک بدبودار گوند ہے۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے منہ سے ذرہ بھی کوئی بری بو آئے جب حضرت عائشہ اور حفصہ نے بھی یہی کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ کو یقین ہوگیا کہ حقیقت میں کوئی بری بو ہے حالانکہ آپ نے حضرت زینب کے پاس صرف شہد پیا تھا۔ آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا" (الوار اللغة پارہ ۱۹ صـ۵۲) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلعم حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ انھوں نے اُن کے سامنے پیش کیا۔ آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہؐ جب ہمارے یا تمھارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آنحضرتؐ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری یا ایھا النبی الایہ اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرتؐ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کمسن تھیں۔ اسکے علاوہ ان کا مقصود آنحضرتؐ کو ایذا دینا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں اسی طرح کی ایک تدبیر تھی" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صـ۳۹۹)۔ مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ کمسنی کی وجہ سے حضرت عائشہ کے لئے جھوٹ بولنا جائز کیونکر ہوگیا اور وہ کمسن بھی کیسے تھیں۔ زوجیت رسول میں کتنے دنوں رہ چکی تھیں۔

اب دونوں امروں میں مقابلہ کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے شہد سے کنارہ کشی اختیار کی تو خدا کو اتنا غصہ ہوا کہ پورا سورۂ تحریم ہی نازل کر دیا جس میں گویا آنحضرت پر عتاب ہے۔ لیکن حضرت عمر خدا سے کہتے ہیں کہ دخول کو حرام کر دے اور خدا فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا یا حضرت عمر کو آنحضرت صلعم سے زیادہ دوست رکھتا اور قابل عزت سمجھتا تھا کہ جس امر کی اجازت آنحضرتؐ کو نہیں دیتا وہ حضرت عمر کے لئے مباح کر دیتا یا وہ حضرت عمر سے بہت ڈرتا تھا کہ جو بات آپ کی زبان سے نکلتی خدا کو اُسے کرنا ہی پڑتا۔ غرض ہر طرح خدا ورسول کی ذلت اور غلطی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس مصیبت کا علاج اسکے سوائے کچھ نہیں کہ ایسی روایتوں کو گپ اور خوش اعتقادی کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

اذان میں ترمیم اسلامی عبادات کی کل صورتیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا نہ کوئی ترمیم پسند کی مگر حضرت عمر کے متعلق ہے ان بلالا کان یقول اذا اذن اشھد ان لا الہ الا اللہ حی علی الصلوۃ۔ فقال لہ عمر قل فی اثرھا اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ فقال رسول اللہؐ قل کما قال عمر۔ جناب بلال اذان دیا کرتے تھے اور اسکی صورت یہ تھی کہ پہلے اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اس کے بعد حی علی الصلوۃ کہا کرتے۔ حضرت عمر نے سنا تو کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ کے بعد اشھد ان محمدا رسول اللہ بھی کہا کرو۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے بلال سے فرمایا اچھا جس طرح عمر کہتے ہیں اسی طرح تم اذان دیا کرو (تاریخ الخلفاء ۸۵) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے اذان میں صرف اپنی گواہی رکھی تھی۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اسی کو پسند کیا تھا۔ مگر حضرت عمر کو یہ اذان اچھی نہیں معلوم ہوئی اور حضرت کی رسالت کی گواہی کا اضافہ بھی چاہا تو حضرت رسولخدا صلعم نے خدا کی مقرر کی ہوئی اذان میں اس جزو کو بڑھا دیا اور اُس وقت سے اذان اسی طرح رائج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسلام کے ایک ایک امر کی اصلاح حضرت عمر کرتے رہتے تو خدا و رسول کس کام کے تھے۔ پھر خدا نے حضرت عمر ہی کو یہ مطلق اختیار کیوں نہیں دے دیا تھا کہ تم دنیا اور دین کا جو قاعدہ جس طرح چاہو مقرر کرکے لوگوں کو خبر کر دو۔ میں نہ رسول مقرر کروں گا۔ نہ کوئی وحی نازل

کروں گا۔ نہ فرشتہ کو بھیجوں گا۔ نہ کسی امر کا طریقہ بتاؤں گا۔ نہ کسی عبادت کی صورت معین کروں گا۔ تم جانو اور دنیا والے جانیں۔

یاساریۃ الجبل کا واقعہ حضرت ممدوح کے ہواخواہوں نے اس واقعہ کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطی کے الفاظ میں دیکھو عن نافع عن ابن عمر قال وجہ عمر جیشا ورأس علیھم رجلا یدعی ساریۃ۔ فبینا عمر یخطب جعل ینادی یا ساریۃ الجبل ثلثا۔ ثم قدم رسول الجیش فسأل لہ عمر۔ فقال یا امیر المومنین ھزمنا فبینا نحن کذلک اذ سمعنا صوتا ینادی یا ساریۃ الجبل ثلاثا فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ۔ قال قیل لعمر انک کنت تصیح بذلک وذلک الجبل الذی کان ساریۃ عندہ بنھاوند من ارض العجم قال ابن حجر فی الاصابۃ اسنادہ حسن۔ واخرج ابن مردویہ من طریق میمون بن مھران عن ابن عمر قال کان عمر یخطب یوم الجمعۃ فعرض فی خطبتہ ان قال یاساریۃ الجبل من استرعی الذئب ظلم فالتفت الناس بعضھم لبعض فقال لھم علیٌّ لیخرجنّ مما قال۔ فلما فرغ سألوہ فقال وقع فی خلدی ان المشرکین ھزموا اخواننا وانھم یمرون بجبل فان عدلوا الیہ قاتلوا من وجہ واحد وان جاوزوا ھلکوا فخرج منی ما تزعمون انکم سمعتموہ۔ قال فجاء البشیر بعد شہر فذکر انھم سمعوا صوت عمر فی ذلک الیوم۔ قال فعدلنا الی الجبل ففتح اللہ علینا واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن عمرو بن الحارث قال بینما عمر یخطب یوم الجمعۃ اذ ترک الخطبۃ فقال یا ساریۃ الجبل مرتین او ثلثا ثم اقبل علی خطبتہ فقال بعض الحاضرین لقد جُنَّ انہ لمجنون۔ فدخل علیہ عبد الرحمن بن عوف وکان یطمئن الیہ فقال انک لتجعل لھم علی نفسک مقالا۔ بینا انت تخطب اذا انت تصیح یاساریۃ الجبل۔ ای شیء ھذا۔ قال انی واللہ ما ملکت ذلک رأیتھم یقاتلون عند جبل یؤتون من بین ایدیھم ومن خلفھم فلم املک ان قلت یا ساریۃ الجبل لیلحقوا بالجبل فلبثوا الی ان جاء رسول

ساریۃ بکتابہ ان القوم لقونا یوم الجمعۃ فقاتلنا ھم حتی اذا حضرت الجمعۃ سمعنا منادیا ینادی یا ساریۃ الجبل مرتین۔ فلحقنا بالجبل فلم نزل قاھرین بعدوّنا حتے ھزمھم اللہ وقتلھم۔ فقال اولئک الذین طعنوا علیہ دعوا ھذا الرجل فانہ مصنوع لہ۔ نافع نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (اباجان) حضرت عمر نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار ایک شخص ساریہ نامی کو مقرر کیا۔ اسکے جانے کے بعد ایک روز آپ خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً پکارنا شروع کیا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس جملہ کو انھوں نے تین مرتبہ کہا۔ پھر جب اس لشکر کے حالات بیان کرنے کے لئے وہاں سے قاصد آیا۔ اور حضرت عمر نے واقعات دریافت کئے تو اس نے کہا اے حضور ہم لوگ تو شکست کھا چکے تھے۔ اور ابھی اسی شکست میں مبتلا تھے کہ دفعتہً ایک چیخنے کی آواز سنائی دی کہ کوئی منادی کر رہا ہے اے ساریہ جبل پر چڑھ جاؤ۔ اس غیبی آواز نے تین مرتبہ یہی کہا۔ تب ہم لوگوں نے اپنی پشتوں کو اس پہاڑ سے ملا دیا جس کے بعد خدا نے مشرکوں کو شکست دے دی۔ کہا کہ حضرت عمر سے کہا گیا آپ ہی اس آواز سے چیخ رہے تھے۔ اور وہ پہاڑ جہاں سردار لشکر ساریہ اس وقت تھا ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس ہے۔ علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کیا ہے کہ اس روایت کی اسناد درست اور حسن ہے۔ اور ابن مردویہ نے میمون بن مہران کے طریق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ (اباجان) حضرت عمر ایک جمعہ کو خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً اپنے خطبہ میں رخ پھیر دیا اور کہنے لگے اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ جو شخص بھیڑیے کی نگرانی کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔ آپ کا یہ بے موقع کلام سنکر حاضرین گھبرائے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جب وہ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے پوچھا یہ آپ خطبہ پڑھتے ہوئے کیا کہنے لگے تھے؟ آپ نے جواب دیا میرے دل میں یہ الہام ہوا کہ مشرکین نے میرے بھائیوں کو شکست دیدی۔ اور وہ لوگ ایک پہاڑ کی طرف سے گزر رہے ہیں پس اگر وہ لوگ اسی پہاڑ کی طرف ہو جائیں تو ایک ہی طرف سے لڑنا ہو گا۔ اور اگر وہاں سے آگے بڑھ جائینگے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی پر میری زبان سے وہ بات نکلی جس کے بارے میں تم سب کہتے ہو کہ میرے منہ سے سنا ہے۔ اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد خوشخبری لیکر قاصد آیا اور بیان کیا کہ

ساریہ کے لشکر والوں نے اُسی روز اپنے مقام پر حضرت عمر کی آواز سُنی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ آواز سننے کے بعد ہم سب پہاڑ کی طرف مڑ گئے، جس پر خدا نے ہم لوگوں کو فتح دیدی۔ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں عمرو بن الحارث سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عمر خطبہ بیان کر رہے تھے کہ دفعتہً خطبہ چھوڑ دیا اور دو یا تین مرتبہ پکار کر کہا اے ساریہ پہاڑ پر۔ اس کے بعد اسی خطبہ کو بیان کرنے لگے جسے پہلے ذکر کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض حاضرین کہنے لگے کہ حضرت عمر کو یقیناً جنون کا دورہ ہو گیا ہے۔ یقیناً یہ پاگل ہیں۔ اسکے بعد عبد الرحمن بن عوف ان کے پاس گئے۔ کیونکہ ان کو ان سے اطمینان تھا۔ اور کہا اے حضور! آپ کی کیا حالت ہے کہ لوگوں کو اپنے متعلق بُرا بھلا کہنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ آپ خطبہ بیان کرتے ہوئے یہ کیا چیخنے لگے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ پر چل دو۔ یہ کیا بات تھی۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب میں نے ساریہ کے لشکر والوں کو دیکھا کہ ایک پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور ان پر آگے سے بھی حملہ ہو رہا ہے اور پیچھے سے بھی پیسے جا رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے پکار کر ان لوگوں سے کہا کہ اے ساریہ پہاڑ سے مل جاؤ۔ اسکے بعد مدت تک لوگ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ساریہ کا قاصد اُس کا خط لیکر آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ دشمنوں نے جمعہ کے روز ہم لوگوں پر حملہ کیا تو ہم لوگ خوب لڑے یہاں تک کہ جب نماز جمعہ کا وقت پہونچا تو ہم لوگوں نے اچھی طرح سنا کہ ایک منادی پکار کر کہہ رہا ہے اے ساریہ پہاڑ پر۔ یہ بات اس نے دو مرتبہ کہی تو ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے جس کے بعد دشمنوں پر حملہ کرتے ہی رہے یہاں تک کہ خدا نے ان سب کو شکست فاش دے دی اور ان کو قتل کر دیا۔ جب ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت عمر کی اس بات پر اعتراض کیا تھا اصلی واقعہ سن لیا تو کہا ان کو چھوڑ دو کہ ان کے لئے یہ بات بنائی گئی (تاریخ الخلفاء ص۸۵) ان روایتوں میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو بھی صاف کر دیا۔ فرماتے ہیں امرہ عمر علی جیش وسیرہ الی فارس سنۃ ثلاث وعشرین فوقع فی خاطر عمر وھو یخطب یوم الجمعۃ ان الجیش المذکور لاقی العدو وھم فی بطن واد وقد ھموا بالھزیمۃ وبالقرب منھم جبل فقال فی اثناء خطبتہ یاساریۃ الجبل الجبل ورفع صوتہ۔ فالقاہ اللہ فی سمع ساریۃ فانحاز بالناس الی الجبل وقاتلوا العدو

من جانب واحد ففتح اللہ علیھم ... وقال خلیفۃ افتتح ساریۃ اصبھان صلحا وعنوۃ فی ما یقال ۔ حضرت عمر نے ساریہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر ایران کی طرف روانہ کیا۔ پھر ایک دفعہ جب حضرت عمر جمعہ کے روز خطبہ بیان کر رہے تھے ان کے دل میں یہ بات آ گئی کہ وہ لشکر دشمنوں سے ملا اور وہ ایک وادی کے وسط میں ہیں اور وہ لوگ بھاگنے اور شکست کھا جانے کا ارادہ کر رہے ہیں ۔ اور ان لوگوں کے قریب ایک پہاڑ ہے ۔ یہ خیال کر کے حضرت عمر نے خطبہ کے اثنار میں پکار کر کہا اے ساریہ! پہاڑ ۔ چونکہ حضرت عمر نے چیخ کر یہ آواز نکالی اس وجہ سے خدا نے ان کی آواز کو ساریہ کے کان تک پہونچا دیا جس کے بعد وہ سب لوگوں کو لے کر پہاڑ سے مل گئے اور پورے لشکر نے ایک طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ پس خدا نے ان لوگوں فتح دے دی ... اور خلیفہ نے بیان کیا ہے کہ ساریہ نے اصفہان کو صلح اور جبر سے فتح کیا جیسا لوگوں نے بیان کیا ہے (اصابہ صـ۳ جلد ۳)۔ اس روایت کا نتیجہ بھی واضح ہے ۔ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت عمر مدینہ میں ہیں اور ساریہ کا لشکر ملک عجم کے شہر نہاوند کے پاس ۔ وہاں کے حالات کی خبر حضرت عمر کو کیسے ہو گئی کہ آپ نے مدینہ سے چیخ کر پہاڑ پر چڑھ جانے کی ہدایت کی کوئی تار نہیں تھا۔ کوئی وائرلیس ٹیلیگراف نہیں تھا۔ اور پھر حضرت عمر کی آواز مدینہ کے باہر تک تو جا نہیں سکتی ہوگی ۔ سیکڑوں میل کی مسافت کیسے طے کر گئی کہ ساریہ نے سن لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ سوائے معجزہ یا کرامت کے تو یہ بات نہیں ہو سکتی ۔ معجزہ یا کرامت سے یقیناً ہو سکتی ہے اور یہ واقعہ بھی ممدوح کی کرامتوں میں ہی درج کیا گیا ہے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ خاص اسی موقع پر یہ کرامت کیوں ظاہر ہوئی۔ آپ کے دوسرے فتوحات میں کیوں ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر کو یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا۔ حضرت رسولخدا صلعم کو متعدد غزوات وسرایا پیش آتے رہے ۔ حضرت کے کسی غزوہ یا سریہ میں یہ بات کیوں نہیں ہوئی۔ غزوۂ احد میں حضرت نے عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ وہاں کے ایک خطرناک درّہ کی حفاظت کریں اور وہاں سے ہرگز نہ ٹلیں۔ مگر جب عبداللہ کے لشکر والے لوٹ مار کی غرض سے وہاں سے ہٹ آئے جس سے مسلمانوں کی شکست ہو گئی تو آنحضرت صلعم کو بھی خدا نے یہ کرامت کیوں نہیں عطا فرما دی کہ حضور ان لوگوں کو پکار کر کہتے کہ دیکھو ہٹو نہیں ورنہ شکست ہو جائے گی ۔ حالانکہ ایک ہی جگہ آنحضرت بھی تھے اور اس سے قریب ہی عبداللہ بن جبیر

کا لشکر بھی تھا۔ باوجود اسکے آنحضرت صلعم نے نہ ان لوگوں کا ہٹنا دیکھا نہ ان لوگوں کو پکار سکے نہ وہ حضرت کی آواز سنکر وہاں ٹھہر سکے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست عظیم ہوئی۔ آنحضرتؐ زخمی ہوئے۔ حضرت کا ہونٹ کٹ گیا۔ دو اگلے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ غرض حضرت کل مصائب میں مبتلا ہوئے مگر خدا نے کسی معجزہ یا کرامت سے آنحضرتؐ کی مدد نہیں کی۔ ہندہ نے جناب حمزہ کا کلیجہ چیر کر نکالا اور چبا گئی لیکن آنحضرتؐ نے اس کو نہ اس لاش پر جاتے دیکھا نہ لاش کی حفاظت کی حالانکہ اسکے بعد آنحضرتؐ کو اس کا کمال درجہ صدمہ ہوا۔ اس سے زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے تو مدینہ سے نہاوند (ملک عجم) کے لشکر۔ اسکی پریشانی اور آثار شکست کو دیکھ لیا اور آواز دے کر اس کو شکست سے بچا لیا۔ لیکن حضرت رسول خدا صلعم نے غزوہ بنی مصطلق سے واپس آتے وقت اپنے ساتھ کی سواری پر سے حضرت عائشہ کے ہیکل گرنے کو نہیں دیکھا۔ نہ آپ کو اس کی خبر ہوئی کہ جناب معظمہ اونٹ پر سے اتر گئی ہیں۔ نہ اس کا علم ہوا کہ قافلہ حضرت عائشہ کو پیچھے چھوڑ کر چل کھڑا ہوا۔ نہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت عائشہؓ صفوان بن معطل کے ساتھ ہیں۔ وہیں سے ان کو پکار دیتے کہ خبردار اس کے ساتھ نہ آنا ورنہ متہم ہو جاؤ گی۔ نہ خود حضرت کو نظر آیا کہ حضرت عائشہ اور صفوان کیا کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے واپس آنے پر جب لوگوں نے اس اتہام کا ذکر کیا تو آنحضرت کو بھی ان کے بارے میں شبہہ ہو گیا۔ جو اسلام کا ایک دردناک حادثہ ہے۔ کیوں نہیں خدا نے حضرت عمر کی طرح حضرت رسولخدا صلعم کو بھی یہ کرامت عطا فرما دی تھی کہ جس طرح ممدوح نے نہاوند میں ساریہ کے کل حرکات کو دیکھ لیا اسی طرح آنحضرت صلعم بھی صرف اپنے پیچھے حضرت عائشہ اور صفوان کے کل افعال کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس کرب و پریشانی سے محفوظ رہتے جس میں آپ نے اپنی محبوب زوجہ کے متہم ہو جانے کی وجہ سے کتنے دنوں تک بسر کی۔ کیا یہ حیرت خیز امر نہیں ہے کہ حضرت عمر تو ملک عرب کے مدینہ سے ملک عجم کے نہاوند کا واقعہ بچشم خود دیکھ لیں لیکن آپ کے مولا و مقتدا حضرت رسولخدا صلعم اپنے ہی قافلہ میں اپنی بیوی کی حالت تک نہ جان سکیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے ہاں حضرت عمر کا درجہ رسولخدا صلعم سے اور ساریہ سردار لشکر کا درجہ حضرت عائشہ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اور دیکھو غزوہ خندق میں سردی بڑی سخت تھی۔ کفار کا لشکر اور مسلمانوں کا لشکر ایک ہی جگہ تھا۔ مگر آنحضرت کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اُس وقت کفار کا لشکر کیا کر رہا ہے۔ حضرت نے حضرت ابوبکر سے فرمایا جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا خدا اور رسول

مجھے اس زحمت سے معاف رکھیں۔ پھر آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا تم جاکر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی وہی کہا کہ میں اللہ اور اوسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرت نے فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ۔ وہ فوراً چلے گئے‘ (تفسیر در منثور جلد ۵ ص۱۸۵)۔ اگر حضرت عمر نے اپنی ذاتی قوت سے ملک عجم کے لشکر کی حالت دیکھ لی تھی تو حضرت رسول خدا صلعم نے چند قدموں کے فاصلہ پر کفار کے لشکر کی حالت کیوں نہیں دیکھ لی۔ اور اگر خدا نے حضرت عمر کو یہ کرامت عطا کی تو حضرت رسولخدا صلعم کو کیوں اس سے محروم رکھا؟ کیا یہ روایت یہ نہیں ثابت کرتی کہ حضرت رسولخدا صلعم سے زیادہ حضرت عمر کو خدا مانتا تھا؟ ورنہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ روایت بھی بالکل وضعی ہے اور محض حضرت عمر کا غیر معمولی درجہ ثابت کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ خود حضرت عمر کے حالات سے اس روایت کو جانچو تو اس کا قطعی غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہو جائے۔ آپ کی وفات کے متعلق مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لولو تھی اُس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا دو درہم (قریباً سات آنے)۔ حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ نجاری نقاشی آہن گری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔ دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمر تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر امامت کیلئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے" (الفاروق جلد ا صـ۲۰۲)۔ کہاں حضرت عمر کی وہ دوربینی کہ ملک عرب میں بیٹھے ہوئے ملک عجم کے لشکر کو دیکھ رہے ہیں کہ آگے سے بھی گھر گیا ہے پیچھے سے بھی محصور ہے۔ اور کہاں یہ کوتاہ بینی کہ مسجد میں قاتل موجود ہے اور وہ خنجر بھی لئے ہوئے ہے مگر حضرت عمر نہ اُس کو دیکھتے ہیں نہ اسکے ہتھیار کو۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اگر کہا جائے کہ خدا نے آپ کو اُس موقع پر

یہ کرامت عطا کی کہ عجم کے لشکر کو آپ نے دیکھ لیا اور قتل کے موقع پر یہ کرامت نہیں دی۔ تو خدا پر بھاری الزام آتا ہے کہ ایک معمولی لشکر کے فتح یاب ہونے کیلئے تو اس نے اتنا بڑا اہتمام کیا کہ حضرت کو عجم کے لشکر کا انجام دکھا دیا پھر حضرت عمر کی زندگی بچانے کیلئے اس نے یہ کرامت کیوں نہیں دی۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر اسلام کے بڑے فاتح۔ بڑے بادشاہ۔ بڑے مدبر تھے۔ اسلام کو آپ کے وجود کی شدید ضرورت تھی اور آپ کے اُس وقت اُٹھ جانے سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچا اور ان سب خرابیوں کا ذمہ دار خدا ہے کہ اُس نے ساریہ کے حال کی طرح فیروز کے حال سے آپ کو خبر نہیں کی اور اس کا وار کام کر گیا۔ پس یا اس واقعہ کو صحیح مان کر مذکورہ بالا الزامات قبول کئے جائیں۔ یا تسلیم کیا جائے کہ یہ روایت بالکل منگھڑت اور موضوع ہے۔

ایک خاندان کی بے وجہ ہلاکت

علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب لرجل ما اسمک قال جمرۃ قال ابن من قال ابن شھاب قال ممن قال من الحرقۃ قال این مسکنک قال الحرۃ قال بایھا قال بذات لظے۔ فقال عمر ادرک اھلک فقد احترقوا فرجع الرجل فوجد اھلہ قد احترقوا۔ حضرت کے صاجزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟۔ اس نے کہا جمرہ (جس کا معنے اردو میں چنگاری ہے) پوچھا کس کے بیٹے ہو؟۔ کہا شہاب کے (شہاب کا معنے آگ کا شعلہ ہے) پوچھا کس قبیلہ سے؟ کہا حرقہ سے (حرقہ کا معنے سوزش جلن ہے)۔ پوچھا تمھارا گھر کہاں ہے؟ کہا حرۃ میں (حرۃ معنے گرمی)۔ پوچھا اسکے کس حصہ میں؟ کہا ذات لظے میں (لظے معنے شعلہ)۔ یہ سب سنکر حضرت عمر نے فرمایا جلدی جاکر دیکھو تمھارے گھر والے سب جل گئے۔ وہ شخص دوڑا ہوا آیا تو دیکھا کہ واقعاً اُس کے اہل و عیال سب جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء صد ۸۵ و ریاض نضرہ جلد ۲ صد ۱۵ وغیرہ)۔ عربی زبان میں جمرہ۔ شہاب اکثر آدمیوں کے نام ہوتے ہیں اور حرۃ۔ ذات لظے مقام کے نام ہیں اور حرقہ قبیلہ کا نام ہے۔ اور لغوی معنے سب کے آگ ہی سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اُس شخص کا نام جمرہ۔ اسکے باپ کا شہاب۔ اسکے قبیلہ کا حرقہ۔ اس کے وطن کا حرۃ اور اسکے محلہ کا ذات لظے تھا۔ ان چیزوں کا یہ نام رکھنے میں اس غریب کا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ان ناموں کا رکھنا کوئی جرم تھا۔ مگر ان کل باتوں کو سنکر حضرت عمر نے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے

سب جل گئے۔ اور فوراً وہ واقعاً جل گئے۔ معمولی بات میں اس کے گھر آگ لگ گئی۔ بیوی الگ جلکر مر گئی بچے الگ بھن کر کباب ہو گئے۔ اور دوسرے لوگ علحدہ نذر آتش ہو گئے۔ اور یہ سب کیا خدا نے کیونکہ حضرت عمر تو اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے صرف اپنی زبان سے کہہ دیا کہ جا تیرے گھر والے سب جل گئے۔ مگر وہ آگ لکڑی لیکر اس کے گھر نہیں آئے نہ اس میں آگ لگائی نہ ان بیچاروں کو جلایا۔ جلانے کا کام خدا ہی نے تو انجام دیا۔ گویا خدا حضرت عمر سے اتنا ڈرا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی اس نے فوراً تعمیل کر دی۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت عمر کا درجہ خدا کے ہاں اتنا بلند تھا کہ جو بات ان کے منہ سے نکلتی تھی خدا اس کو فوراً انجام دیتا تھا۔ مگر خدا پر جو الزام آیا اس کی پرواہ نہیں کیگئی کہ خدا کا کتنا بڑا ظلم اور بے رحمی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے خدا بالکل اندھا ہے کچھ نہیں دیکھتا کہ کس کا کیا قصور ہے۔ بے وجہ لوگوں کے ساتھ سفاکی کرتا رہتا ہے۔

دریائے نیل میں آپکی کرامت

یہ واقعہ بھی بہت اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ لما فتحت مصر اتے عمرو بن العاص حین دخل یوم من اشهر العجم فقالوا یا ایها الامیر ان لنیلنا هذا سنة لا یجری الا بها۔ قال وما ذاک۔ قالوا اذا کان احدی عشرة لیلة تخلوا من هذا الشهر عمدنا الی جاریة بکر بین ابویها فارضینا ابویها وجعلنا علیها من الثیاب والحلی افضل ما یکون۔ ثم القیناها فی هذا النیل۔ فقال لهم عمرو ان هذا لا یکون ابدا فی الاسلام وان الاسلام یهدم ما کان قبله فاقاموا والنیل لا یجری قلیلا ولا کثیرا حتی هموا بالجلاء۔ فلما رای ذلک عمرو کتب الی عمر بن الخطاب بذلک۔ فکتب له ان قد اصبت بالذی فعلت وان الاسلام یهدم ما کان قبله وبعث بطاقة فی داخل کتابه وکتب الی عمرو انی قد بعثت الیک ببطاقة فی داخل کتابی فالقها فی النیل۔ فلما قدم کتاب عمر الی عمرو بن العاص اخذ البطاقة ففتحها۔ فاذا فیها من عبد الله عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلک فلا تجر۔ وان کان الله یجریک فاسئل الله الواحد القهار ان یجریک فالقی البطاقة فی النیل قبل الصلیب بیوم فاصبحوا

وقد اجراہ اللہ تعالیٰ ستۃ عشر ذراعا فی لیلۃ واحدۃ فقطع اللہ تلک
السنۃ عن اھل مصر الی الیوم۔ جب (حضرت عمر کے عہد خلافت میں) ملک مصر فتح ہوگیا
اور اسکے فاتح عمرو بن العاص اس میں داخل ہوئے تو عجمی مہینوں سے ایک تاریخ کو مصر والوں
نے کہا اے امیر اس ملک میں جو دریائے نیل بہتا ہے اس کا ایک دستور چلا آتا ہے جس کے بغیر
یہ بہتا نہیں ہے۔ عمرو عاص نے پوچھا وہ کیا۔ لوگوں نے کہا جب اس مہینہ کی ۱۱ تاریخ ہو جاتی ہے
تو ہم لوگ ایک کنواری لڑکی کیلئے اسکے والدین کے پاس جاتے اور اسکو راضی کرکے وہ لڑکی اس
سے لے لیتے ہیں۔ اور اسے خوب اچھے اچھے لباس نیز زیوروں سے آراستہ کرکے اس نیل
میں ڈالدیتے ہیں (جس کے بعد دریا اچھی طرح بہنے لگتا ہے) عمرو عاص نے ان لوگوں سے
کہا اسلام میں تو یہ دستور قائم نہیں رہ سکتا اور اسلام اپنے قبل کے کل رواج کو مٹا دینے
کے لئے آیا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر مصر والے رک گئے اور انھوں نے کنواری لڑکی دریا میں
نہیں ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے نیل کا بہنا بالکل موقوف ہوگیا۔ اس مصیبت سے
نکلنے کیلئے مصر والوں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے جلا وطنی اختیار کرلیں۔ عمرو عاص نے یہ دیکھا
تو حضرت عمر بن الخطاب کو پورے واقعہ سے مطلع کر دیا۔ اور ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت
عمر نے ان کو جواب لکھا کہ تم نے جو کیا یہی درست تھا اور اسلام یقیناً ان تمام رسوم کو مٹا دے گا جو
اسکے پہلے سے جاری ہیں۔ اور آپ نے اس خط کے اندر ایک دوسرا رقعہ لکھ کر رکھدیا اور
عمرو عاص کو تاکید کی کہ اس رقعہ کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب یہ دونوں تحریریں عمرو عاص
کے پاس پہونچیں تو انھوں نے اندر والا رقعہ کھول کر پڑھ لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ رقعہ ہے
عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اما بعد اے دریائے نیل
اگر تو اپنی خواہش سے بہتا ہے تو مت بہہ۔ اور اگر تجھے اللہ بہاتا ہے تو خدائے یکتا و قہار سے
سوال کرکہ تجھے بہاتا رہے۔ عمرو عاص نے وہ رقعہ پڑھ کر دریائے نیل میں ڈالدیا۔ تاریخ معین
کو صبح کے وقت لوگ اٹھے تو دیکھا کہ (اس رقعہ کی برکت سے) خدا نے دریا۔ کو ایک رات
میں سولہ ہاتھ بڑھا دیا۔ اس طرح اللہ نے اہل مصر کی اس رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء
۸۵ و ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۲) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ حضرت عمر کی کرامت ظاہر
اور خدا کے ہاں آپ کا اعلےٰ درجہ ثابت ہو مگر اس سے خدا کی جو توہین ہوتی ہے اس کی طرف

توجہ نہیں کی گئی۔ روایت کے الفاظ کہتے ہیں کہ مصر میں یہ رسم اسوجہ سے جاری ہوئی تھی کہ دریائے نیل اُس وقت تک بہتا نہیں تھا جب تک اس میں ایک دوشیزہ اور آراستہ لڑکی کی قربانی پیش نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ خدا ہی نے اس دریا کا جاری ہونا اس قربانی پر موقوف رکھا تھا۔ کیونکہ اس کا جاری ہونا یا رکنا دونوں خدا ہی کے اختیار میں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو بہتا۔ اور نہ چاہتا تو رُکا رہتا۔ مگر جب تک اس میں دوشیزہ ڈالی نہیں جاتی اس وقت تک وہ بہتا نہیں تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ خدا ہی چاہتا تھا کہ ہر سال اس میں دوشیزہ لڑکی ہلاک کیجائے۔ تب خدا اسکے بہنے کا حکم دے۔ پس خدا کی صفت رحمٰن ورحیم اُس وقت کہاں چلی جاتی تھی جب وہ دریائے نیل کے بہنے کو روک دیتا تھا کہ لوگ قحط کے خوف سے پریشان ہو جاتے تھے۔ اور خدا کی یہ صفت اُس وقت بھی کہاں رہتی تھی جب دوشیزہ لڑکی اپنے باپ ماں سے حاصل کیجاتی اور آراستہ کرکے دریا میں ڈال دی جاتی تھی۔ یقیناً یہ رسم کفر و جہالت کی تھی لیکن جب دریائے نیل کا بہنا اسی پر موقوف تھا تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فعل خدا کا نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں کرتا رہا کہ دوشیزہ لڑکیاں اس طرح اس میں ڈبوئی جاتیں۔ اگر وہ دریائے نیل کو برابر جاری رکھتا تو اہل مصر کنواری لڑکیوں کی بھینٹ بھی نہ چڑھاتے۔ ان وجوہ سے عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہے اور صرف حضرت ممدوح کا تقرب الی اللہ دکھانے کیلئے بنائی گئی ہے۔

دریا پر سے لشکر کا گزرنا

مذکورۂ بالا روایت سے ملتی جلتی یہ بھی ہے (وی ان عمر بعث جندا الی مدائن کسریٰ وامر علیھم سعد بن ابی وقاص وجعل قائد الجیش خالد بن الولید فلما بلغوا شط الدجلۃ ولم یجد وا سفینۃ تقدم سعد و خالد فقالا یا بحر انک تجری بامر اللہ فبحرمۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولعدل عمر خلیفۃ اللہ الا خلیتنا والعبور۔ فعبر الجیش بخیلہ وجمالہ الی المدائن ولم تبتل حوافرھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے مدائن کسریٰ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا سردار سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا اور لشکر کا افسر خالد بن ولید کو بنایا۔ جب یہ سب لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پہونچے تو پار ہونے کے لئے کوئی کشتی نہیں ملی۔ اُس وقت سعد بن ابی وقاص اور خالد آگے بڑھے اور دریا سے خطاب کرکے کہا اے دریا تو

خدا کے حکم سے بہتا ہے۔ اب تجھ کو حضرت محمد صلعم کی عزت اور حضرت عمر خلیفہ خدا کے عدل کا واسطہ کہ ہم لوگوں کے عبور کرنے کیلئے راستہ چھوڑ دے۔ اس کے بعد پورا لشکر گھوڑوں اور اونٹوں سمیت دریا میں داخل ہو گیا اور مدائن تک اس طرح چلا گیا کہ جانوروں کے سم بھیگے تک نہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صہ ۱۵) ۔ اس روایت میں یہ امر قابل غور ہے کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد نے دریا کو حضرت رسول خدا صلعم کی حرمت اور حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دیا ہے کہ تو راستہ چھوڑ دے۔ مگر اس امر سے چشم پوشی کی گئی کہ جناب سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید کو یہ معلوم کیسے ہوا کہ ان دونوں کا واسطہ دینے سے دریا پھٹ جائیگا۔ کیونکہ ہر شخص دریا سے ڈرتا ہے اور بغیر کشتی کے اس کے اندر سے عبور کرنے کا خیال تک نہیں کرتا۔ پھر ان دونوں صاحبوں کو اس وقت اس کی امید کیونکر ہوئی کہ ایسا کرنے سے دریا کا پانی ہٹ جائے گا دوسرا امر یہ کہ اگر یہ واقعہ سچا ہو تو حضرت عمر کی کرامت کیسے ہوئی کیونکہ حضرت ممدوح تو مدینہ میں تھے۔ دریا عبور کرنے والے جناب سعد بن ابی وقاص وخالد تھے۔ تو یہ کرامت انہیں دونوں بزرگوں بلکہ پورے لشکر بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کی قرار دینی چاہیئے۔ کہ وہ سب لشکر والے اور وہ سب گھوڑے اونٹ ایسی کرامت والے تھے کہ بغیر کشتی کے دریا عبور کر گئے اور ان کے سم تک نہیں بھیگے اس سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ اثر حضرت عمر ہی کے نام کا تھا کہ آپکے عدل کا واسطہ دیا گیا تو دریا خشک ہو گیا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے نام میں یہ برکت نہیں تھی اسلئے کہ اگر یہ بات ہوتی تو یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے معجزات میں لکھا جاتا۔ یا آنحضرت کے اسم مبارک کے کرامات میں درج کیا جاتا لیکن کسی کتاب میں ایسا نہیں ہے بلکہ خاص حضرت عمر کے کرامات میں موجود ہے۔ مگر اس واقعہ سے حضرت عمر پر یہ زبردست اعتراض ہوتا ہے کہ جب آپ کے نام میں خدا نے یہ اثر پیدا کر دیا تھا تو آپ نے ملک مصر فتح کرنے کیلئے خشکی کی طرف کا بہت ہی دور دراز راستہ کیوں اختیار کیا جس میں مسلمانوں کا بے حد وحساب مال خرچ ہوا۔ آسانی سے ینبوع یا جدہ میں فوجیں بھیجدیتے اور وہ یہی کہہ کر بحر قلزم عبور کر جاتیں اور تھوڑی دیر میں ملک مصر میں داخل ہو کر اس پر نہایت آسانی سے قبضہ کر لیتیں کیونکہ جب دجلہ کا پانی آپ کے عدل کے واسطہ سے ایسا خشک ہو گیا کہ جانوروں کے سم تک نہیں بھیگے تو بحر قلزم کی کیا مجال تھی کہ کوئی شخص اس میں ڈوب جاتا یا فوج اس کے عبور کرنے سے عاجز رہتی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ حضرت عمر

کو اسکی اطلاع نہیں تھی کہ دریائے دجلہ کو وہ لشکر آپ کا نام لیکر عبور کر گیا تب بھی مشکل حل نہیں ہوتی کیونکہ ملک عجم میں ساریہ کے لشکر کو جب آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف سے گھر گیا ہے اور آپ نے پکار کر کہا کہ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ تو خود عراق میں (جو عرب ہی کا ایک حصہ ہے) سعد بن ابی وقاص اور خالد کا دریا عبور کر جانا آپ سے کس طرح مخفی رہا ہوگا۔ آپ کو تو اور جلد اطلاع ہوگئی ہوگی کہ دجلہ کے کنارے لوگوں کو کشتیاں نہیں ملیں اور ان لوگوں نے دریا کو میرے عدل کا واسطہ دیا تو وہ پھٹ گیا اور پورا لشکر آسانی سے عبور کر گیا۔ اسی طرح آپ مدینہ کے قریب کسی بندرگاہ پر فوجیں بھیجکر ان کو حکم دیتے کہ سعد بن ابی وقاص اور خالد کی طرح تم لوگ بھی بحر قلزم کو میرا واسطہ دینا وہ خشک ہو جائیگا اور تم سب عبور کر جانا۔ اگر اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم آپ مصری فوج کے افسر عمرو عاص کو حکم دیتے کہ سکندریہ فتح کرنے کے بعد ہی کل فوجوں کو مڈیٹرینین سی (بحر شام یا بحر روم) میں اتار دیتے۔ وہ سب حضرت عمر کا نام لیکر پورا سمندر عبور کر جاتے اور یورپ میں داخل ہو کر پورے براعظم پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیتے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملادینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کرلی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۸)

مگر جب حضرت عمر کے نام میں یہ اثر تھا کہ اس کا واسطہ دے کر فوج کی فوج دریا میں اتر جاتی اور جانوروں کے سُم تک تر نہیں ہوتے تھے تو حضرت عمر یونانیوں سے بے وجہ ڈرے۔ اول تو یوں بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر نہر سویز اُس زمانہ میں کھد گئی ہوتی تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو کیونکر اڑا لے جاتے۔ اب تو نہر سویز موجود ہے اور ہزاروں جہاز بحر روم سے بحر قلزم میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ کتنے جہازوں نے آکر حاجیوں کو اڑا یا؟ لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اُس زمانہ میں ایسا ہوتا جب بھی حضرت عمر کے خوفزدہ ہونے کی وجہ نہیں تھی کیونکہ آپ سب مسلمانوں سے کہدیتے کہ جب کوئی دشمن جہاز پر سوار ہو کر اس ملک میں آئے اور یہاں کے کسی شخص یا کسی

چیز کو لے کر اڑالے جانا چاہے تو تم لوگ فوج کی صورت میں آگے بڑھنا اور میرے عدل کا واسطہ دے کر بحر قلزم میں کود پڑنا۔ اس کا پانی تم لوگوں کیلئے خشک ہوجائے گا اور آسانی سے یونانی جہازوں کو پکڑ لینا۔ مختصر یہ کہ ایسے شبہات ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت بھی موضوع ہے اور اسی وجہ سے مولوی شبلی صاحب نے دریائے دجلہ کے خشک ہوجانے اور لشکر کے عبور کر جانے کی کرامت اپنی کتاب میں لکھی ہی نہیں۔

ایک عجیب قصہ جناب ممدوح کی کرامتوں میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرؓ کتب الی سعد بن ابی وقاص و ھو بالقادسیۃ یقول لہ وجہ نضلۃ بن معاویۃ الانصاری الی حلوان العراق لیغزو علی ضواحیھا۔ فبعث سعد نضلۃ فی ثلث مأتہ فارس۔ فخرجوا حتے اتوا حلوان العراق فاغار علے ضواحیھا واصابوا غنیمۃ وسبیا فاقبلوا الیسوقونھا حتے ارھقھم العصر وکادت الشمس لغرب فالجأ نضلۃ السبی والغنیمۃ الی سفح الجبل ثم قام فاذن فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فاذا مجیب من الجبل یجیبہ کبرت کبیرا یا نضلۃ ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ قال کلمۃ الاخلاص یا نضلۃ۔ ثم قال اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ قال ھو الذی بشرنا بہ عیسے بن مریم وعلے راس امتہ تقوم الساعۃ۔ فقال حی علے الصلوٰۃ۔ فقال طوبی لمن مشے الیھا واظب علیھا۔ قال حی علے الفلاح۔ قال افلح من اجاب۔ قال اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ قال اخلصت الاخلاص کلہ یا نضلۃ حرم اللہ بھا جسدک علے النار۔ فلما فرغ من اذانہ قاموا۔ فقالوا من انت یرحمک اللہ ملک انت ام من الجن اوطائف من عباد اللہ۔ قد اسمعنا صوتک فارنا صورتک فان الوفد وفد رسول اللہؐ و وفد عمر بن الخطابؓ قال فانفلق الجبل عن ھامۃ کالرحا ابیض الراس واللحیۃ علیہ طمران من صوف۔ قال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقالوا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ من انت یرحمک اللہ۔ قال زریت ابن برثملا وصی العبد الصالح عیسے بن مریم اسکننی ھذا الجبل ودعالی بطول البقاء الی

حین نزوله من السماء فاقرؤا عمر منی السلام وقولوا یا عمر سددو قارب فقد دنا الامر واخبروه بهذه الخصال التی اخبرکم بها یا عمر اذا ظهرت هذه الخصال فی امة محمد فالهرب الهرب... ثم غاب عنهم فلم یروه۔ فکتب نضلة بذلک الی سعد وکتب سعد بذلک الی عمر فکتب الیه عمر سر انت ومن معک من المهاجرین والانصار حتی تنزلوا بهذا الجبل فان لقیته فاقرئه منی السلام۔ فخرج سعد فی اربعة الاف من المهاجرین والانصار حتی نزلوا ذلک الجبل ومکث اربعین یوما ینادی بالصلاة فلا یجدون جوابا ولا یسمعون خطابا۔ جب خباب سعد بن ابی وقاص قادسیہ میں تھے تو حضرت عمر نے ان کو لکھا کہ تم نضلہ بن معویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرو کہ وہ اسکے اطراف میں جاکر لوگوں پر حملہ کریں۔ سعد نے تین سو سواروں کے ساتھ نضلہ کو اُن اطراف میں روانہ کردیا۔ وہ لوگ وہاں سے چل کر حلوان عراق میں پہونچے اور اس کے اطراف میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل اور قیدی گرفتار کیا۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے یہانتک کہ عصر کا وقت ہوگیا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا۔ مجبوراً نضلہ نے قیدیوں اور اموال غنیمت کو پہاڑ کے کنارے محفوظ کردیا اور کھڑے ہوکر اذان دینے لگے۔ ابھی اللّٰہ اکبر۔ اللہ اکبر ہی کہنے پائے تھے کہ ناگاہ پہاڑ کے اندر سے ایک شخص نے آواز دی: اے نضلہ تم نے اچھی تکبیر کہی۔ پھر نضلہ نے کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اس پر بھی اس غیبی شخص نے پکار کر کہا اے نضلہ یہ اخلاص کا کلمہ ہے۔ پھر کہا اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ۔ اب اس غیبی شخص نے کہا یہی وہ بزرگ ہیں جنکی خوشخبری ہمیں جناب عیسیٰ بن مریم نے دی تھی اور انہیں کی امت کے خاتمہ پر قیامت قائم ہوگی۔ پھر نضلہ نے کہا حی علے الصلوۃ۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا کیا خوب انجام ہے اس شخص کا جو نماز کی طرف چلے اور اس کی پابندی کرے۔ پھر نضلہ نے کہا حی علے الفلاح۔ اس پر اس غیبی شخص نے کہا جو شخص اس کو مان لے وہ بہت کامیاب ہے۔ پھر نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اس پر اس غیبی بولنے والے نے کہا اے نضلہ تم نے پورے اخلاص کو ظاہر کیا۔ اس کی وجہ سے خدا تمھارے بدن کو آگ پر

حرام کردے۔ پھر جب نضلہ اپنی اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے اور اس غیبی آواز کو مخاطب کر کے کہا اے بھائی خدا تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ فرشتہ ہو یا جن ہو۔ یا بندگان خدا سے کوئی طائفہ ہو؟۔ ہم سب لوگوں نے تمھاری آواز تو سنی۔ اب اپنی صورت بھی دکھا دو کیونکہ یہ حضرت رسول خدا صلعم کی فوج اور حضرت کا لشکر ہے۔ اس بات پر پہاڑ شگافتہ ہوا اور اس کے اندر سے ایک اُلّو (یا ایک سر[1]) نکلا جو چکی ایسا تھا۔ اس کا سر اور ڈاڑھی دونوں سفید تھے۔ اس کے اوپر دو پرانے بوسیدہ اونی کپڑے تھے۔ اس نے نکل کر کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نضلہ اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا وعلیک السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پھر پوچھا آپ کون ہیں خدا آپ پر اپنی رحمت نازل کرے اس نے کہا "میں زریت بن برثملا عبد صالح حضرت عیسی ابن مریم کا وصی ہوں۔ انھوں نے مجھے اس پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کو کہا اور میرے لئے طول عمر کی دعا کی کہ جب تک وہ آسمان سے دنیا میں دوبارہ نازل ہوں اس وقت تک میں زندہ رہوں۔ تم سب لوگ میرا سلام عمر سے کہہ دینا اور یہ پیغام بھی پہونچا دینا کہ اے عمر ٹھیک طرح سے چلو اور سب کو برابر حصہ دو کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اور تم لوگ میری ان باتوں کی خبر بھی ان کو کر دینا جن کی اطلاع میں تم لوگوں کو دیئے دیتا ہوں۔ اے عمر جب حضرت محمدؐ کی امت میں یہ خصلتیں ظاہر ہو جائیں تو دیکھو بھاگ جانا۔ بھاگ جانا۔ اسکے بعد بہت سی نصیحتیں کر کے وہ الو یا وہ سر غائب ہو گیا اور پھر ان لوگوں نے اس الو یا اس سر کو نہیں دیکھا۔ نضلہ نے اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع سردار فوج سعد بن ابی وقاص کو دی اور انھوں نے

---

[1] ھامہ کا معنے اُلّو بھی ہے اور سر بھی۔ چونکہ اس کے بعد ہے کہ اس ہامہ کا سر سفید تھا اس سبب سے اس جگہ ہامہ سے مراد غالباً الو ہی ہوگا۔ مولوی وحید الزمان خانصاحب نے لکھا ہے "ہامہ الو کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ اس کو منحوس سمجھتے اور کہتے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اس کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح اُلّو بن کر چلا چلا پکارتی پھرتی ہے۔ مجھ کو پانی پلاؤ۔ جب اس کا قصاص لے لیا جاتا ہے تو اڑ جاتی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ صفحہ ۱۴۲) لیکن اگر ہامہ کا معنے سر یا کھوپڑی ہی قرار دیا جائے تو معنے بگڑ جائیگا کیونکہ کھوپڑی سے علحدہ سر یا ایک سر میں دوسرا سر کیونکر ہو سکتا ہے۔ ۱۲

اس حادثہ سے حضرت عمر کو باخبر کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھ بھیجا کہ تم اور تمہاری فوج میں جس قدر مہاجرین و انصار ہیں سب اُس طرف جاؤ اور جب اُس پہاڑ کے پاس پہونچو تو اوتر پڑو۔ وہاں اگر اس الویا سر سے ملاقاۃ ہو تو اس کو میرا بھی سلام کہہ دو۔ سعد بن ابی وقاص مہاجرین و انصار کی چار ہزار فوج کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ اس پہاڑ کے پاس اتر پڑے اور چالیس دن تک وہاں ٹھہر کر نماز کی منادی کراتے رہے مگر ان کو نہ کسی بات کا جواب ملا اور نہ انھوں نے کوئی خطاب سنا (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کا درجہ اتنا بڑا تھا کہ حضرت عیسٰی بن مریم کے وصی زریت بن برثملا نے آپ کو غائبانہ سلام کہلایا اور ان کو چند نصیحتیں کیں۔ مگر اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی طرف روایت کے وضع کرنے والوں کی توجہ نہیں ہوئی مثلاً حضرت عیسٰی کے وصی و خلیفہ کا نام شمعون تھا چنانچہ مورخین نے لکھا ہے از جملہ وصایائے عیسٰی یکے آں بود کہ خدائے تعالےٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریان خلافت وے قبول کردند۔ حضرت عیسٰی کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ فرمایا خدائے تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور آپ کے حواریوں نے ان کی خلافت قبول بھی کرلی (روضۃ الصفا جلد ا صفحہ ۱۴۴) پس اگر زریت بن برثملا حضرت عیسٰی کے وصی ہوتے تو ان کا نام تاریخ کی کتابوں میں ضرور ہوتا۔ لطف یہ کہ حضرت عیسٰی کے ۱۲ حواری (خاص دوست۔ رفیق۔ ہمدرد۔ مددگار) تھے ان کے نام یہ ہیں شمعون الصفا۔ اندراوس۔ لیعقوب بن زبدی۔ شمعون القنانی۔ لیعقوب بن حلقی۔ لولوس۔ یوحنا۔ برتولوماوس۔ لوقا۔ متی۔ مارتوس۔ یہودا۔ ان میں کوئی بھی زریت بن برثملا نہیں ہے۔ پس یہ زریت بن برثملا کون اور کیسے وصی جناب عیسٰی تھے جن کا ذکر نہ آپ کے وصیتوں میں ملتا ہے نہ آپ کے حواریوں میں آپ کا پتا ملتا ہے۔ تاریخ کی بڑی معتبر کتاب تاریخ طبری ہے اس میں بھی حضرت عیسٰی کے ان وصی کا ذکر نہیں ملا۔ دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ زریت بن برثملا کا سراپا چہرہ اس وقت کیوں نظر نہیں آیا۔ اور بجائے اس کے ایک سر (الویا کھوپڑی) کیوں دکھائی دیا۔ تیسرا امر یہ کہ جب حضرت عمر نے اس کو جواب سلام کہلا بھیجا اور سعد بن ابی وقاص چار ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ وہاں گئے اور چالیس روز تک ٹھہر کر برابر چیختے اور نماز کی صورت میں منادی کراتے رہے

تو اب وہ شخص کیوں نہیں آیا بلکہ پہلے سے جلد تر اب اس کو وہاں پہونچنا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت عمر نے خود اس کو جواب سلام بھیجا تھا۔ اگر وہ واقعاً حضرت عمر کی عزت کرتا تھا تو اس کو اس دفعہ وہاں پہونچنے اور حضرت عمر کا پیغام سننے میں زیادہ مستعدی دکھانی چاہیئے تھی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نضلہ بن معویہ کی تعظیم کے لئے اس کی فوج کی آواز سنکر پہونچ گیا اور حقیقت میں اوسی کی کرامت ظاہر کرنی چاہی کہ وہاں خود سے آیا۔ خود ہی ان لوگوں سے باتیں کیں اور خود ہی ان کو اپنی کھوپڑی دکھائی لیکن سعد بن ابی وقاص کے پہونچنے اور حضرت عمر کا جواب آنے پر اس نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ یہ لوگ چالیس روز تک چیختے چلاتے اور منادی کرتے رہ گئے مگر اب اس نے ان کی ایک بات کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔ اس سے تو در حقیقت حضرت عمر کی توہین اور ذلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ کے خاص قائم مقام وہاں جاکر اس کو جواب سلام پہونچانے کیلئے بلاتے رہے۔ مگر اس نے نہ ان کو قابل خطاب سمجھا اور نہ حضرت عمر کو اس قابل جانا کہ ان کا سلام قبول کرے۔ اتنی خرابیوں کے بعد بھی یہ روایت حضرت کے فضائل میں شد و مد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ "عالم ربانی۔ جنید زمانی۔ محمد اسمٰعیل بخاری ثانی۔ عالم اوحد و فاضل امجد۔ یگانۂ عصر و یکتائے دہر" مولوی شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفاء" میں نقل کیا ہے (دیکھو کتاب مذکور مقصد دوم ص ۱۶۷)

آسمانی آواز

یہ روایت بھی قابل لحاظ ہے عن خوات ابن جبیر قال اصاب الناس قحط شدید علی عھد عمر فامرھم بالخروج الی الاستسقاء فصلی بھم رکعتین وخالف بین طرفی ردائہ فجعل الیمین علی الیسار والیسار علی الیمین ثم بسط یدیہ وقال اللھم انا نستغفرک ونستعینک فما برح حتی مطروا۔ فبینما ھم کذلک اذ قدم الاعراب فاتوا عمر فقالوا یا امیر المومنین بینا نحن فی بوادینا فی یوم کذا فی ساعۃ کذا اذ اظلتنا غمامۃ فسمعنا فیھا صوتا وھو یقول اتاک الغوث ابا حفص۔ اتاک الغوث ابا حفص۔ خوات بن جبیر بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ باہر نکل کر چلو اور نماز استسقاء

پڑھو۔ وہاں آپنے ان لوگوں کو نماز استسقار کی دو رکعتیں پڑہائیں پھر ہاتھ پھیلا کر دعا کی کہ اے خدا ہم تجھ سے اپنی خطاؤں کی مغفرت چاہتے اور تیری مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ ابھی آپ اسی طرح دعا کرتے تھے کہ فوراً پانی اچھی طرح برسنے لگا۔ وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ دیہاتوں کے کچھ بدوی لوگ وہاں پہونچے اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اے امیر المومنین ہم لوگ فلاں تاریخ میں فلاں وقت پر اپنے اپنے میدانوں میں تھے کہ دفعتہً ہم لوگوں کے سروں پر ایک ابر آگیا۔ اسکے بعد ہم لوگوں نے سنا کہ اس ابر کے اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ اے ابو حفصہ (عمر) تمھارے پاس مدد آگئی۔ اے ابو حفصہ (عمر) تمھارے پاس مدد آگئی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۱۶۷) کس درجہ مضحکہ خیز روایت ہے کہ حضرت عمر نے دعا کی۔ نماز استسقار پڑھی۔ خدا سے مدد کی دعا کی۔ لیکن آپ کو وہاں کوئی آواز سنائی نہیں دی اور نہ وہاں کے مسلمانوں نے کوئی آواز سنی۔ لیکن وہاں سے بہت دور مختلف مقامات کے دیہاتوں میں وہاں کے باشندوں نے ابر بھی دیکھا۔ اس سے آواز نکلتے بھی سنی۔ اور یہ بھی سنا کہ وہ آواز حضرت کو خطاب کرکے کہتی ہے کہ مدد آگئی۔ مدد آگئی۔ اگر حضرت عمر کے جواب میں ہاتف غیبی نے کچھ کہا تھا تو اسکا ابر مدینہ میں آنا چاہیے تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو وہ آواز سننی تھی۔ اور خاص کر حضرت عمر کے سر پر آکر اس آواز کو شور کرنا تھا کہ آپ بھی سنتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی خبر ہو جاتی کہ خدا نے حضرت عمر کے استغاثہ کا جواب بھیجدیا۔ یہ کیا کہ جواب تو دیا جارہا ہے حضرت عمر کو اور اس کی آواز سنائی جارہی ہے دور دراز کے دیہاتی عربوں کو جہاں سے حضرت عمر تک نہ وہ آواز پہونچی نہ ان کو یقین ہوا کہ ان کے جواب میں خدا نے کوئی بات کہی۔ جب خدا کو مکھی تک پر وحی نازل کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا جیسا کہ خود فرمایا ہے واوحیٰ ربک الی النحل پروردگار نے شہد کی مکھی پر وحی کی (پ ۱۴ ع ۱۵) تو خود حضرت عمر کو مخاطب کرکے اتاک الغوث کہنے میں کیا مانع ہوا۔ اسکے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ روایت موضوع ہے اور صرف خوش اعتقاد لوگوں کی ایجاد ہے۔

خلیل ثانی کی ملاقات یہ روایت بھی ذکر کیجاتی ہے لما دخل ابو مسلم الخولانی المدینۃ من الیمن وکان الاسود بن قیس الذی ادعی النبوۃ بالیمن عرض علیہ ان یشھد انہ رسول اللہ فابیٰ۔ فقال اتشھد

ان محمدا رسول اللہ ۔ قال نعم۔ فامر بتاجیج نار عظیمۃ فالقے فیھا ابو مسلم فلم تضرہ فامرہ بنفیہ من بلادہ فقدم المدینۃ ۔ فلما دخل من باب المسجد قال عمر ھذا صاحبکم الذی زعم الاسود الکذاب انہ یحرقہ فنجاہ اللہ منھا۔ ولم یکن القوم ولا عمر سمعوا قضیتہ ولا راوہ ثم قام الیہ واعتنقہ وقال الست عبد اللہ بن ثوب ۔ قال بلے فبکے عمر ثم قال الحمد للہ الذی لم یمتنی حتے ارانی فی امۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم شبیھا بابراھیم الخلیل علیہ السلام ۔ جب ابو مسلم خولانی یمن سے آکر مدینہ میں داخل ہوا اور اسود بن قیس جس نے ملک یمن میں نبوت کا دعوے کیا تھا اس پر یہ بات پیش کی تھی کہ وہ بھی اس (اسود بن قیس) کی نبوت کی گواہی دے (یعنی اس کو بھی نبی مانے) مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر اسود نے اس سے پوچھا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلعم) خدا کے نبی اور رسول ہیں؟ ابو مسلم نے کہا ہاں۔ اسود بن قیس نے حکم دیا کہ آگ کا انبار کیا جائے اور اس میں ابو مسلم ڈال دیا گیا۔ مگر آگ نے اسکو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچایا۔ یہ دیکھ کر اسود بن قیس نے حکم دیا کہ ابو مسلم کو یمن سے جلاوطن کر دیا جائے۔ لہذا وہاں سے نکل کر وہ مدینہ میں پہونچا۔ یہاں جب وہ باب مسجد سے داخل ہوا تو حضرت عمر نے کہا اے مسلمانو! یہی تمھارا وہ ہم مذہب مسلمان بھائی ہے جس کے بارے میں اسود کذاب نے چاہا تھا کہ آگ میں جلا دے مگر خدا نے اس کو اس آگ سے بچا دیا۔ حالانکہ اس کے واقعہ کو اس وقت تک نہ حضرت عمر ہی نے سنا تھا اور نہ مدینہ کے مسلمانوں ہی نے اور نہ ان لوگوں نے اب تک اس کی صورت دیکھی تھی۔ اسکے بعد حضرت عمر کھڑے ہو کر اسکے گلے سے لپٹ گئے اور کہا کیا تم عبد اللہ بن ثوب نہیں ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ہی وہ ہوں۔ یہ سنکر حضرت عمر رونے لگے پھر کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اُس وقت تک موت نہیں دی جب تک حضرت محمدؐ کی امت میں حضرت ابراہیمؑ کا مثل و نظیر مجھے نہیں دکھا دیا (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۱۶۷)

یہ روایت اس لئے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کو علم غیب حاصل تھا۔ اور ابو مسلم کے واقعہ کو انھوں نے بغیر دیکھے بغیر سنے خود ہی بیان کر دیا۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہی حضرات بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں کہ غیب کا علم خدا کے سوائے کسی کو نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ حضرت رسولخداؐ

بارے میں بھی وہ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اس سے محروم تھے۔ غیب کا علم خدا کے سوا کسی
کو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ مسئلہ شروع سے مسلمانوں کے درمیان معرکۂ جنگ وجدال بنا رہا ہے بعض
کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کو بھی علم غیب خدا کے عطیہ کے طور پر حاصل تھا۔ اور اہلسنت خصوصاً
اہلحدیث حضرات اس سے برابر انکار کرتے اور کسی طرح تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ دعوے کرتے ہیں
کہ علم غیب خدا کے مخصوصات سے ہے۔ باوجود اسکے حضرت عمر کے بارے میں ایسی روایتیں
صرف ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی صحت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر
کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ [1]

مالک اشتر کیلئے بددعا

اسی طرح کا یہ واقعہ بھی ہے عن عبداللہ بن مسلمۃ قال دخلنا علی عمر معشر وفد مذحج وکنت ممن قرب منہ مجلسا۔ فجعل عمر ینظر الی الاشتر ویصوب فیہ النظر ثم قال لی امنکم ھذا۔ فقلت نعم۔ قال قاتلہ اللہ وکفی اللہ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شرہ واللہ انی لاحسب منہ للمسلمین یوما عصیبا قال فکان ذلک منہ بعد عشرین سنۃ۔ عبداللہ بن مسلمۃ بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ قبیلہ مذحج کے وفد ایک دفعہ حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور میں ہی حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا تو حضرت عمر مالک اشتر کی طرف تکنے اور بار بار ان کو گھورنے لگے۔ پھر مجھ سے فرمایا یہ شخص (مالک اشتر) بھی تم ہی لوگوں سے ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ تب آپنے فرمایا خدا اس کو قتل کرے اور اللہ اسکے شر و فساد سے محمدؐ کی امت کو بچائے۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ ایک روز مسلمانوں کو اس شخص سے بہت سخت دن دیکھنا ہوگا۔ جیسا حضرت عمر نے فرمایا تھا بیس سال کے بعد ویسا ہی واقع ہوا (ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۱۷۹) یہ مالک اشتر وہی ہیں جو حضرت علیؑ کے لشکر کے بہادر تھے اور جنگ صفین میں ان کے قابل قدر کارنامے ہوئے۔ حضرت عمر نے بددعا دی کہ خدا ان کو قتل کرے اور مسلمانوں کو ان کی تلوار سے بچائے۔ روایت و فتنہ

---

[1] لطف یہ ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا بھی اہلحدیث بلکہ پیشوائے فرقہ اہلحدیث مانے جاتے ہیں کہ حضرت عمر کا علم غیب جس روایت سے ثابت ہوتا ہے اسکو وہ بھی تسلیم کرتے اور اپنی کتاب میں اطمینان سے درج کرتے ہیں ۱۲ م

کرنے والوں نے صرف یہ دیکھا کہ اس سے آپ کا علم غیب ثابت ہوگا لہذا بنا دیا مگر یہ نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھ آپ کی توہین بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپنے خدا سے دعا کی کہ مالک اشتر کو قتل کرے لیکن خدا نے آپ کی دعا قبول نہیں کی نہ مالک اشتر کو قتل کیا اور نہ ان کی تلوار سے مسلمانوں کو بچایا۔ حالانکہ حضرت عمر نے پانی برسنے کی دعا کی تو جنگلوں میں خدا نے پکارا کہ اے ابوحفصہ مدد تمھارے پاس آگئی۔ پھر خدا نے مالک اشتر کے قتل کے بارے میں حضرت عمر کی دعا کیوں نہیں سنی اور اُسی وقت ان کو قتل کیوں نہیں کردیا اور مسلمانوں کو ان کی تلوار سے امان کیوں نہیں دی؟ دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر جانتے تھے کہ ان سے مسلمانوں میں خون ریزی ہوگی تو اُسی وقت ان سے کیوں نہ کہا کہ مر جاؤ اور وہ مر جاتے۔ جیسا ایک دوسرے موقع پر ایک شخص جمرہ سے کہہ دیا تھا کہ جا دیکھ تیرے سب گھر والے جل گئے۔ اور واقعاً وہ سب جل گئے تھے (دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۸۰) حالانکہ جمرہ سے کسی کو نقصان پہونچنے والا نہیں تھا۔

آپ کی موت پر اسلام کا گریہ

یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا قال لی جبرئیل لیبک الاسلام علی موت عمر۔ اسلام کو چاہیئے کہ جب عمر مریں تو ان پر گریہ و بکا کرے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۶) اسلام کے سردار تو حضرت رسولخدا صلعم ہیں۔ اس وجہ سے حضرت کی وفات پر اسلام کا رونا زیادہ مناسب تھا مگر اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور حضرت عمر کیلئے یہ حدیث ہے جس کا مطلب بادی النظر میں یہی نکلتا ہے کہ حضرت عمر کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم سے بڑھا ہوا تھا۔ اسوجہ سے اسلام آن پر روئے۔ ان کا ماتم کرے۔

خدا کا مصافحہ

یہ روایت بھی قابل دید ہے۔ اول من یصافحہ الحق عمر و اول من یسلم علیہ و اول من یاخذ بیدہ فید خلہ الجنۃ۔ قیامت کے روز خدا سب سے پہلے حضرت عمر سے مصافحہ کریگا اور سب سے پہلے حضرت عمر پر سلام کریگا اور سب سے پہلے انہیں کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کریگا۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۶) ان کل امور سے حضرت عمر کا حضرت رسول خدا صلعم سے افضل ہونا واضح ہوتا ہے۔ ورنہ اولیت کا فائدہ کیا ہوگا؟ غرض رسول خداؐ پیچھے رہینگے اور حضرت عمر آپ کے آگے۔

سب سے افضل

یہ حدیث بھی ویسی ہی ہے۔ ابوبکر و عمر خیر اہل السماوات والارض و

خیر من بقی الی یوم القیامۃ۔ کل فرشتوں سے اور قیامت تک جس قدر آدمی ہونگے ان سب سے ابوبکر و عمر ہیں۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۳) اس سے واضح ہوا کہ آپ کا درجہ کل انبیاء و مرسلین اور فرشتوں بلکہ خود حضرت رسول خدا صلعم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پس یا آپ کو آنحضرت صلعم سے بھی افضل تسلیم کر لیا جائے۔ یا مانا جائے کہ یہ اور ایسی کل روایتیں موضوع ہیں اور صرف آپ کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے بنائی گئی ہیں۔ یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے بلکہ اس سے حضرت علی کی توہین بھی کی گئی ہے۔ اول من یختصم من ھذہ الامۃ بین یدی الرب علی و معویۃ اول من یدخل الجنۃ ابوبکر و عمر۔ اس امت سے خدا کے سامنے سب سے پہلے علی و معویہ لڑینگے اور سب سے پہلے بہشت میں ابوبکر و عمر داخل ہونگے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۴) نتیجہ واضح ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی پہلے یہ حضرات بہشت میں جائینگے۔

چالیس مقام پر خدا کی موافقت

اور بعض وہ حدیثیں لکھی گئی ہیں جنہیں مذکور ہے کہ مذہب کی متعدد باتوں میں خدا نے حضرت عمر ہی کی تائید کی ایک روایت میں ہے کہ آپ بیان کرتے تھے چالیس مقام پر خدا نے موافقت کی۔ عن عمر قال وافقت ربی فی اربعین۔ چالیس مقام پر خدا کی رائے میری رائے کے موافق ہوئی۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۸)۔ اس کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آپ تشریع میں خدا کے شریک تھے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

آپ کے فضائل میں یہ حدیث بھی درج کی گئی ہے عن عمر قال ما بلت قائما منذ اسلمت۔ حضرت عمر فرماتے تھے کہ میں جب سے مسلمان ہوا کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۹) حالانکہ آپ کا مشہور قول ہے کہ البول قائما احصن للدبر۔ یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے دبر کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۱۲۱)۔ پس جب یہ بات تھی تو حضرت خود اسکے خلاف کیونکر عمل کرتے۔ اس سے اس حدیث کی صحت میں شبہ ہوتا ہے۔

گھوڑے کی سواری

آپ کے گھوڑے پر سوار ہونے کی یہ صورت لکھی ہے عن اسلم قال رائیت عمر بن الخطاب یاخذ باذن الفرس و یاخذ بیدہ الاخری اذنہ ثم ینزو علی متن الفرس۔ اسلم بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر اپنے ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے تھے اسکے بعد

کود کر یا اچھل کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتے تھے (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۳۱) یہ روایت حضرت کے خاص فضائل از قسم افعال میں درج کی گئی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کس خیال سے لکھا گیا۔ آیا اس وجہ سے کہ اس سے آپ کی شہسواری واضح ہوتی ہے یا اس سبب کہ آپکے گھوڑے پر چڑھنے کا ہنر نمایاں ہوتا ہے۔ یا اس مقصود سے کہ معلوم ہو کہ آپ کمال درجہ عدل برتتے تھے کہ اگر گھوڑے کا ایک کان پکڑتے تھے تو اپنا بھی ایک کان پکڑ لیتے تھے مگر اس سے بھی عدل ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس خیال سے تو آپ کو اس کی سواری کا ترک کر دینا مناسب تھا۔ جب آپ اس پر سوار ہوتے اور اس کو ایڑ لگا کر اور کوڑا مار کر تمام لیجاتے تھے تو اس وقت کا عدل کیونکر اٹھا رکھا۔ غرض سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ واقعہ آپکے فضائل میں کس حیثیت سے درج کیا گیا۔

شیاطین کا مقید ہونا

یہ روایت بھی موجود ہے۔ ان الشیاطین کانت مصفدۃ فی امارۃ عمر فلما اصیب بثت۔ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں کل شیاطین مقید ہو گئے تھے۔ جب وہ قتل کر دیئے گئے تو سب آزاد ہو کر ہر طرف پھیل گئے (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۳۲) اس سے بھی مقصود یہ ہے کہ آپ کی فضیلت حضرت رسولخدا صلعم پر بھی ثابت ہو جائے کیونکہ صحیح بخاری کی روایتیں بتاتی ہیں کہ خود حضرت رسول خدا صلعم پر بھی شیطان مسلط رہتا تھا اور یہ روایت کہتی ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں دوسروں کو بھی شیطانی سے امن تھا کہ وہ کسی کو بہکا نہیں سکتے تھے۔ پس جس خلیفہ کے عہد خلافت میں معمولی مسلمانوں پر بھی شیطان نہیں پہونچ سکتا ہو اس کا خود اس رسول سے جس پر شیطان مسلط رہتا ہو افضل ہونا کوئی مخفی امر نہیں ہو سکتا۔

نماز صبح میں سورۂ یوسف

یہ روایت بھی ہے عن عبید بن عمیر قال صلے بنا عمر بن الخطاب صلوۃ الفجر فافتتح سورۃ یوسف فقرأھا حتے اذا بلغ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم بکے حتی انقطع فرکع۔ عبید بن عمیر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز جماعت پڑھائی اور پہلی ہی رکعت میں سورۂ یوسف پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ جب آیہ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم (رنج و اندوہ سے حضرت یعقوب کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ بڑے رنج کے ضابط تھے) تک پہونچے تو رونے لگے یہانتک کہ ان کی آواز بند ہو گئی اور وہ رکوع میں چلے گئے۔ (کنز العمال جلد ۴ ص ۳۳۲) یہ روایت اس غرض سے بنائی گئی کہ معلوم ہو آپ کو عبادت کا اس

درجہ شوق تھا کہ آپ نماز صبح میں بھی سورۂ یوسف ایسی طویل سورہ پڑھتے تھے۔ گر اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی اور حضرت عمر پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے چشم پوشی کرلی گئی۔ امام کو حکم ہے کہ نماز جماعت میں ان مومنین کا زیادہ خیال رکھے اور ان کی رعایت سے نماز مختصر پڑھے۔ حضرت رسولخدا صلعم کا حکم ہے اذا امممت قوما فاخف بھم الصلوٰۃ۔ جب لوگوں کو تم نماز جماعت پڑھاؤ تو مختصر سورہ اور دعائیں پڑھو۔ اذا صلے احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلے احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء۔ جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز با جماعت پڑھائے تو نماز میں تخفیف کرے کیونکہ پیچھے پڑھنے والوں میں کمزور بھی ہوں گے۔ بیمار بھی۔ اور بوڑھے بھی۔ ان جب تم اپنی نماز تنہا پڑھو تو جس قدر چاہو اس میں طول دو۔ ام قومك فمن ام قومه فليخفف فان فيهم الكبير وان فيهم المريض و ان فيهم الضعيف وان فيهم ذا الحاجة۔ فاذا صلے احدكم وحده فليصل كيف شاء۔ تم اپنی قوم کو نماز جماعت پڑھاؤ۔ اور جب کوئی شخص اپنی قوم کو نماز جماعۃ پڑھائے تو نماز کی سورہ اور دعاؤں میں تخفیف کیا کرے کیونکہ نماز پڑھنے والوں میں بیمار۔ کمزور اور صاحبان ضروریات و حاجات بھی ہوتے ہیں۔ انی لاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی الصلوٰۃ۔ حضرت رسول خدا صلعم اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں نماز پڑھاتے وقت بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں اس وجہ سے اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں[1]۔ یامعاذ لاتکن فتانا فانہ یصلی وراءك الكبير والضعيف

---

[1] جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تجوزوا فی الصلوٰۃ نماز ہلکی اور مختصر پڑھو یعنی جماعت کی نماز۔ مطلب یہ ہے کہ قرأۃ مختصر کرو تاکہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اکیلے اگر نماز پڑھتا ہو تو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے۔ ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نہایت مختصر نماز پڑھا کرتے کہ لوگوں کو ان پر تعجب ہوتا۔ بعضے بیوقوں کی عادت ہے کہ جماعت کی نماز میں سنت کے خلاف طول دیا کرتے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو جلدی جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ شیطان کے پیرو اور پیغمبر صاحب کے مخالف ہیں۔ مختصر کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ رکوع اور سجدہ اور قومہ اور قعدہ وغیرہ برابر ادا نہ کرے کیونکہ تعدیل ارکان تو اہل حدیث کے نزدیک فرض ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہی سورتیں یا ان کے برابر والی سورتیں نماز میں پڑھے جو آنحضرتؐ سے ہر نماز میں ماثور ہیں۔ (انوار اللغۃ پارہ ۹ صفحہ ۹۵) اسی قسم کی اور عبارتیں بھی ممدوح نے اس کتاب میں کئی جگہ لکھی ہیں ۱۲ منہ

وذوالحاجۃ والمسافر۔ اے معاذ تم لوگوں میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ کیونکہ تمھارے پیچھے بوڑھے کمزور۔ ضرورت مند اور مسافر (ہر قسم کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں۔ یا معاذ افتان انت فلولا صلیت بسبح اسم ربك الاعلٰے والشمس وضحاھا واللیل اذا یغشٰے فانہ یصلے وراءك الکبیر والضعیف وذوالحاجۃ۔ اے معاذ نماز میں خرابی ڈالنے والے نہ ہو۔ پس اگر نماز میں سورۂ سبح اسم ربك الاعلٰے اور سورہ والشمس وضحاھا وغیرہ نہ پڑھتے تو کیا ہوتا[1] پس جب حضرت رسول خدا صلعم سورہ سبح اسم ربك اور سورۂ والشمس تک کا نماز جماعت میں پڑھنا باعث اعتراض سمجھیں اور اسی کی وجہ سے معاذ صحابی پر خفا ہوں تو کسی شخص کو اس سے بھی بڑی سورۃ کا پڑھنا اور وہ بھی نماز صبح میں جس کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے کس درجہ نامناسب ہے پس اگر اس روایت کو مانیں تو حضرت عمر پر بڑے اعتراضات ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عقل کہتی ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

رسول ڈھول سنتے مگر حضرت عمر کیلئے بند کردیا جاتا اگر صرف ایسی حدیثیں وضع کی جاتیں جن سے محض حضرت ممدوح کے فضائل ثابت ہوتے تو ایک ہی مصیبت تھی۔ مگر کس قدر صدمہ ہوتا ہے اس وقت جب اس قسم کی حدیثیں بھی نہایت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ایک طرف حضرت عمر کی مدح پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف حضرت رسول خدا صلعم کی انتہا درجہ کی توہین ہوتی ہو مثلاً عن بریدۃ ان النبیؐ قدم من بعض مغازیہ فاتتہ جاریۃ سوداء۔ فقالت یا رسول اللہ انی کنت نذرت ان ردك اللہ سالما ان ضرب بین یدیك بالدف۔ قال ان کنت نذرت فاضربی والا فلا۔ فجعلت تضرب والنبیؐ جالس۔ فدخل ابوبکر وھی تضرب۔ ثم دخل عمر فالقت الدف تحتھا وقعدت

---

[1] مولوی وحید الزمان خانصاحب لکھتے ہیں "افتان انت یا معاذ۔ تم لوگوں کو خرابی میں ڈالنا چاہتے ہو۔ مصیبت اور بلا میں پھنسانا یعنی لمبی لمبی سورتیں نماز میں پڑھکر یہ چاہتے ہو کہ لوگ نماز سے نفرت کرنے لگیں۔ جماعت میں شریک ہونا چھوڑ دیں۔ گنہگار ہوں"۔ (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ ص ۱۲) جس سے واضح ہوا کہ نماز جماعت میں لمبی سورتوں کے پڑھنے کو حضرت رسول خدا صلعم نے فتنہ اور خرابی سے تعبیر کیا ہے اور لوگوں پر اسکی وجہ سے غضبناک ہوئے ہیں ۱۲ منہ

علیہ فقال رسول اللہ ان الشیطان لیخاف ۔ وفی لفظ یفرق منک یا عمر ۔ انی کنت
جالسا وھی تضرب ۔ ثم دخل ابوبکر وھی تضرب ۔ فلما دخلت القت الدف تحتھا و
قعدت علیہ ۔ بریدہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم اپنے ایک غزوہ سے واپس
تشریف لائے تو حضرت کے پاس ایک حبشن لونڈی نے آکر کہا اے رسول خدا میں نے نذر کی تھی کہ اگر اللہ آپ
کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں حضور کے سامنے ڈھول بجاؤں گی ۔ حضرت نے فرمایا اگر تو نے ایسی
نذر کی تھی تو ڈھول بجا ورنہ نہیں ۔ غرض وہ لونڈی ڈھول بجانے لگی اور حضرت رسول خدا صلعم بیٹھے سنتے رہے ۔
اتنے میں حضرت ابوبکر وہاں پہونچے اب بھی وہ لونڈی اسی طرح بجاتی رہی ۔ پھر حضرت عمر پہونچے ۔ آپ
کو دیکھتے ہی اس لونڈی نے ڈھول اپنے نیچے چھپا لیا ۔ اور اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئی ۔ یہ دیکھ کر حضرت
رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر تم سے شیطان ڈرتا ہے ۔ میں بیٹھا ہوا اور یہ بجاتی رہی ۔ پھر ابوبکر آئے
جب بھی یہ بجاتی رہی مگر جب تم داخل ہوئے تو اس نے ڈھول کو اپنے نیچے رکھ لیا اور اسکے اوپر بیٹھ رہی ۔
(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۵) ۔ یہ روایت اس لئے وضع کی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر کا ورع و تقویٰ اس
درجہ مشہور تھا کہ دوسروں کو بھی آپ کے سامنے کوئی برا کام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ۔ مگر تصویر کے
دوسرے رخ سے بالکل چشم پوشی کر لی گئی کہ جس گناہ سے حضرت عمر کو بچانا چاہا اس میں حضرت رسول خدا
صلعم اور حضرت ابوبکر کو مبتلا کر دیا ۔ دو ہی صورت ہوسکتی ہے ۔ یا ڈھول کا بجانا جائز تھا یا ناجائز ۔ اگر
جائز تھا تو لونڈی نے اسے چھپایا کیوں اور حضرت رسول خدا صلعم نے اس سے کیوں نہ فرمایا کہ یہ جائز ہے تو
کیوں چھپاتی ہے ۔ اور اگر ناجائز تھا تو حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر کیوں اسکو سنتے رہے ۔

حبشیوں کا ناچ

اسی مضمون کے قریب یہ روایت بھی ہے عن ابی ھریرۃ قال بینا الحبشۃ
یلعبون عند النبی بحرابھم دخل عمر فاھوی الی الحصی فحصبھم
بھا فقال دعھم یا عمر و زاد علی ثنا عبد الرزاق انا معمر فی المسجد ۔ جناب ابوہریرہ بیان
کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس حبشی لوگ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ناچ رہے
تھے ۔ اتنے میں وہاں حضرت عمر پہونچے تو وہ بہت سے سنگریزے اٹھا کر ان ناچنے والوں کو مارنے لگے ۔
اس پر آنحضرت نے فرمایا اے عمر چھوڑ دو انہیں ناچنے دو (صحیح بخاری پارہ ۱۱ صفحہ ۸۰) ۔ اس روایت
کا مقصود بھی یہی ہے کہ عفت و ورع و تقویٰ و پابندی احکام خدا میں حضرت عمر کا درجہ حضرت
رسول خدا صلعم سے برتر دکھایا جائے ۔ معاذ اللہ جو رسول دنیا میں اس غرض سے بھیجا جائے کہ لوگوں

کو اخلاق حسنہ کی تعلیم کرے وہ مسجد میں حبشیوں کا ناچ کرے۔ اور خود دیکھے!! کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے![1] اس قسم کی روایتیں نہایت کثرت سے موجود ہیں جو سب وضعی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ اسلام میں کسی شخص کا کوئی فعل آنحضرت صلعم سے زیادہ باعث خوشنودی خدا نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کے مجمع میں رسول اور حضرت عمر

یہ روایتیں بھی موجود ہیں استاذن عمر بن الخطاب علی رسول اللہ ﷺ وعندہ نسوۃ من قریش یکلمنہ ویستکثرنہ عالیۃ اصواتھن علی صوتہ فلما استاذن عمر بن الخطاب قمن

---

[1] حضرت ابوبکر کا درجہ بھی آنحضرت صلعم سے بڑھانے کی ایسی ہی کوشش ہوتی رہی۔ روایت ذیل قابل عبرت ہے عن عائشۃ قالت دخل علی النبی ﷺ وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ۔ فدخل ابوبکر فانتھرنی فقال مزمارۃ الشیطان عند رسول اللہ ﷺ فاقبل علیہ رسول اللہ فقال دعھما فلما غفل غمزتھما فخرجتا۔ قالت وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب۔ فاما سالت رسول اللہ ﷺ واما قال لی تشتھین ان تنظری۔ فقلت نعم فاقامنی وراءہ خدی علی خدہ ویقول دونکم بنی ارفدۃ حتی اذا مللت قال حسبک قلت نعم قال فاذھبی۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ میرے پاس دو لونڈیاں بعاث کی غزلیں گا رہی تھیں اتنے میں دفعۃً حضرت رسول خدا صلعم پہونچ گئے۔ (اگر وہ لونڈیاں حضرت کو دیکھ کر بھی چپ نہیں ہوئیں) تو حضرت اپنے فرش پر جا کر لیٹ رہے اور اپنا منہ پھیر لیا اتنے میں حضرت ابوبکر آگئے تو انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا رسول خدا کے پاس یہ شیطان کا باجا۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے ابوبکر ان دونوں کو گانے دو۔ جب انھوں نے اسکی تعمیل کی تو میں نے دونوں لونڈیوں کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔ اور عید کے روز حبشی اچھلنے والے سپر اور ہتھیار لے کر ناچتے تھے تو یا میں نے پوچھا یا خود آنحضرت صلعم نے مجھ سے فرمایا کیوں عائشہ ناچ دیکھنے کو جی چاہتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پس حضرت نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا اسطرح کہ میرا رخسارہ حضرت کے رخسارہ پر تھا اور حضرت ان ناچنے والوں سے فرماتے جاتے تھے ارفدہ کے بیٹو تم لوگ ناچے جاؤ۔ جب میں دیکھتے دیکھتے گھبرا گئی تو حضرت نے پوچھا بس؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا تو چلو۔ (صحیح بخاری سپ ۱۱ ص ۲۴ وغیرہ)

فبادرن الحجاب فاذن له رسول اللہؐ فدخل عمر و رسول اللہؐ یضحک فقال عمر اضحک اللہ سنک یا رسول اللہؐ۔ فقال النبیؐ عجبت من ھولاء اللاتی کن عندی فلما سمعن صوتک ابتدرن الحجاب۔ فقال عمر فانت احق ان یھبن یا رسول اللہؐ۔ ثم قال عمر یا عدوات انفسھن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہؐ فقلن نعم انت افظ واغلظ من رسول اللہؐ فقال رسول اللہؐ ایہ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک۔ ایک دفعہ حضرت عمر حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی۔ اُس وقت آنحضرت صلعم کے پاس قریش کی بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ باتیں کرتی اور زور زور سے چھپاتی تھیں یہاں تک کہ ان کے چھپانے کی آواز حضرت کی آواز سے بھی زیادہ بلند تھی۔ جب حضرت عمر نے اجازت مانگی تو وہ سب کھڑی ہو گئیں اور لپک پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت عمر کو اندر آنے کی اجازت دی تو آپ وہاں تشریف لیگئے۔ دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم ہنس رہے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا اے رسول خدا! اللہ آپ کے دانتوں کو ہنستا ہوا ہی رکھے (آپ کیوں ہنستے ہیں) آنحضرت نے فرمایا میں ان عورتوں پر ہنستا ہوں جو میرے پاس تبع تھیں جب انھوں نے تمھاری آواز سنی تو دوڑکر پردہ کے اندر چلی گئیں۔ اس پر حضرت عمر بولے یا حضرت آپ کا درجہ زیادہ اس قابل ہے کہ عورتیں آپ سے ڈریں۔ پھر ان عورتوں کو پکار کر کہا اے اپنی آپ دشمنو! کیا تم سب مجھ سے ڈرتی ہو اور حضرت رسولخدا صلعم سے نہیں ڈرتیں؟ ان سب نے جواب دیا ہاں تم حضرت سے افظ (زیادہ سخت مزاج) اور اغلظ (زیادہ درشت خصلت) ہو۔ اس پر حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا اے عمر ان سب کو برا نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ خدا کی قسم شیطان جس راہ سے تمھیں جاتے دیکھتا ہے وہ ضرور اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ لگ جاتا ہے (صحیح بخاری پ۱۴ ص۳۴۳ وغیرہ)۔ روایت بنانے والوں نے اس میں حضرت عمر کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم سے صرف بڑھایا ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کی نہایت شرمناک تصویر بھی کھینچی کہ نامحرم عورتیں حضرت کے پاس بیٹھی رہتیں۔ اور جس طرح عیاش لوگوں کے پاس بیہودہ عورتیں شور وغل کرتی رہتی ہیں اسی طرح آنحضرت صلعم کے پاس بھی وہ سب حشرات مچائے رہتی تھیں۔ گر حضرت عمر آئے تو ان کے ڈر سے پردہ میں چلی گئیں۔ اگر وہ عورتیں پہلے ہی سے برقع اوڑھے ہوئے پردہ کے ساتھ آنحضرت سے باتیں کرتی ہوتیں تو حضرت عمر کے پہونچنے پر ان کے خوف سے ان کا خاموش ہو جانا کافی تھا۔

اگر یہ جملہ کہ فبادرن الحجاب (دوڑ کر پردہ کے اندر چلی گئیں) بتاتا ہے کہ آنحضرت کے پاس سب بے پردہ تھیں اور حضرت عمر کو دیکھ کر پردہ میں چھپ گئیں۔ اور یقیناً اُس وقت کوئی بری ہی صورت تھی اسی وجہ سے آنحضرت نے شیطان کا ذکر کیا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں اچھی باتیں کرتی تھیں اور آنحضرت صلعم ایسے امور میں مشغول تھے جو عفت اور پرہیز گاری کے خلاف نہیں تھے تو آخری جملہ کیوں فرمایا کہ اے عمر شیطان تمھیں جس راہ سے جاتا دیکھے گا وہ کبھی اس راہ نہیں چل سکیگا۔ اُس وقت کیا ہو رہا تھا۔ جسپر آنحضرت نے یہ فرمایا کہ تمھارے آنے سے شیطان بھاگ گیا۔ اگر وہ عورتیں پارسا تھیں تو حضرت انکیلئے نہیں ارشاد فرما سکتے تھے جس سے ان کی پاکدامنی میں شبہہ پیدا ہو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایسی ہی حدیثوں سے دشمنان اسلام آنحضرت پر دن رات اعتراضات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ہر موقع پر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

رسولخدا صلعم کا حضرت عمر سے ڈرنا

اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے عن عائشۃ قالت اتیت رسول اللہ بخزیرۃ طبختہا لہ فقلت لسودۃ کلی والنبی بینی وبینھا۔ فقلت لتاکلن اولالطخن وجھک۔ فابت فوضعت یدی فی الخزیرۃ فطلیت بھا وجھھا فضحک النبی ووضع فخذہ لھا وقال لسودۃ الطخی وجھھا۔ فلطخت وجھی فضحک النبی ایضا فمر عمر فنادی یا عبداللہ یا عبداللہ۔ فظن النبی انہ سیدخل فقال قوما فاغسلا وجوھکما۔ قالت عائشۃ فمازلت اھاب عمر لھیبۃ رسول اللہ ایاہ۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ ایک کھانا خزیرہ آنحضرت کے لئے پکا کر میں آپ کے پاس لے گئی۔ وہاں حضرت کی بیوی سودہ بھی تھیں۔ اس وقت میرے اور سودہ کے بیچ میں رسول خدا صلعم بیٹھے تھے۔ میں نے سودہ سے کہا کھاؤ۔ تم کو بھی ضرور کھانا ہوگا ورنہ میں اس سے لیکر تمھارے چہرہ میں لپیٹ دونگی گر سودہ نے انکار کیا۔ تو میں نے خزیرہ سے نکال کر ان کے پورے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت رسولخدا صلعم ہنسنے لگے اور اپنی ران سودہ کے لئے نیچے گرا دی اور ان سے فرمایا تم بھی عائشہ کے منہ میں لپیٹ دو۔ سودہ نے بھی میرے تمام منہ میں لپیٹ دیا۔ اس پر بھی آنحضرت ہنسنے لگے راستے میں باہر سے حضرت عمر گزرے اور پکار کر کہا اے بندۂ خدا۔ اے بندۂ خدا۔ یہ سنکر حضرت رسول خدا صلعم کو گمان ہوا کہ عمر اب مکان میں آیا ہی چاہتے ہیں۔ یہ خیال کرکے حضرت نے مجھ (عائشہ) اور

ان (سودہ) سے کہا کہ جلدی بھاگو اور جا کر اپنے منہ دھو ڈالو۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ اس وقت سے میں برابر حضرت عمر سے ڈرا کرتی ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم بھی ان سے ڈرتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۳) اس میں دکھایا ہے کہ حضرت عمر ایسے اچھے اخلاق کے تھے کہ ان لغویات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم ان کے آنے پر ڈر گئے۔ مگر اس سے حضرت رسولخدا صلعم کی درون خانہ زندگی کی جیسی شرمناک تصویر نظر آتی ہے وہ محتاج توضیح نہیں۔ اور غالباً دنیا کے کسی مذہبی پیشوا کی یہ سیرت نظر نہیں آسکتی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اس وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ اور محض حضرت ممدوح کے متعلق غلو نے ایسی باتیں بنوائیں۔

قراقر میں پیٹ سے گفتگو یہ روایت بھی قابل دید ہے عن انس بن مالک قال تقرقر بطن عمر بن الخطاب وکان یاکل الزیت عام الرمادۃ وکان حرم علیہ السمن فنقر بطنہ باصبعہ وقال تقرقر تقرقر انہ لیس عندنا غیرہ حتے یحیے الناس۔ انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ قحط والے سال میں حضرت عمر نے اپنے اوپر گھی کا استعمال حرام کر لیا تھا اور صرف روغن زیتون کھاتے تھے اسی کی وجہ سے ان کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا تو آپ نے اپنی انگلی اپنے پیٹ میں گڑا کر پیٹ سے کہا تجھ سے جس قدر قراقر کرنا ہو قراقر کر لے کیونکہ میرے پاس روغن زیتون کے سوائے کچھ نہیں ہے جب تک لوگ زندہ نہ ہو جائیں (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ روغن زیتون کبھی استعمال نہیں کرتے تھے اور صرف قیمتی گھی ہی کھایا کرتے تھے۔ اتفاقاً قحط کے زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کیا تو آپ کے پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ مگر یہ روایت آپ کے زہد کی کل روایتوں کو باطل کر دیتی ہے۔ کیونکہ عرب میں جو شخص زیتون کا تیل نہ کھائے اور صرف گھی ہی پر بسر کرے وہ انتہا درجہ کا خوشحال اور عیش پرست ہوگا۔ اس سبب سے قوی گمان ہے کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔ کیونکہ آپ کا زہد در طعام بھی مشہور ہے مثلاً

آپ کی غذا عن انس ابن مالک قال رایت عمر بن الخطاب وھو یومئذ

امیرالمومنین یطرح لہ صاع من تمر فیا کلھا حتی یاکل حشفھا۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ میں نے دیکھا جب حضرت عمر خلیفہ وقت تھے تو اون کے سامنے ایک صاع کھجور ڈال دیجاتی اور وہ سب کھاجاتے یہاں تک کہ جو سڑی ہوئی ہوتیں ان کو بھی نوش فرماجاتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۸۳) ایک صاع چار یا ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے (انوار اللغۃ پ ۱۴ صفحہ ۱۱۵)۔ لوگوں نے یہ روایت بنائی تو خیال کیا کہ آپ کا زہد اس سے واضح ہوگا کہ دکھایا جائے آپ سڑا ہوا کھانا بھی کھاجاتے تھے اور اس سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ یہ زہد کی دلیل نہیں ہے بلکہ دوسرے اوصاف کا ثبوت ہے۔ اور جب آپ کی اس بے چینی کے متعلق حدیث بنانے کی ضرورت ہوئی جو آپ کو قحط کے سال اہل اسلام کی پریشانی کی وجہ سے ہونی چاہئے تھی تو اوپر کی حدیث بنائی کہ آپ نے قحط کے سال گھی کھانا چھوڑ دیا۔ اور روغن زیتون استعمال کرنے لگے تو پیٹ میں قراقر ہونے لگا۔ گر قراقر ہونے پر بھی آپ نے روغن زیتون کو نہیں چھوڑا اور نہ گھی استعمال کیا۔ اب جو شخص ان دونوں کو ایک وقت میں دیکھے گا وہ آسانی سے فیصلہ کرلے گا کہ دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں۔ ان دونوں روایتوں کے ساتھ یہ بھی موجب حیرت ہے عن انس قال کان احب الطعام الی عمر الثفل واحب الشراب الیہ النبیذ۔ انس بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کھانے میں سب سے زیادہ تہ دیگی کو اور پینے میں سب سے زیادہ نبیذ کو پسند کرتے تھے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۶)

جوتیوں سے رومال کا کام

عن عاصم بن عبید اللہ بن عاصم ان عمر کان یمسح بنعلیہ ویقول ان منادیل آل عمر نعالھم۔ فرزند عاصم بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر دھوکر اپنی جوتیوں میں پونچھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ عمر کے گھر کے رومال ان کی جوتیاں ہی ہیں۔ عن السائب بن یزید قال ربما تعشیت عند عمر بن الخطاب فیاکل الخبز واللحم ثم یمسح یدہ علی قدمیہ ثم یقول ھذا مندیل عمر وآل عمر۔ سائب بن یزید بیان کرتے تھے کہ میں نے اکثر رات کا کھانا حضرت عمر کے

ساتھ کھایا ہے۔ وہ روٹی اور گوشت کھاتے تے پھر اپنے قدموں پر مل لیتے تے۔ اور کہتے ستے کہ میرا اور میرے اہل وعیال کا رومال یہی ہے (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۴۶)۔ معلوم نہیں روایت کرنے والوں نے اس کو کس غرض سے ذکر کیا ہے۔ اگر ممدوح کے پاس رومال نہیں تھا تو بالکل برہنہ بھی نہیں رہتے ہونگے۔ کرتے۔ یا قبا یا ردا یا پائجامہ یا تہبند ضرور ہی پہنتے ہونگے۔ پھر انہیں چیزوں میں کیوں نہیں پونچھ لیتے کہ جوتیوں میں پونچھتے تھے اور اسکی بھی تصریح نہیں ہے کہ کس چیز کو جوتیوں سے پونچھتے تھے کھانے میں تو ہاتھ اور منہ دونوں لگتے ہیں اور کھانے کے بعد دونوں ہی دھوئے اور پونچھے جاتے ہیں۔ تو حضرت ممدوح کس چیز کو اپنی جوتیوں سے پونچھتے تھے۔ اگر ہاتھوں کو جوتیوں سے پونچھتے تھے تو منہ کو کس چیز سے پونچھتے تھے۔ عقل تو اس کو قبول نہیں کرتی کہ آپ جوتی سے ہاتھ کو اور کسی دوسری چیز سے منہ کو پونچھتے ہوں۔ پھر جس چیز سے منہ پونچھتے تھے اسی سے ہاتھوں کو بھی کیوں نہ پونچھتے ہوں گے۔ رہا پاؤں سے پونچھنا تو وہ بھی حیرت خیز ہے۔ اپنے ہاتھوں پر ہاتھ بھی پونچھ سکتے تھے اور ہاتھوں ہی سے منہ پونچھنے کا کام بھی لے سکتے تھے۔ غرض دونوں صورتوں سے تعجب ہی تعجب کا سامنا ہے۔ اگر ممدوح نے جوتیوں اور قدموں کے سوا کسی چیز سے پونچھنے کا خیال کیا تو وہ اور بھی حیرت خیز ہے۔ عن ثابت قال اکل الجارود عند عمر بن الخطاب فلما فرغ قال یا جاریۃ ھلمی الدستار یعنی المندیل یمسح یدہ فقال عمر امسح یدک باستک او ذر۔ ثابت بیان کرتے تھے کہ جارود نے حضرت عمر کے ہاں کھانا کھایا۔ جب فارغ ہوا تو کہا اے لونڈی دستار یعنی رومال لا تاکہ ہاتھ پونچھوں۔ حضرت نے فرمایا اپنے پاخانہ کے مقام پر اپنا ہاتھ پونچھ لو یا چھوڑ دو۔ (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۲)

اپنے مال کی محبت

یہ روایت بھی بے ضرورت شائع کی گئی عن عمر انہ قسم یوما مالا فجعلوا یثنون علیہ فقال ما احمقکم لو کان ھذا لی ما اعطیتکم منہ درھما واحدا۔ حضرت عمر ہی سے روایت ہے کہ ایک روز آپ کوئی مال لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور مال پانے والے لوگ آپ کی تعریف کرتے جاتے تھے۔ تو آپ نے کہا تم لوگ کیسے احمق ہو اگر یہ مال میرا ہے جو مدح کرتے ہو۔ اگر یہ میرا مال ہوتا تو تم کو اس سے ایک درہم بھی نہیں دیتا۔ (کنز العمال صفحہ ۳۵ جلد ۶) اس سے آپ کی فضیلت کے عوض مذمت نکلتی ہے کہ آپ کو اپنے مال کی اتنی محبت تھی کہ خود فرماتے تھے اگر میرا ہوتا تو تم کچھ بھی نہیں پاتے۔ حالانکہ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کر اپنے مالوں سے بھی خیرات و صدقات و زکوٰۃ نکالا کریں اور اپنے اعزہ۔ ذوی القربیٰ۔ ہمسایہ فقراء اور مساکین کی حاجت روائی کیا کریں۔ پس اگر آپ کی یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ اپنا مال خرچ کرنے کے متعلق جس قدر احکام خدا و رسول تھے سب سے آپ چشم پوشی کئے رہے اور اس طرح متعدد قسم کے لوگوں کے حقوق کا انبار اپنے اوپر رکھتے تھے۔ جو غالباً صحیح ہو۔

بیوی کی خیانت یہ روایت بھی مہمل سی معلوم ہوتی ہے قدم علی عمر مسک و عنبر من البحرین فقال عمر والله لوددت انی وجدت امرأة حسنة الوزن تزن لی هذا الطیب حتی اقسمه بین المسلمین۔ فقالت له امرأته عاتکة بنت زید بن عمرو بن نفیل انا جیدة الوزن فهلم اذن لک۔ قال لا۔ قالت لم۔ قال انی اخشی ان تاخذیه فتجعلیه هکذا ادخل اصابعه فی صدغیه وتمسحین به عنقک فاصیبت فضلا علی المسلمین۔ حضرت عمر کے پاس ملک بحرین سے کچھ مشک و عنبر آیا تو آپ نے کہا خدا کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کوئی عورت ... عاتکہ دختر زید بن عمرو بن نفیل نے کہا میں بہت اچھا تولنا جانتی ہوں۔ لاؤ تمہارے بھی تول دوں۔ حضرت عمر نے کہا نہیں۔ پوچھا کیوں۔ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ تم اس سے لیکر اس طرح ڈال لوگی پھر آپ نے اپنی انگلیاں اپنی دونوں کنپٹیوں میں ڈال کر بتایا کہ اسی طرح ڈال لوگی اور اس سے اپنی گردن پر ملنے لگوگی پس دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حصہ تم کو مل جائیگا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۱) روایت بنانے والوں کی یہ غرض تھی کہ دکھائیں آپ کا عدل اتنا تھا کہ اپنی بیوی پر بھی اعتبار نہیں کیا اور ان کا بھید کھول دیا کہ تم اس ہوشیاری سے عنبر اور مشک اپنے بدن پر مل لوگی۔ مگر واضعین نے یہ نہیں خیال کیا کہ ایسی تدبیر تو ہر شخص کر سکتا تھا۔ پھر آپ نے دوسرے کو تولنے کے لئے سوچا ہی کیوں۔ دوسری بات یہ کہ اسکے تولنے کے لئے آپنے عورت ہی کو کیوں تجویز کیا۔ کیا مرد نہیں تول سکتے تھے۔ تیسرا امر یہ کہ جب حضرت عمر اپنے سامنے تولنے کو کہتے تو کسی شخص کو بھی اس سے چرانے کا موقع نہیں ملتا۔ اپنی بیوی ہی کو دے دیتے کہ تولیں۔ اور جب وہ اپنی انگلی بدن کھجلانے وغیرہ کے حیلے سے اپنے جسم پر کسی جگہ لے جاتیں تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے کہ یہ کیا کرتی ہو پہلے تول لو تب اپنا بدن چھونا یا کسی جگہ ہاتھ لے جانا۔

تجارت کے لئے قرض یہ روایت بھی دشوار ہی نظر آتی ہے عن ابراهیم ان عمر بن

الخطاب کان یتجر وھو خلیفۃ وجھز عیرا الی الشام فبعث الی عبدالرحمن بن عوف یستقرضہ اربعۃ آلاف درھم فقال للرسول قل لہ یاخذھا من بیت المال ثم لیردھا۔ فلما جاءہ الرسول فاخبرہ بما قال۔ فشق علیہ فلقیہ عمر فقال انت القائل لیاخذھا من بیت المال۔ فان مت قبل ان تجیٔ فلتم اخذھا امیر المومنین دعوھا لہ واواخذ بھا یوم القیامۃ۔ لا ولکن اردت ان آخذھا من رجل مریض شحیح مثلک فان مت اخذھا من میراثی۔ حضرت عمر جب خلیفہ تھے۔ تب بھی تجارت کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے تجارت کا ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کرنا چاہا۔ اس سبب سے عبدالرحمن بن عوف کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے چار ہزار درہم قرض دو۔ عبدالرحمن نے قاصد سے کہا کہ جاکر حضرت عمر سے کہدو آپ بیت المال سے یہ رقم لے لیں۔ پھر جب آپ کے پاس قافلہ واپس آجائیگا تو اسی میں واپس کر دیجئے گا۔ جب قاصد یہ جواب لایا تو حضرت عمر کو نہایت ناگوار ہوا۔ آپ خود عبدالرحمن سے ملے اور شکایت کی کہ تم نے میرے قرض مانگنے پر یہ جواب کہلایا تھا کہ بیت المال سے لے لیں۔ سنو اگر میں نے بیت المال سے قرض لیا اور قافلہ واپس آنے کے پہلے مرگیا تو تم لوگ کہنے لگو گے کہ خلیفہ ہی نے یہ رقم لی تھی۔ اب وہ مرگئے۔ جانے دو اور ان کو بخش دو۔ اس طرح بروز قیامت مجھ سے اس کا مواخذہ کیا جائیگا۔ پس میں بیت المال سے تو قرض لونگا نہیں۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تمھارے ایسے بیمار بخیل آدمی سے قرض لوں کہ اگر میں مرجاؤں تو وہ اپنا مال میرے ذمہ چھوڑے نہیں بلکہ میری میراث سے لیکر رہے (کنز العمال جلد ۲ صـ۳۵۵) یہ روایت اس خیال سے بنائی گئی کہ اس سے واضح ہوگا آپ بیت المال سے قرض تک نہیں لیتے تھے اور جب اپنی کسی ضرورت کیلئے مجبور ہوتے تھے تو دوسروں کی خوشامد کرتے تھے۔ مگر آپ کا بیت المال سے روپیہ لینا مشہور واقعہ ہے جس کو تمام مورخین و محدثین لکھتے آئے ہیں۔ اور وہ بھی تین چار ہزار نہیں بلکہ قریب ایک لاکھ کے۔ آپ کی وفات کے وقت کی حالت میں لکھا ہے قال لابنہ یا عبداللہ انظر ما علی من الدین فحسبوہ فوجدوہ ستۃ وثمانین الفا او نحوہا آپ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ لوگوں نے حساب کیا تو ۸۶ ہزار اور اسکے مثل نکلا (تاریخ الخلفاء صـ۹۰) پس ماننا پڑیگا کہ سابق روایت ضرور موضوع ہے۔

لوگوں کو خوف زدہ رکھنا

یہ روایت بھی ذکر کیجاتی ہے عن الاصمعی قال کلم الناس عبد الرحمان بن عوف ان یکلم عمر بن الخطاب فی ان یلین لھم فانہ اخافھم حتی خاف الابکار فی خدورھن فکلمہ عبد الرحمان فقال عمر انی لا اجد لھم الا ذالک۔ واللہ لو انھم یعلمون ما لھم عندی من الرافۃ والرحمۃ والشفقۃ لاخذوا ثوبی عن عاتقی۔ اصمعی کی روایت ہے کہ لوگوں نے عبد الرحمان بن عوف سے کہا تم حضرت عمر سے گفتگو کرو کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی برتا کریں کیونکہ انھوں نے لوگوں کو اس درجہ ڈرا رکھا ہے کہ لڑکیاں بھی پردوں کے اندر بیٹھی ہوئی ان سے ڈرتی رہتی ہیں۔ عبد الرحمان نے ممدوح سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمر نے کہا میں تو ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرونگا۔ خدا کی قسم اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میرے دل میں ان کی کتنی محبت اور ان پہ کتنی شفقت و مہربانی ہے تو لوگ میرے کاندھے پر سے میرا کپڑا تک اوتار لے جائیں۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۵۲) آپ حضرت رسول خدا صلعم کی جگہ بیٹھے تھے اور انہیں لوگوں کے دینی و دنیوی امور انجام دیتے تھے جن کے سردار حضرت رسول خدا صلعم تھے مگر آنحضرت اپنی امت پر نہایت نرم۔ ظاہر نظاہر شفیق اور خوش مزاج رہتے تھے جسکو خود خدائے رحیم بھی اس طرح بیان فرماتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے رسول یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا۔ اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ خدا جانے کب کے تمہارے گرد سے متفرق ہو گئے ہوتے (پارہ ۴ ع ۷)۔ اور باوجودیکہ حضرت صلعم مسلمانوں پر سب سے زیادہ شفیق و رؤف تھے مگر کسی نے حضرت کے کاندھے سے کوئی کپڑا نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ بڑے نرم دل اور نرم مزاج تھے لوگ ان سے بڑی بے تکلفی سے ملتے لیکن کسی نے آپ کے کاندھے پر کے کپڑے نہیں اتارے۔ پھر حضرت عمر ایسی بات کیونکر کہہ سکتے تھے؟

حکم رسول میں اصلاح

یہ روایت بھی بڑی اہمیت سے ذکر کی جاتی ہے فقال یا اباھریرۃ واعطانی نعلیہ فقال اذھب بنعلی ھاتین فمن

لقیت من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃ۔ فکان اوّل من لقیت عمر۔ فقال ما ھاتان النعلان یا ابا ھریرۃ۔ فقلت ھاتان نعلا رسول اللہؐ بعثنی بھما من لقیت یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ بشرتہ بالجنۃ فضرب عمر بین ثدیی فخررت لاستی فقال ارجع یا ابا ھریرۃ۔ فرجعت الی رسول اللہؐ فاجھشت بالبکاء ورکبنی عمر واذا ھو علی اثری فقال رسول اللہؐ مالک یا ابا ھریرۃ۔ قلت لقیت عمر فاخبرتہ بالذی بعثتنی بہ فضرب بین ثدیی ضربۃ خررت لاستی فقال ارجع۔ فقال رسول اللہؐ یا عمر ما حملک علی ما فعلت۔ قال یا رسول اللہ بابی انت وامی ابعثت ابا ھریرۃ بنعلیک من لقی یشھد ان لا الہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ بشرہ بالجنۃ قال نعم۔ قال فلا تفعل فانی اخشیٰ ان یتکل الناس علیھا فخلھم یعملون فقال رسول اللہؐ فخلھم رواہ مسلم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی دونوں جوتیاں ابوہریرہ کو دیکر ارشاد فرمایا کہ میری ان دونوں جوتیوں کو لیکر جاؤ اور اس باغ کے پیچھے جس شخص کو بھی دیکھو کہ لا الہ الا اللہ کی زبانی گواہی دیتا ہے اور اس کا دل بھی اس بات کا یقین رکھتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دے دو۔ میں وہ جوتیاں لئے ہوئے وہاں سے نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا۔ انھوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں حضرت رسول خدا صلعم کی جوتیاں ہیں۔ حضرت نے مجھے ان دونوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا ہے کہ جس شخص سے ملوں اور دیکھوں کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے اسکو بہشت کی خوشخبری دیدوں بشرطیکہ اس کے دل کو بھی اس بات کا یقین ہو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر نے میری چھاتی پر زور سے مارا اس طرح کہ میں زمین پر آ رہا اور کہا اے ابوہریرہ چلاجا۔ پس میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس واپس آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ حضرت عمر بھی میرے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور حضرت کی خدمت میں پہونچ گئے۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی مجھ سے حضرت عمر ملے تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجھے اس

غرض سے بھیجا ہے۔ اس پر انھوں نے میری چھاتی پر اس زور سے مارا کہ میں بالکل نیچے گر پڑا اور کہا پلٹ جاؤ۔ یہ سنکر آنحضرت نے فرمایا اے عمر تم نے کیوں ایسا کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا اے رسول خدا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنی جوتیوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجا تھا کہ جو شخص ایک خدا کی گواہی دے اور اس کا دل بھی اس گواہی پر یقین رکھے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت عمر نے آنحضرت سے کہا ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس بات پر بھروسا کر لیں گے (یعنی مطمئن ہو جائیں گے کہ جب صرف ایک خدا کے مان لینے سے بہشت مل جائے تو اچھا کام کیوں کریں اور برے کاموں سے کیوں بچیں) لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ ایک خدا کو ماننے کے بعد عمل بھی کریں۔ پس حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اچھا ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں درج کیا ہے (مشکوۃ جلد ا ص۱۵) جو رسولؐ خدا کا یہ پیغام لیکر آئے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ دنیا کا ہر کام میرے احکام کے مطابق ہی کریں۔ (پارہ ۲۷ ع ۲) اور جو رسولؐ خدا کی یہ تاکید سب کو سنائے کہ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات یقیناً سب انسان نقصان میں رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجا لاتے رہیں (پ۳۰ سورہ عصر) اور جو رسولؐ خدا کا یہ حکم بتائے من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ جو شخص ذرہ برابر اچھا کام کریگا وہ اس کا اچھا بدلہ ضرور پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر برا کام کریگا وہ اسکی سزا ضرور جھیلے گا۔ (پ۳۰ سورہ زلزال) اور جس رسولؐ نے خود خدا کی عبادت اس درجہ کی ہو کہ خدا کو کہنا پڑا طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ اے طٰہٰ ہم نے تم پر قرآن مجید اس غرض سے نہیں نازل کیا کہ تم خود ہی احکام خدا وعبادات کی وجہ سے اپنے کو مشقت میں ڈالتے رہو (پ۱۶ ع ۱۰) اس رسول کی شان یہ دکھائی جائے کہ وہ لوگوں میں منادی کراتا تھا کہ صرف خدا کو ایک کہہ دو اور جو چاہو کرتے رہو بہشت میں ضرور جاؤ گے[۱] اور اس کو حضرت عمر ہدایت کریں

---

[۱] یہاں تک دعوی کیا گیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا من مات لا یشرک باللہ شیئاً

کرایا حضرت اس اعلان سے لوگ عمل کرنا اور برائیوں سے بچنا ترک کر دینگے۔ آپ یہ اعلان نہ کرائیں تاکہ لوگ عمل بھی کریں۔ کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے؟۔ ماننا پڑتا ہے کہ یہ روایت بھی یقیناً بنائی گئی ہے اور صرف حضرت عمر کو عقل۔ معرفت اور ایمان۔ میں حضرت رسولخدا صلعم سے افضل دکھانے کیلئے ہی وضع کی گئی ہے۔

رسولخدا صلعم کے دو وزیر یہ حدیث بھی بیان کیجاتی ہے قال رسول اللہؐ ما من نبی الا وله وزیران من اهل السماء ووزیران من اهل الارض فاما وزیرای من اهل السماء فجبرئیل ومیکائیل واما وزیرات من اهل الارض فابوبکر وعمر رواہ الترمذی۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں جس قدر نبی گزرے سب کے تھے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں سے ہوتے ہیں۔ اور میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبرئیل و میکائیل اور زمین والوں سے ابوبکر و عمر ہیں (مشکوٰۃ جلد ۸ صـ۱۲۱ گر حدیث۔ تاریخ۔ تفسیر کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نبی کے دو وزیر ہوئے ہوں۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ سب کے ایک ہی

(بقیہ حاشیہ صـ۱۱۸) دخل الجنة وان سرق وان زنی وان شرب الخمر۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ مشرک نہ ہو یعنی ایک خدا کی گواہی دیتا ہو وہ بہشت میں جائیگا اگرچہ وہ چوری زنا کرتا یا شراب پیتا رہا ہو (صحیح بخاری پ۲۴ ۵) لطف یہ کہ صحابہ کے ٹوکنے پر بھی حضرت ایسا ہی فرماتے رہے چنانچہ عن ابی الدرداء انه سمع النبیؐ یقص علی المنبر وهو یقول ولمن خاف مقام ربه جنتان قلت وان زنی وان سرق یا رسول اللہؐ۔ فقال الثانية ولمن خاف مقام ربه جنتان فقلت الثانية وان زنی وان سرق یا رسول اللہ فقال الثالثة ولمن خاف مقام ربه جنتان فقلت الثالثة وان زنی وان سرق یا رسول اللہ قال وان رغم انف ابی الدرداء۔ ابو درداء کہتے تھے کہ رسولخدا صلعم منبر پر نصیحت فرماتے تھے اس میں فرمایا جو شخص ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے اسکے لئے دو بہشتیں ہیں۔ میں نے تین بار پوچھا کہ یا حضرت اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ حضرت نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ ایسا کرے اور ابو درداء کو گوارا نہ ہو (مشکوٰۃ جلد ۲ صـ۱۴۱)

ایک وزیر کا پتا چلتا ہے۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے اپنا وزیر بھی ابتدا اسلام میں ایک ہی شخص کو مقرر کیا تھا۔ چنانچہ آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ نے لوگوں کا مجمع کر کے پوچھا کہ کون شخص اس کام میں میری مدد کرتا ہے تاکہ وہی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہو تو حضرت علیؑ کے سوائے سب خاموش رہے۔ تین بار آنحضرت صلعم نے پوچھا اور ہر دفعہ صرف حضرت علی ہی آمادہ ہوئے۔ تب آنحضرتؐ نے پورے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان ھذا اخی و وزیری و خلیفتی فیکم فاسمعوہ واطیعوہ۔ دیکھو یہ میرا بھائی اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں۔ پس تم لوگ اس کی ہر بات سنا اور اس کی اطاعۃ کیا کرو۔ (تاریخ طبری و کامل و کنز العمال وغیرہ) پس جب حضرت رسولخدا صلعم پہلے یہ بات ارشاد فرما چکے تھے تو اب دوسری روایت اس کے مقابلہ ہی کے لئے ہے اور یقیناً موضوع ہے۔

کہول اہل جنت کی سرداری

یہ روایت بھی بیان کیجاتی ہے عن انس قال قال رسول اللہؐ ابوبکر و عمر سید اکہول اہل الجنۃ من الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ خواہ وہ ادھیڑ لوگ پہلے والوں سے ہوں یا پچھلے والوں سے سوائے مرسلین و انبیاء کے۔ (مشکوٰۃ جلد ۸ صـ۱۱۲) حالانکہ آنحضرت صلعم نے متعدد حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ بہشت میں سب جوان ہوں گے یعنی جو بوڑھے ہو کر مرے ہیں وہ بھی وہاں جوان ہی رہیں گے۔ پس جب بہشت میں ادھیڑ اور بوڑھے نہیں ہوں گے تو حضرت ابوبکر و عمر سردار کن لوگوں کے مقرر کئے جائینگے؟ اس سبب سے ماننا پڑتا ہے کہ یہ حدیث بھی موضوع ہے اور آنحضرتؐ کی مشہور حدیث الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ۔ حسن اور حسین جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں (مشکوٰۃ جلد ۸ صـ۱۳۵) کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔ غرض آپ کے فضائل میں جو حدیثیں ملتی ہیں ان میں اکثر ایسی ہیں جو یا حضرت رسول خدا صلعم پر آپ کی ترجیح کے متعلق ہیں یا حضرات اہلبیت سے آپ کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔

آپ کے وہ فضائل جنکے موضوع ہونے کا اقرار علماء اہلسنت کو بھی ہے

اور حضرت عمر کے فضائل کی وہ روایتیں ذکر کی گئیں جو ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور صرف عقل یا قرآن مجید یا اصول مسلمہ کے ذریعہ سے ان کا موضوع ہونا مستنبط ہوتا ہے۔ مگر علماء اہلسنت نے بہت سی کتابیں اس موضوع پر بھی لکھی ہیں کہ کون کون حدیثیں موضوع ہیں۔ ان میں ان حضرات نے ایسی روایتوں کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کتابوں میں لئالی مصنوعہ موضوعات ابن الجوزی ذوالضعفاء لابن حبان وغیرہ بھی ہیں۔ ان میں حسب ذیل روایتیں حضرت عمر کے متعلق بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ جلیل القدر علماء بھی ان روایتوں کو موضوع اور جعلی سمجھتے اور اپنی کتابوں میں لکھ کر مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان کو صحیح نہ سمجھنا اور ان کے مطابق اپنے عقائد کے آثار قائم کرنا۔ کہ یہ آنحضرتؐ کی فرمودہ نہیں ہیں۔

اول کتاب پانے والے

علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن زید بن ثابت مرفوعا اول من یعطی کتابہ بیمینہ عن ھذہ الامۃ عمر بن الخطاب ولہ شعاع کشعاع الشمس قیل فاین ابوبکر قال تزفہ الملئکۃ الی الجنان المتھم بہ عمر۔ زید بن ثابت سے یہ مرفوع روایت ہے کہ انھوں نے کہا روز قیامت اس امت میں سب سے پہلے جس شخص کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائیگا وہ عمر بن الخطاب ہوں گے۔ اور اُن کا چہرہ آفتاب کی شعاع کی طرح چمکتا ہوگا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا اُس وقت ابوبکر کہاں ہونگے؟ کیا ان کو سب سے پہلے نہیں ملیگا؟ تو جواب دیا کہ ان کو فرشتے سنوار کر بہشت میں لے جا چکے ہونگے۔ اس حدیث کے راویوں میں عمر بن ابراہیم ہے جو اس بات میں بدنام ہے کہ غلط روایتیں دل سے بنا بنا کر پیش کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۸۲ مطبوعہ لکھنؤ)

میں نبی نہ ہوتا تو عمر ہوتے

علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن بلال بن رباح مرفوعا لو لم ابعث فیکم لبعث عمر۔ بلال بن رباح سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر نبی بنا کر بھیجے گئے ہوتے۔ عن عقبۃ بن عامر مرفوعا لو لم ابعث فیکم لبعث عمر لا یصح زکریا کذاب یضع وابن واقد متروک ومشرح لا یحتج بہ۔ عقبہ بن عامر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میں تم لوگوں میں نبی بنا کر نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر تم میں نبی بنا کر بھیجے گئے ہوتے۔ اس روایت کا ایک راوی زکریا اول درجہ کا جھوٹا ہے۔ وہ جھوٹی روایتیں اپنے دل سے گڑھ گڑھ کر لوگوں سے بیان کرتا تھا۔ دوسرا راوی ابن واقد متروک ہے۔ (کہ لوگ اس سے روایتیں نہیں لیتے تھے) اور مشرح کی روایت سے بھی کوئی استدلال نہیں کرتا (لئالی مصنوعہ ص۱۸۲)

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ حضرت ممدوح کے فضائل میں اس طرح آنکھیں بند کرکے روایتیں بنائی گئیں اور وہ تمام کتب حدیث و سیرۃ میں بھر دی گئیں یہ حدیث بھی اتنی مشہور کی گئی کہ بڑی بڑی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ اور عامۃ المسلمین اس کو صحیح سمجھ کر حضرت عمر کا درجہ حضرت رسولخداؐ کے برابر قرار دینے لگے۔ کہ حضرت عمر و حضرت رسولخداؐ دونوں خدا کے ہاں ایک حیثیت کے تھے۔ اور دونوں نبی ہونیکی پوری قابلیت سے آراستہ تھے۔ اتفاقاً حضرت رسولخدا نبی ہوگئے اور حضرت عمر رہ گئے۔ ورنہ آپ بھی ہوتے اس کے ساتھ دوسرے راویوں نے یہ جملہ بھی ملا دیا ایّد اللّٰہ عمر بملکین یوقفانہ ویسددانہ فاذا اخطاء صرفاہ حتے یکون صوابا۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو ضرور عمر نبی بنا دیئے جاتے۔ خدا نے اب بھی عمر کی تائید میں دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو برابر ان کے ساتھ رہتے ہیں کہ ان کو اچھے کام پر آمادہ رکھتے اور ان کے امور درست کرتے رہتے ہیں۔ اور جب کبھی حضرت عمر سے غلطی ہونے لگتی ہے تو دونوں فرشتے ان کو اُدھر سے موڑ دیتے ہیں۔ اسکی وجہ سے ان کا ہر کام درست اور حق ہی ہوتا ہے۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۵۲) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں واما زیادت دیگر کہ لو کان نبیا بعدی لکانت یعنی اگر می بود پیغمبرے بعد از من تو می بودے ایں زیادت را گفتہ اند کہ موضوع است چنانکہ حدیث لو لم ابعث فیکم لبعث عمر نیز ہمیں حکم دارد۔ یعنی دوسری زیادتی جو اس روایت میں کی گئی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو تم ہی ہوتے اس زیادتی کے بارے میں علماء نے بیان کیا ہے کہ موضوع ہے جیسا کہ یہ حدیث اگر میں تم لوگوں میں نبی کر نہ بھیجا گیا ہوتا تو ضرور عمر پیغمبر بنا دیئے گئے ہوتے یہ بھی اسی طرح موضوع ہے (شرح سفر السعادۃ ص۱۴۵)

آپ کے فضائل کی حد

علامہ سیوطی اسکے بعد لکھتے ہیں عن عمار بن یاسر مرفوعاً اتانی جبریل آنفا فقلت یا جبریل حدثنی بفضائل عمر فی السماء فقال یا محمد لو حدثتک بفضائل عمر فی السماء مالبث نوح فی قومہ الف سنۃ الا خمسین عاما ما نفدت فضائل عمر وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر۔ قال احمد بن حنبل موضوع والآفۃ عن اسماعیل۔ وقال الازدی ھو ضعیف وقال ابن حبان یروی المناکیر التی لا یشک انھا موضوعۃ۔ عمار بن یاسر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے تو میں نے ان سے کہا اے جبریل مجھ سے عمر کے وہ فضائل جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں بیان کرو۔ تو جبریل نے جواب دیا اے محمد اگر میں عمر کے وہ فضائل جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں اتنی مدت تک بھی جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے

تھے یعنی ۹۵۰ سال تک بیان کرتا رہوں جب بھی فضائل عمر ختم نہیں ہو سکتے۔ اور عمر تو ابو بکر کی خوبیوں سے ایک ہی خوبی ہیں۔ امام احمد بن حنبل بیان کرتے تھے کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ اس کے راوی اسمٰعیل کو میں جانتا بھی نہیں۔ اور ازدی نے بیان کیا کہ وہ ضعیف ہے۔ اور ابن حبان نے بیان کیا کہ یہ شخص ہمیشہ ایسی ہی مہمل روایتیں گڑھتا رہتا ہے جن کے غلط اور موضوع ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۵۳)۔ اس روایت میں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کے صرف وہ فضائل جو ان کو آسمان میں حاصل ہیں اس قدر بیان کئے گئے۔ زمین میں جس قدر فضائل ہونگے ان کا ابھی ذکر نہیں ہے۔ راوی کا مطلب غالباً یہ ہوگا کہ اگر آپ کے وہ فضائل جو زمین میں ہیں بیان کئے جائیں تو شاید قیامت تک بھی ختم نہ ہوں۔ عن ابي بن كعب مرفوعا كان جبرئيل يذاكرني امر عمر۔ فقلت يا جبرئيل اذكر لي بفضائل عمر وماله عند الله۔ فقال لو جلست معك مثل ما جلس نوح في قومه ما بلغت فضائل عمر وليبكين الاسلام بعد موتك يا محمد على عمر۔ لا يصح۔ عبد الله الاسلمي ليس بشئ۔ قال ابن حبان يقلب الاسانيد والمتون۔ ابی بن کعب سے یہ مرفوع روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا جبرئیل مجھ سے عمر کے معاملہ میں مذاکرہ کرتے تھے تو میں نے ان سے کہا اے جبرئیل مجھ سے عمر کے فضائل اور وہ درجہ جو انہیں خدا کے ہاں حاصل ہے بیان کرو۔ جبرئیل نے کہا اگر میں آپ کے ساتھ اتنی مدت تک بیٹھا رہوں جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے تھے جب بھی حضرت عمر کے کل فضائل نہیں بیان کر سکتا۔ اور اے محمد آپ کی وفات کے بعد عمر پر اسلام روئیگا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کا ایک راوی عبد اللہ الاسلمی کوئی چیز نہیں تھا۔ ابن حبان کہتے تھے کہ وہ حدیث کی اسنادوں اور متنوں کو بھی الٹ پلٹ دیا کرتا تھا (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۵۳)۔ عن ابي بن كعب مرفوعا كان جبرئيل يذاكرني فضل عمر فقلت له يا جبرئيل ما بلغ من فضل عمر۔ قال يا محمد لو لبثت ما لبث نوح في قومه ما بلغت لك فضل عمر۔ قال في الميزان حسان بن غالب عن مالك متروك ذكره ابن حبان فقال شيخ من اهل مصر يقلب الاخبار ويروي عن الاثبات الملزقات وقال الحاكم له عن مالك احاديث موضوعة۔ یعنی ابی بن کعب سے یہ مرفوع روایت بیان کی گئی ہے (جس کا ترجمہ اوپر مذکور ہوا)۔ علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ حسان بن غالب مالک سے متروک ہے اس کا ذکر ابن حبان نے کیا ہے۔ تو کہا مصر والوں کا استاد ہے۔ یہ شخص روایتوں میں پھیر

کیا کرتا تھا اور معتبر لوگوں سے لپٹی ہوئی روایت گڑھتا تھا۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ امام مالک سے گڑھی ہوئی (موضوع) حدیثیں بیان کرتا تھا۔ عن ابی سعید قال قال النبیؐ لجبریل ایہا الروح الامین حدثنی بفضائل عمر عندکم فی السماء۔ قال یا محمد لو مکثت معک ما مکث نوح فی قومہ الف سنۃ الا خمسین عاما ما حدثتک بفضیلۃ واحدۃ من فضائل عمر وان عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر وبالجملۃ اصلحہا اسناد احدیث عمار ومع ذلک قال الذہبی فی المیزان انہ خبر باطل۔ یعنی ابو سعید بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخداؐ صلعم نے جبریل سے کہا اے روح امین مجھ سے عمر کے وہ فضائل بیان کرو جو انہیں آسمان میں حاصل ہیں۔ انھوں نے کہا اے محمد اگر میں آپ کے پاس اتنی دیر تک ٹھہروں جب تک حضرت نوح اپنی قوم میں رہے تھے یعنی ۹۵۰ سال تب بھی میں عمر کے فضائل سے ایک فضیلت تک نہیں بیان کر سکتا۔ اور یقیناً عمر ایک ہی خوبی ہیں ابوبکر کی بکثرت خوبیوں سے۔ مختصر یہ کہ اسناد کے اعتبار سے عمار ہی کی روایت زیادہ مناسب ہے باوجود اسکے علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ روایت باطل اور بالکل غلط ہے (لئالی مصنوعہ ص۱۵۳) روایت گڑھنے والے معلوم نہیں کس عقل و فہم اور کیسے دماغ کے تھے۔ اگر یہ بیان کرتے کہ ۹۵۰ سال تک حضرت عمر کے فضائل بیان نہیں ہوسکتے تو اس میں پھر بھی گنجائش تھی کہ شاید آپ کے فضائل کئی کروڑ۔ یا کئی ارب ہوں اس وجہ سے اتنی مدت بھی کافی نہیں ہوگی۔ لیکن روایت تراشنے والے نے بیان کیا کہ ۹۵۰ سال میں جناب جبریل حضرت عمر کی ایک فضیلت بھی بیان نہیں کر سکتے تھے۔ یعنی حضرت عمر کی جتنی فضیلتیں ہیں سب اتنی لمبی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ۹۵۰ سال تک میں بیان نہیں ہوسکتی ہے۔ سبحان اللہ۔ ایجاد ہو تو ایسی ہو۔ اور بات بنائی جائے تو اس شان کی جو دنیا بھر کی عقل میں آجائے۔ اور جس کے بارے میں ہر شخص آسانی سے بول اٹھے کہ آمنا وصدقنا۔ اور سنو! عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت کانت لیلتی من رسول اللہ فلما ضمنی واتاہ الفراش نظرت الی السماء فرأیت النجوم مشتبکۃ فقلت یا رسول اللہ فی ہذہ الدنیا رجل لہ حسنات بعدد نجوم السماء۔ قال نعم عمر وانہ لحسنۃ من حسنات ابیک۔ قال الخطیب موضوع نبرتہ حدث عن اسماعیل الصفار احادیث باطلۃ موضوعۃ۔ یعنی ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا ایک رات حضرت رسول خدا صلعم کے ہاں میری باری تھی۔ پس جب حضرت نے مجھ کو اپنے سے چمٹا لیا اور آرام فرمایا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی

دیکھا کہ ستارے گھن گئے اور خوب نمایاں ہو گئے ہیں۔ اُس وقت میں نے کہا اے رسول خدا اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسکے فضائل آسمان کے ستاروں کی طرح (بے حد و حساب) ہوں؟۔ حضرت نے فرمایا ہاں وہ عمر ہیں اور تمہارے باپ کی خوبیوں سے ایک ہی خوبی ہیں۔ علامہ خطیب نے بیان کیا کہ یہ روایت گڑھی ہوئی (موضوع) ہے۔ بریہ (اس حدیث کا ایک راوی) ایسا شخص تھا جو اسمٰعیل صفار سے غلط اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ ۱۸۱)

یاقوت و زمرد کے گھوڑے علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن انس مرفوعا لما اسری بی رأیت فی السماء خیلا موقوفة مسرجة ملجمة لا تروث ولا تبول ولا تعرق۔ رؤسها من الیاقوت الاحمر وحوافرها من الزمرد وابدانها من العقیان الاصفر ذوات اجنحة۔ فقلت لمن هذا فقال جبرئیل هذا لمحبی ابی بکر و عمر یزورون الله تعالیٰ علیها یوم القیامة موضوع یعنی جناب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جب مجھے معراج ہوئی تو اس رات کو میں نے آسمان میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے جن پر زین کسا ہوا اور جن کے منہ میں لگام لگی ہوئی تھی وہ سب نہ ہگتے تھے نہ پیشاب کرتے تھے نہ ان کے بدن سے پسینہ نکلتا تھا۔ ان سب کے سر سرخ یاقوت کے اور ان سب کے سم زمرد کے۔ اور ان سب کے باقی بدن خالص زرد سونے کے تھے اور اُن سب گھوڑوں کے بازو بھی تھے۔ میں نے پوچھا یہ گھوڑے کس کے لئے ہیں؟ تو جبرئیل نے کہا یہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دوست رکھیں گے کہ وہ لوگ انہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دیدار کو جائیں گے۔ (لئالی مصنوعہ ۱۸۱)۔ اس میں حضرت ابوبکر و عمر کے فضائل بھی ملحوظ رہے۔ ان کے دوستوں کا درجہ بھی دکھایا اور اس کو بھی ثابت کیا کہ خدا کی زیارت کیجائیگی اور محبان حضرت ابوبکر و عمر اس روز خدا کو دیکھیں گے۔ پھر علامہ مدوح لکھتے ہیں دوی عن عبقان حدیثا کذبا۔ یعنی محمد بن عبید اللہ نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے۔

بہشت و دوزخ کا مناظرہ اور سنو۔ عن ابی ہریرة مرفوعا تفاخرت الجنة والنار فقالت النار للجنة انا اعظم منك قدرا۔ قالت ولم قالت لان فی الفراعنة والجبابرة۔ والملوك وابناءها فاوحی الله تعالیٰ الی الجنة ان قولی بل لی الفضل اذ زینی الله لابی بکر و عمر۔ موضوع۔ ابان متروك و مهدی کذاب وضاع۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ایک دفعہ بہشت اور دوزخ

حضرت عمر

نے ایک دوسرے سے فخر و مباہات کی بحث شروع کی تو دوزخ نے کہا میرا درجہ تجھ سے بڑھا ہوا ہے بہشت نے پوچھا وہ کیوں؟ دوزخ نے کہا اس لئے کہ مجھ میں بڑے بڑے فرعون۔ جبار۔ بادشاہ اور شاہزادے ہیں۔ اس وقت خدا نے بہشت کی طرف وحی نازل کی کہ تو اس کے جواب میں کہہ دے فضیلت میں میرا درجہ زیادہ ہے کیونکہ خدا نے مجھے ابوبکر و عمر کے نئے زینت دی ہے۔ یہ روایت بھی موضوع ہے اس کا ایک راوی آبان متروک اور ایک اور راوی مہدی کذاب (بڑا جھوٹا) وضاع (اول درجہ کا جھوٹی حدیثیں دل سے گڑھنے والا) ہے۔ (لآلی مصنوعہ صـ ۱۸۴)

حضرت علیؑ کو دوستی کا حکم

علامہ موصوف پھر لکھتے ہیں عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ قال رأیت النبیؐ متکیا علی علیؓ واذا ابوبکر و عمر اقبلا فقال یا ابا الحسن احبہما فبحبہما تدخل الجنۃ موضوع عملہ الاشنانی ثم رکب لہ اسنادا آخر فقال حدثنا سری بن مغلس السقطی سنۃ ۲۷۱ حدثنا اسماعیل بن علیۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر بہ۔ قال الخطیب لو لم یذکر التاریخ کان اخفی لبلیتہ واستر لان سریا مات سنۃ ۲۵۳ و لہ طریق آخر مجہول۔ یعنی عبداللہ بن ابی اوفیٰ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت رسولخداؐ حضرت علی پر تکیہ کئے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر و عمر بھی وہاں پہونچ گئے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوالحسن! تم ان دونوں کو دوست رکھو کیونکہ ان کی دوستی ہی کی وجہ سے تم بھی بہشت میں جاؤگے۔ یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ اس کو اشنانی نے ایجاد کیا ہے۔ اور پھر اسکے لئے دوسری اسناد بنائی کہ کہا مجھ سے حدیث بیان کی سری بن مغلس سقطی نے سنہ ۲۷۱ میں کہ حدیث بیان کی مجھ سے اسماعیل بن علیہ نے ایوب سے انھوں نے نافع سے انھوں نے ابن عمر سے اسی مضمون کی۔ علامہ خطیب کہتے تھے اگر وہ اس روایت کی تاریخ (کہ سری نے سنہ ۲۷۱ میں یہ حدیث بیان کی) نہ بیان کرتا تو اس کی جعل سازی چھپی اور اسکی مکاری پوشیدہ رہ جاتی کیونکہ سری تو سنہ ۲۵۳ میں مرا ہے (وہ سنہ ۲۷۱ میں موجود کب تھا جو اس روایت کو اس سے بیان کرتا) اور اس روایت کا ایک اور طریق ہے وہ بھی مجہول ہے (لآلی مصنوعہ صـ ۱۸۴)۔ عن ابی ہریرۃ قال لما خرج النبیؐ متکیا علی علیؓ ابن ابی طالب فاستقبلہ ابوبکر و عمر فقال یا علی اتحب ھذین الشیخین قال نعم یا رسول اللہ قال احبہما تدخل الجنۃ۔ تفرد بہ الحسن وھو مجہول۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم حضرت

علی بن ابی طالب پر تکیہ کئے ہوئے نکلے تو حضرت ابوبکر و عمر نے حضرت کا استقبال کیا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے پوچھا اے علی تم ان دونوں شخصوں کو دوست رکھتے ہو؟ آپ نے کہا ہاں اے رسولخداؐ حضرت نے فرمایا ان کو ضرور دوست رکھو اسی سے تم بھی بہشت میں جاؤ گے۔ اس روایت کے بیان کرنے میں حسن بن کی متفرد ہے اور وہ مجہول ہے وقال الذهبی فی المیزان الحسن بن عکی قال حدثنا ابن عیینة فذکر حدیثا باطلا بسند الصحیح وهو هذا۔ علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ حسن بن کی نے بیان کیا کہ مجھ سے ابن عیینہ نے بیان کیا۔ پھر سند صحیح سے ایک غلط حدیث بیان کی اور وہ یہی ہے۔ (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۸۱)

حضرت ابوبکر و عمر کے دشمنوں کا انجام

علامہ موصوف پھر لکھتے ہیں عن انس مرفوعا ان الله تعالی فی کل لیلة جمعة مائة الف عتیق من النار الا رجلین فانهما یخالفان امتی ولیسا منهم۔ وان الله لا یعتقهما فی من عتق منهم مع اهل الکبائر فی طبقتهم مصفدین مع عبدة الاوثان مبغضی ابی بکر و عمر ولیس هم داخلین فی الاسلام وانما هم یهود هذه الامة ثم قال الا لعنة الله علی مبغضی ابی بکر و عمر و عثمان و علی قال الخطیب موضوع کذب ورجاله ثقات ائمة الا مسرة والحمل علیه علی انه ذکر سماعه من ابی زرعة بعد موته باربع سنین قلت قال فی المیزان هذا من موضوعات مسرة۔ حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ خدا کے لئے ہر شب جمعہ میں ایک لاکھ آدمی جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں سوائے دو شخصوں کے کیونکہ یہ دونوں میری امت میں داخل ہو جائینگے حالانکہ میری امت سے نہیں ہونگے۔ اور جن لوگوں کو خدا ان میں سے آزاد کریگا ان میں سے وہ نہیں ہوں گے بلکہ وہ ان کے ساتھ ہونگے جو گناہان کبیرہ والے ہوں گے اور جو بت پرستوں کے ساتھ جہنم کے اسی طبقہ میں جکڑ بند رہیں گے وہ ابوبکر و عمر کے دشمن رکھنے والے ہونگے۔ اور وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں بلکہ اس امت کے یہودی ہیں۔ پھر فرمایا کہ سن رکھو ابوبکر و عمر و عثمان و علی کے دشمنوں پر خدا کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔ علامہ خطیب کا بیان ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع جھوٹی ہے اور اس کے راوی معتمد بلکہ پیشوایان دین ہیں سوائے مسرة کے۔ علاوہ بریں اس نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اس حدیث کو ابو زرعہ سے انکے مرنے کے چار سال بعد سنا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسرة کی موضوعات (دل سے بنائی ہوئی) روایتوں

سے ہے (لئالی مصنوعہ صفحہ ۱۵۸) کیا تماشہ ہے کہ کوئی شخص ۲۶۴ھ میں مر جائے اور دوسرا شخص اس مرنے والے کا نام لیکر کہے کہ اس نے مجھ سے یہ حدیث ۲۹۰ھ میں بیان کی تھی۔ اور وہ حدیث صحیح مان لی جائے۔ علماء و محدثین اس کی روایت کریں اور اس سے حضرت کی فضیلت ثابت کیجائے۔

حضرت ابوبکر و عمر کا وزیر رسولِ خدا ہونا!

پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں عن انس قال اٰخی النبی بین کتفی ابی بکر و عمر فقال لهما انتما وزیرای فی الدنیا والاخرۃ۔ ما مثلی و مثلکما فی الجنۃ الا کمثل طائر یطیر فی الجنۃ فانا جؤجؤ الطائر وانتما جناحاہ وانا وانتما نسرح فی الجنۃ وانا وانتما نزور رب العالمین وانا وانتما نقعد فی مجالس الجنۃ۔ فقالا وفی الجنۃ مجالس۔ قال نعم فیها مجالس و لهو۔ فقال ای شئی لهو الجنۃ۔ قال اجام من قصب من کبریت احمر رحلها الدر الرطب فیخرج ریح من تحت ساق العرش یقال لها الطیبۃ فتثور تلک الاجام فیخرج صوت ینسی اهل الجنۃ ایام الدنیا و ماکان فیها۔ موضوع آفتہ زکریا۔ قال ابن حبان کان یضع الحدیث علی حمید الطویل وزعم انہ ابن مائۃ سنۃ وخمس وثلاثین سنۃ حدثنا احمد بن موسی عن عن حمید بنسخۃ کتبناها کلها موضوعۃ لا یحل ذکرها۔ حضرت انس صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کے شانوں کے درمیان بھائی چارہ مقرر کرکے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم دونوں میرے وزیر ہو۔ میری اور تم دونوں کی مثال بہشت میں اس طائر (چڑیا) ایسی ہوگی جو بہشت میں اڑتی پھرے گی۔ میں اس چڑیا کا سینہ ہونگا اور تم دونوں اس کے دونوں بازو (پر) ہوگے اور میں اور تم جنت میں خوب چرتے رہیں گے اور میں اور تم دونوں خدائے رب العالمین کی زیارت بھی کریں گے۔ اور میں اور تم دونوں بہشت کے جلسوں میں بیٹھیں گے۔ اس پر دونوں صاحبوں نے کہا کیا جنت میں جلسے بھی ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا ہاں اس میں جلسے بھی ہوں گے اور تماشے بھی ہونگے۔ پوچھا بہشت کا تماشہ کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا جواہر کے محل ہونگے جو کبریت احمر سے بنے ہوں گے۔ ان کے شاداب موتی کے ہونگے پس ساق عرش کے نیچے سے ایک ہوا نکلے گی جس کو طیبہ کہیں گے۔ اس پر وہ سب محل وجھنگلیں ایسی آواز نکلے گی جو بہشت والوں کو دنیا کے ایام اور جو کچھ لطف اس میں ہوتے تھے سب بھلا دیگی۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسکی آفت زکریا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ زکریا حمید طویل پر حدیث وضع کیا کرتا تھا۔

اور گمان کیا کہ وہ ۱۲۰ سال کا تھا۔ مجھ سے احمد بن موسیٰ نے اسی زکریا سے اور اس نے حمید سے ایک کتاب کی روایت کی جس کو ہم نے لکھا جو سب کی سب موضوع تھی جس کا ذکر بھی حرام ہے (لئالی ص۱۵۸)

دوستان و دشمنان حضرت ابوبکر و عمر

علامہ موصوف ہی یہ بھی لکھتے ہیں عن ابی ھریرۃ مرفوعا ان فی السماء الدنیا ثمانین الف ملک یستغفرون اللہ لمن احب ابا بکر و عمر و فی السماء الثانیۃ ثمانین الف ملک یلعنون من ابغض ابا بکر و عمر قال الخطیب وضعہ العدوی۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ نیچے کے آسمان میں ۸۰ ہزار فرشتے ہیں جو ان لوگوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دوست رکھتے ہیں۔ اور دوسرے آسمان میں بھی اسی ہزار فرشتے ہیں جو ان لوگوں پر لعنت کرتے رہتے ہیں جو ابوبکر و عمر کو دشمن رکھتے ہیں۔ علامہ خطیب نے بیان کیا کہ عدوی نے اس روایت کو وضع کیا ہے (لئالی مصنوعہ ص۱۵۸) قال رسول اللہ لما عرج بی الی السماء رایت فی السماء السابعۃ ثمانین الفا من الملائکۃ علی خیل الیاقوت یستغفرون اللہ عزوجل لابی بکر و عمر ثم عرج الی السماء الخامسۃ فرأیت سبعین الف من الملئکۃ علی خیل الیاقوت یستغفرون اللہ لمن یستغفر لابی بکر و عمر۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو میں نے ساتویں آسمان میں یاقوت کے گھوڑوں پر اسی ہزار فرشتے دیکھے جو ابوبکر و عمر کیلئے خدا سے استغفار کرتے تھے۔ پھر میں پانچویں آسمان پر چڑھا تو یاقوت کے گھوڑوں پر ستر ہزار فرشتوں کو دیکھا جو خدا سے ان لوگوں کے لئے استغفار کرتے تھے جو حضرت ابوبکر و عمر کے لئے استغفار میں مشغول تھے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعا ان للہ تعالیٰ فی السماء سبعین الف ملک یلعنون من شتم ابا بکر و عمر قال الخطیب سھل بن صقیر یضع الحدیث۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے آسمان میں ستر ہزار فرشتے ہیں جو ابوبکر و عمر کے برا کہنے والوں پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ علامہ خطیب کہتے تھے کہ اس روایت کا ایک راوی سہل بن صقیر حدیثیں دل سے گڑھا کرتا تھا۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۵۹) رایت لیلۃ اسری بی فی العرش فریدۃ خضراء فیھا مکتوب بنور ابیض لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق لا یصح۔ آفتہ عمر کذاب۔ یعنی حضرت ابودرداء سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات عرش میں ایک سبز موتی دیکھا جس میں سفید نور سے

لکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ - ابوبکر صدیق اور عمر فاروق - یہ حدیث صحیح نہیں ہے - اسکی آفت اس کا ایک راوی عمر بن اسماعیل ہے - جو بڑا جھوٹا تھا - عن انس مرفوعا من افتری علی اللہ عز وجل کذبا قتل ولا یستتاب ومن سبنی قتل ولا یستتاب ومن سب ابا بکر قتل ولا یستتاب ومن سب عثمان جلد الحد ومن سب علیا جلد الحد - قیل لم فرقت بین ابی بکر وعمر وعثمان وعلی - قال لان اللہ تعالی خلقنی وخلقهما من تربة واحدة وفیها ندفن قال ابن عدی البلاء من یعقوب - قلت قال فی المیزان هذا موضوع - حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹی بات افترا کرکے بیان کرے گا وہ قتل کیا جائیگا - اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی اور جو مجھے گالی دیگا وہ قتل کیا جائیگا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی - اور جو ابوبکر وعمر کو گالی دیگا وہ قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائیگی اور جو عثمان کو گالی دیگا اس کو کوڑے کی سزا دیجائے گی - اور جو علی کو گالیاں دیگا اس کو بھی کوڑوں کی سزا دیجائے گی - اس پر حضرت رسول خدا صلعم سے سوال کیا گیا کہ یا حضرت آپنے فرق کیوں کیا (کہ حضرت ابوبکر وعمر کو گالیاں دینے والے تو قتل کئے جائینگے اور حضرت عثمان وعلی کو گالیاں دینے والے صرف کوڑوں کی سزا پائینگے) حضرت نے فرمایا اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور ابوبکر وعمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہے - اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیں گے - ابن عدی کہتے ہیں کہ اس روایت کی بلا اس وجہ سے ہے کہ اسکا ایک راوی یعقوب ہے - میں (علامہ سیوطی) کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے (لئالی مصنوعہ ص۱۵۱)

آنحضرت اور شیخین کی خلقت ایک مٹی سے

اوپر کی موضوع روایت کی طرح یہ روایتیں بھی ہیں عن ابن مسعود مرفوعا کل مولود یولد یذر علی سرته من تربته فاذا طال عمره رده الی تربته التی خلق منها وانا وابوبکر وعمر خلقنا من تربة واحدة وفیها ندفن لا یصح محمد واحمد مطعون فیهما وفیه مجاهیل منهم ابو البیبع - حضرت ابن مسعود سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں اسکی تربت سے چھڑک دیا جاتا ہے پھر جب اسکی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اسی تربت کی طرف پلٹا لیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا

کیا گیا تھا۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی تربت (مٹی) سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیں گے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کے راوی محمد و احمد دونوں محل اعتراض ہیں اور اس میں بہت سے مجہول راوی بھی ہیں۔ انہیں سے ابوالیسع بھی ہے۔ عن ابن مسعود مرفوعا ما من مولود یولد الا و فی سرتہ من تربتہ التی یولد منہا فاذا رد الی ارذل العمر رد الی تربتہ التی خلق منہا حتی یدفن فیہا وانی و ابوبکر و عمر خلقنا من تربۃ واحدۃ و فیہا ندفن وقد اورد المؤلف ھذا الطریق فی العلل وقد قال الدارقطنی موسیٰ بن سہل ضعیف۔ حضرت ابن مسعود سے یہ مرفوع روایت ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں اس مٹی سے ڈالا جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے پھر جب وہ بڑی عمر کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے تو اسی مٹی کی طرف واپس لایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں ہم لوگ دفن کئے جائیں گے۔ اور مؤلف نے اس طریق کو علل میں درج کیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی موسیٰ بن سہل ضعیف ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعا ما من آدمی الا و من تربتہ فی سرتہ فاذا دنا اجلہ قبضہ اللہ من التربۃ التی منہا خلق و فیہا یدفن و خلقت انا و ابوبکر و عمر من طینۃ واحدۃ و ندفن فیہا فی بقعۃ واحدۃ۔ حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جو آدمی آتا ہے اسکی ناف میں اسکی اسی تربت سے مٹی ڈالی جاتی ہے۔ پھر جب اسکی موت قریب آجاتی ہے تو خدا اسکی قبض روح اسی مٹی سے کرتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا تھا اور اسی مٹی میں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی مٹی میں ایک بقعہ کے اندر ہم تینوں دفن بھی کئے جائیں گے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعا ما من مولود الا وقد ذر علیہ من تراب حفرتہ قال ابو عاصم ما نجد فضیلۃ لابی بکر و عمر مثل ھذہ لان طینتہما من طینۃ رسول اللہ ﷺ و معہ دفنا قال ابو نعیم ھذا حدیث غریب من حدیث ابن عون عن محمد لم نکتبہ الا من حدیث ابی عاصم النبیل عنہ۔ حضرت ابوہریرۃ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس پر اس مٹی سے جو وہاں موجود رہتی ہے ضرور چھڑک دیا جاتا ہے۔ ابو عاصم کہتے تھے کہ ہم کو

حضرت ابوبکر و عمر کی کوئی فضیلت اس شان کی نہیں ملتی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی مٹی حضرت رسولخدا کی مٹی سے تھی۔ اور حضرت ہی کے ساتھ دونوں دفن بھی کئے گئے۔ ابونعیم نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حدیث ابو عون سے محمد سے نہیں لکھا ہے ہم نے اس کو مگر حدیث ابوعاصم سے ۱؎ سمعت ابن سیرین یقول لو حلفت حلفت صادقا بارا غیر شاک ولا مستثنی ان اللہ تعالیٰ ما خلق نبیہ ولا ابابکر ولا عمر الا من طینۃ واحدۃ ثم ردھم الی تلک الطینۃ۔ میں نے ابن سیرین سے سنا کہ وہ کہتے تھے اگر میں حلف لیکر کہوں تو اس حلف میں سچا۔ نیکوکار ہونگا نہ اس میں کوئی شک ہوگا نہ کوئی مستثنیٰ قرار پائیگا کہ خدا نے اپنے رسول اور

۱؎ ایسی حدیثیں کس وجہ سے بیان کی گئیں اسے بھی دیکھو۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن ابن عمر ان حبشیا دفن بالمدینۃ فقال رسول اللہ صلعم دفن بالطینۃ التی خلق منھا۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ ایک حبشی مدینہ میں دفن کیا گیا تو حضرت رسولخدا نے فرمایا یہ اسی مٹی میں دفن کیا گیا جس سے پیدا کیا گیا تھا۔ عن ابی سعید ان النبی صلعم مر بالمدینۃ فرای جماعۃ یحفرون قبرا فسال عنہ فقالوا حبشی قدم فمات فقال النبی صلعم لا الہ الا اللہ سیق من ارضہ وسمائہ الی التربۃ التی خلق منھا۔ حضرت ابوسعید بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم مدینہ میں گزر رہے تھے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ قبر کھود رہے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے عرض کی ایک حبشی اس شہر میں اتفاقاً آگیا تھا تو یہیں مرگیا۔ حضرت نے فرمایا لا الہ الا اللہ۔ یہ حبشی اپنی زمین اور آسمان سے ہنکا کر اسی مٹی کے پاس پہونچا یا گیا جس سے یہ پیدا کیا گیا تھا۔ (لئالی مصنوعہ ص۱۸۵) اس سے واضح ہوا کہ انسان جس مٹی سے پیدا ہوتا ہے اسی میں وہ دفن کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر کے لئے یہ حدیثیں وضع کیں مگر آنحضرت صلعم ان حدیثوں کو ارشاد فرما ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ جب ہر شخص اسی مٹی میں مل جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے تو مدینہ کے کل مرنے والے اس میں حضرت ابوبکر و عمر کے برابر ہوگئے۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں۔ پس باوجود اس کے حضرت رسول خدا صلعم حضرت ابوبکر و عمر کے لئے اسے فضیلت کیوں قرار دیتے ہیں؟۔ ان کو اس سے خصوصیت ہی کیا حاصل ہوئی جس کی وجہ سے اس کا کوئی ذکر کیا جاتا۔ وہ حبشی بھی تو اسی مدینہ کی مٹی میں مل گیا جس میں حضرت ابوبکر و عمر ملے تھے حالانکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ حبشی مسلمان تھا یا یہودی یا نصرانی یا اور کوئی کافر۔ ۱۲ منہ

ابوبکر و عمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پھر ان سب کو اسی مٹی میں پلٹا بھی دیا۔ (اللآلی مصنوعہ ص۱۸۵)

بہشت میں آپ کا درجہ

اور علامہ ذہبی لکھتے ہیں عن ابن عباس مرفوعا اذا کان یوم القیامۃ یکون ابوبکر علی احد ارکان الحوض و عمر علی الرکن الثانی وعثمان علی الثالث وعلی علی الرابع فمن ابغض واحدا منھم لم یسقہ الآخرون ....عن ابن عباس مرفوعا اذا کان یوم القیامۃ نادی مناد تحت العرش ھاتوا اصحاب محمد فیوتی بابی بکر و عمر و عثمان و علی فیقال لابی بکر قف علی باب الجنۃ فادخل فیھا من شئت ورد من شئت۔ ویقال لعمر قف عند المیزان فثقل من شئت برحمۃ اللہ وخفف من شئت۔ ویعطی عثمان غصن شجرۃ من الشجرۃ التی غرسھا اللہ بیدہ فیقال ذد بھذا عن الحوض من شئت ویعطی علی حلتین فیقال لہ خذھا فانی ادخرتھما لک یوم انشأت خلق السماوات والارض.....
قلت ھذا رجل کذاب قال الحاکم احادیثہ موضوعۃ۔ حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ابوبکر حوض کوثر کے پہلے کنارے پر ہونگے۔ عمر دوسرے کنارے پر۔ عثمان تیسرے کنارے پر۔ علی چوتھے کنارے پر۔ اور جو شخص ان چاروں سے کسی کو بھی دشمن رکھتا ہوگا اس کو باقی تینوں خلفاء بھی حوض کوثر سے سیراب نہیں کرینگے.... اور حضرت ابن عباس سے یہ مرفوع روایت بھی ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی عرش کے نیچے پکارے گا کہ حضرت محمدؐ کے اصحاب کو لاؤ۔ پس فرشتے ابوبکر و عمر و عثمان و علی کو حاضر کرینگے اس وقت ابوبکر سے کہا جائیگا کہ تم بہشت کے دروازے پر کھڑے ہو اور جس کو چاہو اس میں داخل کرو اور جس کو چاہو وہاں سے ہٹا دو۔ اور عمر سے کہا جائے گا تم میزان اعمال کے پاس کھڑے ہو کر جس کے اعمال نامہ کو چاہو رحمۃ خدا سے بھاری کر دو اور جس کے نامۂ اعمال کو چاہو ہلکا کر دو۔ اور عثمان کو اس درخت سے جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ایک ڈالی دے دیجائے گی اور کہا جائے گا اس لکڑی سے تم جس کو چاہو حوض کوثر سے ہٹا دو۔ اور علی کو دو حلے دئیے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ ان دونوں کو قبول کرو کیونکہ میں نے ان کو تمہارے لئے اسی دن ذخیرہ کر دیا تھا جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا قال ابن حبان ان ابراھیم بن عبداللہ بن خالد یسرق الحدیث ویروی عن الثقات مالیس من حدیثھم۔ علامہ ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی ابراہیم بن عبداللہ

حدیثیں چوری کیا کرتا تھا اور معتمد لوگوں کی طرف نسبت دیکر ایسی حدیثیں ان سے بیان کرتا تھا جو انھوں نے کبھی بھی نہیں کہی تھیں۔ (میزان الاعتدال مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۱)

شیخین کو گالی دینے کا انجام علامہ ذہبی لکھتے ہیں عن اجلح قال سمعنا انه ما سب ابا بکر و عمر احد الا فتقر او مات قتلا۔ اجلح بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا جس شخص نے بھی ابو بکر یا عمر کو گالی دی وہ یا فقر میں مبتلا ہوا یا قتل ہو کر مرا۔ اس کے بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں قال ابو حاتم لیس بالقوی وقال س ضعیف له رأی سوء وقال القطان فی نفسی منه شئی۔ اس روایت کا راوی اجلح قوی نہیں تھا۔ اور س نے کہا کہ وہ ضعیف تھا اس کا عقیدہ برا تھا۔ اور قطان نے کہا کہ میرے نفس میں اس کی طرف سے تردد ہے (میزان جلد ۱ صفحہ ۳۳)۔

رسولخدا اور حضرت عمر علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابی سعید مرفوعا قال من ابغض عمر فقد ابغضنی و من احبه فقد احبنی عمر معی حیث حللت و انا مع عمر حیث حل۔ حضرت ابو سعید سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا جو عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن رکھیگا وہ مجھے دشمن رکھے گا اور جو انہیں دوست رکھے گا وہ مجھے بھی دوست رکھے گا۔ عمر میرے ساتھ ہی رہینگے جہاں بھی میں رہوں اور میں بھی عمر ہی کے ساتھ رہونگا جہاں وہ رہیں۔ اسکے راوی احمد کے متعلق لکھا ہے قال ابن عدی حدث مناکیر عن الثقات۔۔۔ وقال ابو الفتح الازدی یضع الحدیث۔ ابن عدی کہتے تھے کہ احمد معتمد لوگوں کی طرف نسبت دیکر مہمل حدیثیں گڑھتا رہتا تھا اور ابو الفتح ازدی کہتے تھے کہ احمد غلط حدیثیں وضع کرتا تھا (میزان جلد ۱ صفحہ ۳۶)

اقتدوا بابی بکر و عمر کی حدیث علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابن عمر قال رسول اللہ صلعم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہونگے اور وہ ابو بکر و عمر ہیں۔ اسکے راوی احمد بن محمد کے متعلق لکھتے ہیں قلت لغلام خلیل ما ھذہ الرقائق التی تحدث بھا قال وضعناھا لنرقق بھا قلوب العامۃ وقال ابو داؤد اخشیٰ ان یکون دجال بغداد۔۔۔ وقال ابو بکر النقاش وھو واہ۔ ابو عبد اللہ نہاوندی نے اس راوی سے پوچھا اے غلام خلیل (احمد بن محمد) یہ دل کو نرم کرنے

والی کیسی حدیثیں ہیں جن کی تم روایت کرتے ہو؟ اس (احمد) نے جواب دیا میں نے ان حدیثوں کو اپنے دل سے گڑھ کر بیان کر دیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے عام لوگوں کے دل نرم ہو جائیں۔ اور ابو داؤد کہتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں یہ شخص بغداد کا دجال نہ ہو... اور ابو بکر نقاش کہتے تھے کہ وہ واہی تھا۔ (میزان ص ۵۵) واہی کا معنے ضعیف اور ناتوان ہے۔ (انوار اللغۃ پ۲ ص ۱۰۵)

حضرت عمر بہشت کے چراغ ہیں علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابا بکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر وعمر سراج اھل الجنۃ۔ قال ابو نعیم ھذا باطل مخالف کتاب اللہ۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اپنے نور سے اور ابو بکر کو میرے نور سے اور عمر کو ابو بکر کے نور سے اور میری پوری امت کو عمر کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اور عمر بہشت والوں کے چراغ ہیں۔ ابو نعیم بیان کرتے تھے کہ یہ حدیث غلط اور قرآن مجید کے مخالف ہے۔ پھر اسکے راوی کے متعلق لکھا ہے کہ احمد بن یوسف لا یعرف واتے بخبر کذب۔ یعنی احمد بن یوسف غیر معروف شخص ہے اور اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی ہے (میزان جلد ۱ ص ۷۶)

خلافت ابو بکر و عمر علامہ موصوف ہی یہ بھی لکھتے ہیں عن الزبیر بن العوام سمع النبی یقول الخلیفۃ بعدی ابو بکر وعمر ثم یقع الاختلاف فقمنا الی علی فاخبرناہ فقال صدق الزبیر سمعت رسول اللہ یقول ذلک۔ حضرت زبیر بن عوام نے حضرت رسول خدا صلعم سے سنا کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے میرے بعد میرے خلیفہ ابو بکر و عمر ہونگے۔ ان دونوں کے بعد اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ یہ سنکر ہم لوگ حضرت علی کے پاس گئے اور ان سے اس حدیث کو بیان کیا تو حضرت علی نے کہا زبیر نے سچ بیان کیا ہے۔ میں نے بھی حضرت رسول خدا صلعم سے یہ بات سنی تھی۔ پھر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں قلت ھذا باطل والآفۃ من عبد الرحمن فانہ کذاب۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث بالکل غلط اور باطل ہے اور اس کی آفت اس کا راوی عبد الرحمن ہے کیونکہ وہ بڑا جھوٹا تھا۔ (میزان ص ۱۲۶)

اصحاب کی عظمت عن انس رفعہ ان اللہ اختار لی اصحابا واصھارا وانہ سیکون فی آخر الزمان قوم یبغضونھم فلا تواکلوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ حضرت انس سے یہ مرفوع روایت ہے

کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا خدا نے کچھ لوگوں کو میرے اصحاب اور کچھ لوگوں کو میرے سسر بنایا ہے اور یقیناً آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو ان لوگوں کو دشمن رکھے گی۔ تم لوگ نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔ نہ ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان کے جنازوں پر نماز پڑھنا۔ پھر اس حدیث کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن حبان منکر الحدیث جداً۔ ابن حبان کہتے تھے کہ اس کی حدیثیں بالکل غلط ہوتی تھیں (میزان ص۱۲)۔

حضرت ابوبکر و عمر سب سے بہتر

عن ابی ہریرۃ مرفوعا ابوبکر و عمر خیر الاولین۔ حضرت ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ابوبکر و عمر کل پہلے لوگوں سے بہتر ہیں۔ (میزان جلد ا ص۱۵۱) اس حدیث کے بنانے والے کی جرأت قابل دید ہے کہ دونوں بزرگوں کو کل انبیاء و مرسلین و اوصیاء بلکہ انبیاء اولوالعزم سے بھی بہتر بنا دیا۔ اسکے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں تفرد دیہ القنطری۔ والذی قبلھما وھما موضوعان۔ اس اور اسکے قبل والی حدیث کو صرف قنطری نے بیان کیا ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں موضوع ہیں۔ (میزان جلد ا ص۱۵۱)

اصحابی کالنجوم

عن ابی ہریرۃ عن النبیؐ اصحابی کالنجوم من اقتدی بشئی منھا اھتدی۔ جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میرے اصحاب ستاروں ایسے ہیں۔ جو شخص کسی بات میں ان کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں جعفر بن عبدالواحد الہاشمی القاضی قال الدارقطنی یضع الحدیث وقال ابو زرعۃ روی احادیث لا اصل لھا وقال ابن عدی یسرق الحدیث ویاتی بالمناکیر عن الثقات۔۔۔ ثم ساق لہ ابن عدی احادیث وقال کلھا بواطیل و بعضھما سرقۃ یعنی جعفر بن عبدالواحد ہاشمی قاضی اس کا راوی ہے۔ امام دارقطنی اسکے بارے میں کہتے تھے کہ یہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ اور ابوزرعہ کہتے تھے کہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کر دی ہیں جن کا کوئی سر پاؤں تک نہیں ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ یہ حدیث چوری کرتا اور معتبر لوگوں کی طرف غلط روایتیں منسوب کرتا تھا۔ پھر ابن عدی نے اسکی بہت سی روایتوں کو ذکر کر کے کہا کہ یہ سب کی سب باطل کا دفتر اور بعض تو چوری کی چیزیں ہیں (میزان جلد ا ص۱۶۷) حالانکہ یہ حدیث اب اس درجہ مشہور کی گئی کہ کوئی اسکے موضوع ہونے کی طرف خیال بھی نہیں کرتا ہے۔

استغفار کرنے والے فرشتے اوپر کتاب لئالی مصنوعہ سے وہ حدیث لکھی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کے دوست رکھنے والوں کے لئے اسّی ہزار فرشتے مقرر ہیں جو ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اسکے راوی کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ ھذا شیخ قلیل الحیاء ماتفکس فی مایفتریہ...وقال ابن عدی عامۃ ماحدث بہ الاالقلیل موضوعات وکنا نتہمہ بل نتیقن انہ ھوالذی وضعہا یعنی اس روایت کا راوی بڑا بے شرم شیخ ہے۔ جو کچھ افترا کرتا ہے اس کے بارے میں کچھ سوچتا بھی نہیں ہے کہ کیسی (ذہل بات) ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ سوائے بعض حدیثوں کے اسکی کل حدیثیں موضوعات کا انبار ہیں۔ اور ہم لوگ اس کو متہم کرتے بلکہ یقین رکھتے تھے کہ اسی نے یہ سب وضع کی ہیں۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۰۷)۔

اسلام کے تاج اور حلہ عن زر بن عبداللہ مرفوعا ابوبکر تاج الاسلام وعمر حلۃ الاسلام وعثمان اکلیل الاسلام وعلی طبیب الاسلام الحدیث وھو کذب۔ زر بن عبداللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اسلام کے تاج ابوبکر۔ اسلام کے حلہ عمر۔ اسلام کے اکلیل عثمان۔ اور اسلام کے طبیب علی ہیں۔ اور یہ حدیث غلط ہے۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)۔

خدا سے مصافحہ عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ اول من یصافحہ الحق عمر واول من یاخذہ بیدہ فیدخلہ الجنۃ ھذا منکر جدا ابی بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا خدا روز قیامت سب سے پہلے حضرت عمر سے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے انہیں کا ہاتھ پکڑ کر بہشت میں داخل کرے گا۔ یہ حدیث بالکل غلط ہے۔ (میزان جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)۔

اختلاف صحابہ عن عمر مرفوعا سالت ربی فی ما اختلف فیہ اصحابی من بعدی فاوحی اللہ الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم بعضہا اضوء من بعض فمن اخذ بشئی مما ھم علیہ من اختلافہم فھو عندی علی ھدی فھذا باطل۔ حضرت عمر سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میں نے خدا سے سوال کیا کہ میرے بعد میرے اصحاب جس امر میں اختلاف کرینگے اس کا کیا ہوگا۔ اس پر خدا نے میری طرف وحی کی کہ اے محمد تمہارے اصحاب میرے خیال میں ستاروں ایسے ہیں کہ کسی کی روشنی

کسی سے زیادہ ہے۔ جو شخص ان کے کسی اختلاف کی بھی پیروی کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت ہی پر رہیگا یہ حدیث غلط ہے اس کے راوی عبدالرحیم کو لوگوں نے چھوڑ دیا تھا اور دوسرا راوی نعیم بھی موضوع حدیثیں بیان کرتا پھرتا تھا۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۲۱)

آپکی خلافت کا اعلان

عن ابن عمر قال خرج رسول اللہ ص وبلال فقال نادی فی الناس ان الخلیفۃ ابوبکر وان الخلیفۃ بعدہ عمر ثم عثمان۔ حضرت ابن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور بلال نکلے تو حضرت نے بلال سے فرمایا لوگوں میں اعلان کردو کہ میرے خلیفہ ابوبکر اور ان کے بعد خلیفہ عمر پھر عثمان ہونگے۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں فھذا موضوع۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۴۶)۔

کس طرح محشور ہونگے

عن ابن عمر قال دخل رسول اللہ المسجد وعن یمینہ ابوبکر وعن شمالہ عمر فقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ حضرت کے داہنی جانب حضرت ابوبکر اور بائیں جانب حضرت عمر تھے تو حضرت نے فرمایا ہم لوگ قیامت کے دن بھی اسی طرح محشور ہونگے۔ اسکے راوی سعید کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بشیئ وقال البخاری ضعیف۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ اور بخاری کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے (میزان جلد ۱ ص ۳۵)

خدا کے دین میں قوی ہونا

عن ابی سعید مرفوعا ارحم ھذہ الامۃ ابوبکر واقوامھم فی دین اللہ عمر وافرضھم زید واقضاھم علی۔
حضرت ابوسعید سے یہ مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ص نے فرمایا اس امت میں سب سے زیادہ رحم والے ابوبکر اور خدا کے دین میں سب سے زیادہ مضبوط عمر اور سب سے زیادہ فرائض کے جاننے والے زید اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ اس حدیث کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں سلام بن مسلم ضعیف لایکتب حدیثہ ... لیس بشیئ .... منکر الحدیث ... متروک۔ ضعیف۔ یعنی سلام بن مسلم ضعیف ہے اسکی حدیثیں لکھنے قابل نہیں ہوتیں وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اسکی حدیثیں غلط ہوتی ہیں۔ لوگوں نے اسکو چھوڑ دیا تھا۔ وہ ضعیف تھا۔ (میزان جلد ۱ ص ۳۵)

حضرت عمر کے بعد مرجانے کا حکم

بایع اعرابی النبی ص فقال علی للاعرابی ان مات النبی فمن یقضیک قال لا ادری۔ قال فأته فسئله فاتاہ فسأله فقال یقضیک ابوبکر وذکر الحدیث وآخرہ اذا مات انا وابوبکر

وعمر وعثمان فان استطعت ان تموت فمت۔ یعنی ایک عرابی نے حضرت رسو لخدا صلعم
کی بیعت کی تو اس سے حضرت علی نے پوچھا اگر حضرت رسو لخدا انتقال فرما جائینگے تو تمھارا فیصلہ
کون کرے گا؟ اس نے کہا یہ تو میں نہیں جانتا۔ فرمایا تو جا کر حضرت سے یہ بھی پوچھ لو۔ اس نے
پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمھارا فیصلہ ابو بکر کرینگے۔ دیکھو جب میں مرجاؤں اور ابو بکر و عمر وعثمان
بھی مرجائیں تو تم سے ہوسکے تو تم بھی مرجانا۔ (میزان جلد ا صـ ۳۶۲) معاذ اللہ اس کا نتیجہ یہ
نکلا کہ حضرت رسو لخدا صلعم لوگوں کو خودکشی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اس کے راوی کے بارے
میں لکھتے ہیں قال العقیلی حدث بمناکیر لا یتابع علیہا وقال ابوحاتم لا یکتب
حدیثہ۔ عقیلی کہتے تھے کہ یہ بہت غلط حدیثیں بیان کرتا تھا جن کی کوئی تصدیق نہیں کرتا
اور ابوحاتم کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں لکھنے قابل نہیں ہوتیں۔ (میزان جلدا صـ ۳۶۲)

حق بولنے کی پیشینگوئی لما اشتبکت الحرب یوم خیبر قیل للنبی ھذا الحرب قد اشتبکت فاخبرنا باکرم اصحابک علیک فان یکن
امر عرفناہ وان یکن الاخری اتیناہ۔ فقال ابوبکر وزیری یقوم فی الناس
مقامی من بعدی وعمر ینطق بالحق علی لسانی وانا من عثمان وعثمان منی
وعلی اخی وصاحبی یوم القیامۃ۔ جب خیبر میں سخت لڑائی ہونے لگی تو لوگوں نے
حضرت رسو لخدا صلعم سے عرض کی یا حضرت یہ جنگ تو بہت شدید ہوگئی۔ اب آپ ہم لوگوں
سے بتا دیں کہ آپ کے اصحاب میں بڑے مکرم صحابی کون ہیں۔ کہ اگر کوئی امر ہوگا تو ہم لوگ
پہچان لینگے۔ اور اگر اس کے خلاف ہوگا تو ہم لوگ ان کے پاس آئینگے۔ آنحضرت نے فرمایا
ابوبکر میرے وزیر ہیں وہی میرے بعد لوگوں میں میرے قائم مقام ہوں گے۔ اور عمر میری زبان
سے حق بات بولیں گے۔ اور میں عثمان سے ہوں اور عثمان مجھ سے ہیں۔ اور علی بروز قیامت
میرے بھائی اور صاحب ہیں۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں لا یکاد یعرف۔ اس کا
حال معلوم ہی نہیں ہوتا۔ قال ابن معین لا اعرفہ۔ ابن معین کہتے تھے کہ میں اسکو
نہیں پہچانتا۔ قال ابن یونس روی مناکیر۔ ابن یونس کہتے تھے کہ یہ غلط اور جھوٹی
حدیثیں بیان کرتا تھا۔ قلت المتھم بوضع ھذا ھذا الشیخ الجاھل۔ میں ذہبی
کہتا ہوں کہ (فضائل خلفاء اربعہ کی) اس حدیث کے وضع کرنے میں متہم یہی جاہل شیخ ہے۔
(میزان جلدا صـ ۳۷۴)۔

خلفاء اربعہ کی دوستی کا حکم عن ابن عمر مرفوعا ان اللہ امرنی بحب اربعۃ ابی بکر وعمر وعثمان وعلی۔ حضرت ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مجھے اللہ نے چار شخصوں کی دوستی کا حکم دیا ہے جو ابوبکر و عمر و عثمان و علی ہیں۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ عن ابن عون وغیرہ ھالک وقال الجوزجانی کذاب مصرح وقال ابوحاتم کذاب وقال ابن عدی یضع الحدیث۔ ابن عون وغیرہ کہتے تھے کہ اس حدیث کا راوی گمراہ ہے اور جوزجانی کہتے تھے کہ اس کا راوی اول درجہ کا مشہور جھوٹا تھا۔ اور ابوحاتم کہتے تھے کہ وہ کذاب تھا اور ابن عدی کہتے تھے کہ وہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ (میزان جلد ا صـ ۳۷۷)

بشارۃ خلافت علامہ موصوف ہی لکھتے ہیں عن انس بحدیث کذب قم یا انس فافتح لابی بکر وبشرہ بالخلافۃ من بعدی وکذا فی عمر وعثمان انس صحابی سے یہ جھوٹی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا اے انس اٹھو اور ابوبکر کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو خوشخبری دے دو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔ اسی طرح عمر اور عثمان کو خوشخبری سنا دو۔ اسکے راوی کے متعلق لکھتے ہیں۔ قال ابن عدی کان ابو یعلی اذا ثنا عنہ ضعفہ وقال ابوبکر بن ابی شیبۃ کان یضع الحدیث وقال ابو علی کذاب۔ ابن عدی کہتے تھے کہ جب ابو یعلی اس کی حدیث ہم لوگوں سے بیان کرتے تو کہتے کہ وہ ضعیف ہے۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے تھے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور ابو علی کہتے تھے کہ وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے۔ (میزان جلد ا صـ ۴۱۹)۔

آپ کا مشیر ہونا عن انس قال علی قال لی النبی یا علی ان اللہ امرنی ان اتخذ ابابکر والدا وعمر مشیرا وعثمان سندا وانت ظہیرا۔ انتم قد اخذ اللہ لکم المیثاق لا یحبکم الا مومن تقی انتم خلفاء امتی و عقد ذمتی۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت علی نے کہا کہ مجھ سے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے علی یقیناً اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابوبکر کو اپنا باپ اور عمر کو اپنا مشیر اور عثمان کو سند اور تم کو اپنا پشت پناہ بناؤں۔ تم لوگ وہ ہو کہ خدا نے تم لوگوں کے لئے یہ عہد وپیمان لیا ہے کہ جو مومن ہوگا وہی تم لوگوں کو دوست رکھیگا۔ تم لوگ ہی میری امت پر میرے خلفاء اور میرے عہدوں کے ذمہ دار ہو۔ انس کے راوی کے متعلق لکھتے ہیں ضرار بن سہل عن

الحسن بن عرفۃ بخبر باطل ۔ مزار بن سہل نے حسن بن عرفہ سے جھوٹی حدیث روایت کی ہے
(میزان جلد ا صفحہ ۲۲۳) اللہ اکبر یہ حدیث تک بنادی گئی کہ خدا نے حضرت کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکر
کو اپنا باپ بنالیں ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مجازی باپ (سسر) مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا ہوتا تو
حضرت عمر کے متعلق بھی یہی حکم ہوتا لیکن وہ متبنی بنائے گئے اور حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کے لئے

ولی رسول اللہ

عن جابر ان رسول اللہ قال لعمر انت ولیی فی الدنیا ولیی فی الاخرۃ ۔
حضرت جابر نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا
کہ تم دنیا میں اور آخرت میں بھی میرے ولی ہو ۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ قال البخاری
منکر الحدیث وقال س متروک وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا لایحل الا
حتجاج بخبرہ ۔ بخاری کہتے تھے کہ اس حدیث کا راوی غلط حدیثیں بیان کرتا ہے ۔ اور س نے
کہا کہ وہ متروک ہے اور ابن حبان نے کہا کہ اسکی حدیث نہایت درجہ مہمل ہے جس سے استدلال
کرنا جائز نہیں ہے ۔ عن جابر قال بینا نحن مع رسول اللہ فی نفر من المھاجرین
فیھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وابن عوف وسعد فقال
لینھض کل رجل الی کفوہ ونھض ھو الی عثمان فاعتنقہ ثم قال انت ولیی
فی الدنیا والاخرۃ ۔ جناب جابر ہی سے اس دہیلی موضوع حدیث کے راوی) نے یہ بھی روایت
کی ہے کہ وہ کہتے تھے ہم لوگ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم اور مہاجرین کے بہت لوگوں
کے ساتھ جن میں ابوبکر ۔ عمر ۔ عثمان ۔ علی ۔ طلحہ ۔ زبیر ۔ ابن عوف اور سعد تھے بیٹھے ہوئے
تھے تو آنحضرت نے فرمایا تم سے ہر شخص اپنے جوڑ والے آدمی کے ساتھ اٹھ جائے ۔ اور خود
حضرت اٹھ کر عثمان کی طرف بڑھے اور ان کو گلے سے لگا کر فرمایا کہ دنیا و آخرت میں میرے
ولی تم ہی ہو ۔ اس حدیث کا راوی بھی وہی ہے جس نے اوپر والی حدیث وضع کی تھی (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)

پہلے زمین سے نکلنا

عن ابن عمر ان النبی قال من لبد راسہ فقد وجب علیہ
الحلق وبہ انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر
ثم عمر ۔ جناب ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص اپنے سر کے بالوں کو چپکالے
اس پر مونڈنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں زمین سے نکلوں گا اس
کے بعد ابوبکر پھر عمر ۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ احمد وقال البخاری
منکر الحدیث وقال ابن حبان لایجوز الاحتجاج بہ وقال النسائی متروک ۔

امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام بخاری نے اس کو غلط حدیث والا کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اور امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ متروک ہے (میزان جلد ۲ صہ)۔

آنحضرت کا محشور ہونا عن ابن عمر مرفوعا احشر یوم القیامۃ بین ابی بکر وعمر حتی اقف بین الحرمین فیاتینی اهل مکۃ و المدینۃ فھذا غیر صحیح۔ جناب ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں قیامت میں ابوبکر اور عمر کے درمیان محشور ہونگا یہانتک کہ دونوں حرموں کے درمیان کھڑا ہونگا تو وہیں میرے پاس مکہ اور مدینہ والے آئینگے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں حدیثہ منکر۔ اس کی حدیث غلط ہوتی ہے وذکر لہ ابن عدی الحدیثین اللذین فی فضل ابی بکر وعمر وھما باطلان۔ اور ابن عدی نے اسکی دو حدیثیں ابوبکر وعمر کی فضیلت میں بیان کی ہیں اور وہ دونوں غلط اور باطل ہیں (میزان جلد ۲ صہ)

آپ کے اسلام کی خوشی عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبرئیل فقال یا محمد استبشر اهل السماء باسلام عمر۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو فوراً جناب جبرئیل نازل ہوئے۔ اور کہا اے محمد آسمان والے عمر کے اسلام سے خوش ہوگئے۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفہ الدارقطنی وغیرہ۔ وقال ابوزرعۃ لیس بشئ۔ قال البخاری منکر الحدیث۔ امام دارقطنی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابوزرعہ کہتے تھے کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ غلط حدیث بیان کرتا ہے (میزان جلد ۲ صہ۳۰)۔

ماطلعت الشمس عن جابر ان عمر قال لابی بکر یوما یا سید المسلمین فقال اما اذا قلت ذا فانی سمعت رسول اللہ صلعم یقول ماطلعت الشمس علی احد افضل من عمر۔ جناب جابر بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا اے مسلمانوں کے سردار۔ تو انھوں نے کہا اچھا جب تم نے یہ کہا تو یہ بھی جان لو کہ میں نے سنا حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ آفتاب نہیں طالع ہوا کسی شخص پر جو عمر سے افضل ہو۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ھذا کذب یہ حدیث جھوٹی ہے اور اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال البخاری فیہ نظر

وقال النسائی ضعیف وقال ابوحاتم لیس بقوی فی احادیثہ مناکیر۔ امام بخاری کہتے تھے کہ اس کے بارے میں تامل ہے اور امام نسائی کہتے تھے کہ یہ ضعیف ہے اور ابوحاتم کہتے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اسکی حدیثوں میں بہت سی غلط ہیں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۱)۔

نکاح جناب ام کلثوم

ان عمرؓ اصدق ام کلثوم بنت علی اربعین الف درھم۔ حضرت ام کلثوم دختر حضرت علی کو حضرت عمر نے مہر میں چالیس ہزار درہم دیا۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفہ یحیی وابوزرعۃ و قال النسائی لیس بالقوی۔ اس کے راوی عبداللہ کو یحیی اور ابوزرعہ ضعیف کہتے تھے اور امام نسائی کہتے تھے کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۵)۔ (عقد جناب ام کلثوم کے بارے میں آئندہ تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ)۔

شہادت کی پیشینگوئی

عبداللہ بن عمرو یقول سمعت رسول اللہؐ یقول یکون خلفی اثنا عشر خلیفۃ ابوبکرؓ لا یلبث خلفی الا قلیلا وصاحب رحا یعیش حمیدا ویموت شہیدا قالوا ومن ھو قال عمر۔ عبداللہ بن عمرو کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خداصلعم سے سنا کہ فرماتے تھے میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر تو کچھ ہی دن زندہ رہیں گے اور چکی والا لائق تعریف کے زندہ رہیگا اور شہادت کے ذریعہ سے مریگا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ فرمایا عمر۔ اسکے راویوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ انا التعجب من یحیی مع جلالتہ ونقدہ کیف یروی مثل ھذا الباطل ولیسکت عنہ وربیعۃ صاحب مناکیر وعجائب۔ میں تعجب کرتا ہوں یحیی سے کہ باوجودیکہ وہ جلیل القدر اور نقاد احادیث تھے وہ کیسے ایسی غلط اور باطل حدیث روایت کرتے اور اس سے خاموش رہتے تھے۔ اور ربیعہ جھوٹی اور عجیب وغریب روایتوں والا ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۲)۔

حضرت رسول حضرت عمر سے

عن ابن عباس عن النبیؐ قال عمر منی وانا من عمر والحق بعدی مع عمر۔ حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت رسول خداصلعم نے فرمایا عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں اور میرے بعد حق عمر ہی سے ہوگا۔ اسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں کان صالحا لکنہ یدلس عن الضعفاء ثم احترقت کتبہ۔ یہ شخص نیک تو تھا مگر کمزور راویوں سے تدلیس کیا کرتا تھا[1] پھر اس کی کتابیں

[1] جناب مولوی وحیدالزمان خانصاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں تدلیس عیب چھپانا۔ اور اہل حدیث کی اصطلاح میں راوی کا اپنے اصلی شیخ کو چھپانا۔ (انوار اللغۃ پارہ ۸ صفحہ ۷)

جل گئیں۔ (میزان جلد ۲ صہ ۱۹۱)۔

جنازہ سیدہ پر نماز جنازہ پڑھنا عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ قال توفیت فاطمۃ لیلاً فجاء ابوبکر و عمر و جماعۃ کثیرۃ فقال ابوبکر لعلی تقدم فصل قال لا واللہ لا تقدمت و انت خلیفۃ رسول اللہ فتقدم ابوبکر فکبر اربعا۔ جناب جعفر بن محمد نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انھوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے رات کو انتقال کیا تو حضرت ابوبکر و عمر ایک جماعت کے ساتھ نماز جنازہ کے لئے آئے۔ اور حضرت علی سے کہا کہ آپ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں۔ حضرت علی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں آگے نہیں بڑھ سکتا حالانکہ آپ رسول خدا صلعم کے خلیفہ اسی جگہ موجود ہیں اس پر حضرت ابوبکر نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ اس کے راوی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ احد الضعفاء اتی عن مالک بمصائب۔ یہ بھی کمزور راویوں سے ہے۔ اس نے مالک سے مصیبت ناک روایتیں ذکر کی ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۱۹)۔

حضرت ابوبکر و عمر سے مشورہ کا حکم عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ و شاورھم فی الامر قال ابوبکر و عمر۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ خدا نے جو قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اپنے امر میں ان لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو (پ ۴ ع ۸) اس سے مراد حضرت ابوبکر و عمر ہیں کہ انہیں سے مشورہ کیا کرو۔ اسکے راوی عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن عدی حدث عن الفریابی یا ابو الطیل۔ ابن عدی کہتے تھے کہ اس نے فریابی سے غلط اور باطل حدیثیں روایت کی ہیں۔ فانی رایت لہ مناکیر میں نے دیکھا ہے کہ وہ بہت غلط اور موضوع روایتیں ذکر کرتا ہے (میزان جلد ۲ صہ ۶۵)۔

نزول حضرت عیسیٰ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعا قال ینزل عیسیٰ بن مریم فیتزوج و یولد لہ و یمکث خمسا و اربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا و ھو من قبر واحد بین ابی بکر و عمر۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے تو شادی کریں گے اور ان کے اولاد پیدا ہوں گی اور وہ دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے اسکے بعد مر جائیں گے تو میرے ساتھ ہی میری قبر میں دفن کئے جائیں گے پھر میں اور وہ ایک ہی قبر سے ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھیں گے۔ اسکے بارے میں لکھتے ہیں فھذہ

مناکیر غیر محتملۃ۔ یہ ایسی باطل اور لغو حدیثیں ہیں جن پر کسی کو تاب نہیں رہ سکتی ہے (میزان ج ۲ صفحہ ۹۵)

افضل امت قال البغوی سمعتہ یقول افضل ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر وعمر۔ علامہ بغوی نے کہا کہ میں نے عبدالرحمان سے سنا وہ کہتے تھے حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اس امت کے افضل ترین اشخاص حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ آسکے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابو داؤد الف کتابا فی مثالب الصحابۃ رجل سوء۔ ابوداؤد کہتے تھے کہ اس شخص نے صحابہ کی برائیوں اور عیوب کے بارے میں ایک پوری کتاب ہی لکھ ڈالی ہے۔ یہ بڑا ہی بیہودہ آدمی تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۹)۔

علامت نفاق و ایمان عن جابر عن النبیؐ قال لا یبغض ابابکر وعمر مومن ولا یحبھما منافق۔ جناب جابر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو شخص بھی مومن ہو گا وہ ابوبکر و عمر کو دشمن نہیں رکھ سکتا۔ اور جو شخص بھی منافق ہو گا وہ ان دونوں کو دوست نہیں رکھ سکتا۔ اس کا راوی عبدالرحمان بن مالک ہے۔

کہول اہل الجنۃ کی سرداری یہی عبدالرحمان اس حدیث کا بھی راوی ہے ھذان سید کہول اھل الجنۃ۔ یہ دونوں (ابوبکر و عمر) بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار ہیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۰۳) اب اس عبدالرحمان کا حال دیکھو۔ علامہ ذہبی اسکے بارے میں لکھتے ہیں قال احمد والدارقطنی متروک وقال ابوداؤد کذاب و قال مرۃ یضع الحدیث وقال النسائی وغیرہ لیس بثقۃ۔ امام احمد و دارقطنی نے کہا کہ یہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے کہا یہ بڑا جھوٹا تھا۔ اور ایک دفعہ کہا کہ یہ حدیثیں دل سے گڑھ گڑھ کر بیان کرتا تھا۔ اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

ساق عرش کی عبارت عن ابن عباس عن النبیؐ قال لما عرج بی الی السماء رایت علی ساق العرش مکتوب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔ عثمان ذوالنورین۔ جناب ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں نے شب معراج میں دیکھا عرش کے ساق پر لکھا ہوا ہے اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ابوبکر صدیق عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین ہیں۔ اس کے راوی علی بن جمیل کے بارے میں لکھتے ہیں کذبہ ابن حبان وضعفہ الدارقطنی وغیرہ۔ ابن حبان نے اس کو جھوٹا کہا اور دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۹)۔ اللہ اکبر!

کس دلیری سے حدیثیں وضع کی گئیں۔ چونکہ حضرت علیؑ کے متعلق یہ صحیح حدیث ہے کہ عرش پر آپ کا نام حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ مرقوم ہے اس وجہ سے اس کے مقابلہ میں یہ حدیث بھی بنائی گئی اور حضرت علیؑ کا نام اس موضوع حدیث میں نہیں رکھا گیا۔ مگر اس مضمون کی دوسری روایت اور زیادہ عبرت خیز ہے کہ حضرت نے فرمایا رأیت لیلۃ الاسراء جریدۃ خضراء فیھا مکتوب بنور لا الہ الا اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق۔ کہ میں نے شب معراج میں ایک سبز ڈالی پر نور سے لکھا دیکھا کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ہیں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۵) اس میں خدا کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر و عمر رکھے گئے اور جس طرح پہلی روایت سے صرف حضرت علی کا نام علحدہ کر دیا گیا تھا اسی طرح اس روایت میں حضرت رسول خدا صلعم کا نام بھی خارج کر دیا گیا۔ اب معلوم نہیں کوئی تیسری روایت اس مضمون کی بھی ہے یا نہیں جس سے خدا کا نام بھی نکال دیا گیا ہو اور بتایا ہو کہ عرش پر صرف انہیں دونوں بزرگوں یا خلفاء ثلثہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اہل انصاف بتائیں کہ ایسی حدیثوں کے بارے میں کیا کہا جائے اور ایسی جرأت کرنے والے کیا سمجھے جائیں۔

ائمہ خلافت عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ائمۃ الخلافۃ من بعدی ابوبکر وعمر۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میرے بعد خلافت کے پیشوا ابوبکر و عمر ہیں۔ اسکے راوی علی بن صالح کے بارے میں لکھتے ہیں لا یعرف والخبر باطل۔ یعنی معلوم ہی نہیں ہوتا یہ کون شخص تھا اس کی روایت غلط باطل ہے۔ المتھم بوضعہ علی۔ اس حدیث کے وضع کرنے کا الزام علی بن صالح پر ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)[1]

حدیث بمنزلۃ ہارون یہ حدیث بھی وضع کر ڈالی گئی عن ابن عباس حدیث ما نفعنی مال ما نفعنی مال ابی بکر و زاد فیہ وابوبکر و عمر منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جس قدر مجھے ابوبکر کے مال نے نفع دیا اس قدر فائدہ مجھے کسی اور شخص کے مال سے نہیں ہوا۔ اور اس میں اس کو بھی زیادہ کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ابوبکر و عمر مجھ سے اسی درجہ پر ہیں جس درجہ پر

---

[1] حدیثیں گڑھنے والے بھی بڑے لطف کے حضرات تھے۔ بعض لوگوں کے بارے میں لکھا ہے اذا قدم علینا اظھر السنۃ واذا ورد الی البصرۃ اظھر التشیع۔ جب یہ ہم لوگوں (اہل کوفہ) کے پاس آتے تو کہتے ہم سنی ہیں اور جب بصرہ پہونچتے تو کہتے ہم شیعہ ہیں (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۰۷) ۱۲ منہ

خباب ہارون حضرت موسیٰ سے تھے۔ اس کے راوی عمار بن ہارون کے بارے میں لکھتے ہیں قال موسیٰ بن ہارون متروک الحدیث وقال ابن عدی عامة مایرویه غیر محفوظ کان لیس ق الحدیث۔ موسیٰ نے کہا کہ عمار بن ہارون کی حدیث کو لوگوں نے (موضوع اور غلط ہونے کی وجہ سے) چھوڑ دیا ہے۔ اور ابن عدی کہتے تھے کہ یہ جو حدیث روایت کرتا ہے وہ عام طور پر غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ یہ حدیثیں چوری کیا کرتا تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)۔

حضرت علی کے ساتھ ہمدردی

عن ابن عمر قال قال عمر لاصحاب الشوری لله درهم ان ولوها الاصیلع کیف یحملهم علی الحق۔ قلنا اتعلم ذلک منه ولا تستخلف قال ان استخلف فقد استخلف من هو خیر منی۔ و ان اترک فقد ترک من هو خیر منی۔ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ سے کہا خدا ان مسلمانوں کا بھلا کرے۔ اگر یہ لوگ اصیلع کو اپنا پیشوا اور خلیفہ رسول بنائیں تو وہ ان لوگوں کو کس خوبی سے حق پر قائم رکھیں گے۔ اس پر ہم لوگوں نے کہا جب آپ اس بات کو ان کے متعلق جانتے ہیں تو انہیں کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ آپ نے جواب دیا اگر میں خلیفہ مقرر کر دوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ) وہ بزرگ (حضرت ابوبکر مجھے) خلیفہ مقرر کر چکے ہیں جو مجھ سے بہتر تھے۔ اور اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو (بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ) یقیناً اس بزرگ (حضرت رسول خدا صلعم) نے بھی چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن معین ضعیف وکذا ضعفه النسائی وقال ابن حبان روی عنه اللیث بن سعد والناس کان ممن یقلب الاخبار ویروی عن الثقات مالا یشبه حدیث الاثبات لا یجوز الاحتجاج به ولا ذکره فی الکتب الا علی جهة الاعتبار۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اس مضمون کا راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح امام نسائی نے بھی اس کو ضعیف ہی کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا کہ اس سے لیث اور لوگوں نے روایت کی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو حدیثوں اور روایتوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے اور معتبر لوگوں سے وہ حدیثیں روایت کر دیتا تھا جو معتمد علیہ لوگوں کی حدیثوں سے ملتی جلتی تک نہیں تھیں جن سے نہ استدلال درست ہے اور نہ سوائے وجہ اعتبار کے کتابوں میں ان کا ذکر جائز ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳)۔ یہ بات اس لئے بنائی گئی کہ معلوم ہو حضرت عمر حضرت علی کے خلاف نہیں تھے بلکہ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اگر تم لوگ ان کو خلیفہ بناؤ گے تو وہ تم کو حق پر

لے چلیں گے۔ باوجود اسکے آپ نے مسلمانوں کو بغیر خلیفہ چھوڑ دیا اور جس بزرگ کے بارے میں ان کو معلوم تھا کہ ان سے مسلمان حق پر قائم رہیں گے ان کو مقرر کر کے مسلمانوں کے ہدایت پر چلنے کا کام انجام نہیں دیا گیا۔

حضرت ابوبکر و عمر محکوم نہیں عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ لابی بکر و عمر لا یتامرن علیکم احد بعدی۔ ابن عمر کہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر سے فرمایا کہ میرے بعد لوگوں کے لئے جایز نہیں ہے کہ تم دونوں پر کسی کو بھی حاکم (خلیفہ) بنائیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں لا یحتجون بحدیثہ محدثین اس کی روایت سے استدلال نہیں کرتے ہیں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۴۴) جس کا مقصود واضح ہے کہ لوگ اس کو سچا نہیں جانتے۔

رافضیوں کو قتل کردو عن ابن عباس مرفوعا یکون فی اخر امتی الرافضۃ ینتحلون حب اھل بیتی وھم کاذبون۔ علامۃ کذبھم شتمھم ابابکر و عمر من ادرکھم منکم فلیقتلھم فانھم مشرکون۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ میری امت کے آخر میں رافضی فرقہ کے لوگ ہونگے جو میرے اہلبیت کی محبت کا غلط دعوے کرینگے اور وہ سب جھوٹے ہونگے۔ ان کے جھوٹ کی علامت یہ ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کو گالی دینگے۔ تم میں سے جو شخص ان کو پائے قتل کر دے کیونکہ وہ سب مشرک ہوں گے۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں عمرو بن مخزوم بصری عن یزید بن زریع و ابن عیینہ بالبواطیل۔ عمرو بن مخزوم بصری یزید بن زریع اور ابن عینیہ سے باطل اور گھڑی ہوئی روایتیں بیان کرتا تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)۔

خلفاء ثلثہ کے فضائل کی ترازو کے متعلق جو حدیث ہے وہ بھی بہت مشہور کی گئی اور دھوم دھام سے بیان کی جاتی ہے۔ اس کی حقیقت بھی دیکھ لو۔ ادیت انی وضعت فی کفۃ وامتی فی کفۃ فعدلتھا۔ ثم وضع ابوبکر فعدل بامتی ثم عمر فعدلھا ثم عثمان فعدلھا ثم رفع المیزان۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا مجھے دکھایا گیا کہ میں ترازو کے ایک پلے میں رکھا گیا اور میری پوری امت دوسرے پلے میں رکھی گئی تو میں پوری امت کے برابر ہوگیا۔ پھر ابوبکر رکھے گئے وہ بھی پوری امت کے برابر ہوگئے۔ پھر عمر رکھے گئے وہ بھی پوری امت کے برابر ہوگئے پھر عثمان رکھے گئے وہ بھی برابر ہوگئے پھر وہ ترازو ہی اٹھ گئی۔ اسکے راوی عمرو بن واقد کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بشئی یہ کوئی چیز نہیں تھا وقال البخاری

منکر الحدیث۔ امام بخاری کہتے تھے کہ اسکی حدیث غلط ہوتی تھی۔ وقال الدار قطنی متروک۔ امام دار قطنی نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ وروی العسوی عن دحیم قال لم یکن شیوخنا یحدثون عنہ۔ فسوی نے دحیم سے بیان کیا ہے کہ ہمارے علماء اس سے حدیث نہیں روایت کرتے تھے۔ وقال وکان لم یشک انہ کان یکذب وکذبہ مروان بن محمد۔ یہ بھی کہا کہ ان کو اس بات میں شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ جھوٹ بولتا اور وضعی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اس کو مروان بن محمد نے بھی جھوٹا کہا ہے۔ وھذہ الاحادیث لا تعرف الا من روایۃ عمرو بن واقد وھو ھالک۔ یہ سب حدیثیں سوائے روایت عمرو بن واقد کے اور کسی سے معلوم نہیں ہوتیں اور عمرو بن واقد گمراہ تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)۔

حضرت ابوبکر و عمر مثل ستاروں کے ہیں

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ان اھل الدرجات العلی لیراھم من ھو اسفل منھم کما ترون الکوکب الطالع فی افق السماء وان ابابکر وعمر منھم۔ جناب ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو لوگ بہشت میں اونچے درجے والے ہوں گے ان کو نیچے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ چمکتے ہوئے ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتے ہو اور ابوبکر و عمر بھی انہیں (اونچے درجے والوں) سے ہیں۔ اسکے راوی غسان بن الربیع کے بارے میں ہے لیس بحجۃ فی الحدیث۔ حدیث میں یہ حجۃ نہیں ہے۔ وقال الدار قطنی ضعیف امام دار قطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۲۹)۔

حضرت عمر کے گھوڑے کی خوراک

عن ابن عمر ان عمر رأت فرسہ فرای فیہ شعیرا فقال لخادمہ کیف تعلفہ قال اعلفہ صاعا کل یوم قال ان ھذا الکاف لاھل بیت فوتھم فامرہ فارسلہ فی المرعی ومشی علی رجلیہ۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر کے گھوڑے نے لید کی تو حضرت عمر نے اس لید کو دیکھا۔ اس میں ان کو جَو نظر آیا۔ اس پر اپنے سائیس سے پوچھا اس کو کتنا کھلاتا ہے؟ کہا ہر روز ایک صاع۔ کہا یہ مقدار تو ایک خاندان والوں کی غذا کے لئے کافی ہوگی۔ پھر اس کو حکم دیا کہ وہ گھوڑا چھوڑ دیا جائے کہ جا کر چرا کرے اور اپنے دونوں پاؤں پر چلے گئے۔ اسکے راوی فرات بن سائب کے بارے میں لکھتے ہیں قال البخاری منکر الحدیث۔ امام بخاری کہتے تھے کہ اس کی حدیث جھوٹی ہے وقال ابن معین لیس بشئی۔ ابن معین کہتے تھے کہ وہ کوئی

چیستز نہیں ہے۔ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک ۔ امام دارقطنی وغیرہ کہتے تھے کہ یہ متروک ہے۔ (میزان جلد ۲ صہ ۲۹۳) ۔

اگر ابوبکر و عمر کو خلیفہ بناؤ گے

مرفوعا ان تومروا ابابکر تجدوہ امینا مسلما زاھدا فی الدنیا راغبا فی الآخرۃ۔ وان تومروا عمر تجدوہ قویا امینا لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائیم ۔ یہ مرفوع روایت بھی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اگر تم لوگ ابوبکر کو خلیفہ بناؤ گے [1] تو ان کو امین۔ مسلم۔ دنیا سے دور اور آخرت کا خواہاں پاؤ گے۔ اور اگر عمر کو خلیفہ بناؤ گے تو انہیں مضبوط۔ امین پاؤ گے۔ ان کو خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوگی۔ اسکے راوی فضیل ابن مرزوق کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی ضعیف ۔ امام نسائی کہتے تھے کہ وہ ضعیف ہے۔ وکذا

---

[1]

حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کی روایت

اسی کے قریب یہ حدیث بھی بنائی گئی ہے عن عائشہ مرفوعا قال لرجل انطلق فقل لابی بکر انت خلیفتی فصل بالناس۔ حضرت عائشہ سے مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ایک شخص سے فرمایا جاکر ابوبکر سے کہہ دو کہ تم میرے خلیفہ ہو پس اب تم ہی مسلمانوں کو نماز پڑھایا کرو۔ اسکے راوی فضل بن جبیر کے بارے میں لکھتے ہیں قال العقیلی لایتابع علی حدیثہ۔ عقیلی کہتے تھے کہ کوئی شخص بھی اس کی حدیث کی موافقت نہیں کرتا ہے (میزان ج ۲ صہ ۲۹۶)

حضرت ابوبکر کا مال

عن انس مرفوعا قال لابی بکر ما اطیب مالک منہ بلال موذنی وناقتی۔ کانی انظر الیک علی باب الجنۃ تشفع لامتی۔ جناب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ تمہارا مال کس قدر عمدہ ہے کہ اسی سے میرے موذن بلال ہیں۔ اور اسی سے میری اونٹنی بھی ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہشت کے دروازے پر کھڑے میری امت کی شفاعت کر رہے ہو۔ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں فہذہ اباطیل وعجائب۔ یہ سب باطل اور جھوٹ باتوں کا انبار اور چانڈو خانوں کی گپیں ہیں۔ اور اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یحدث بالاباطیل یہ ایسی ہی جھل گپیں کیا کرتا ہے۔ منکر الحدیث جدا۔ اسکی حدیثیں نہایت جھوٹی ہوتی تھیں وقال ابن عدی احادیثہ منکرۃ عامتھا لایتابع علیھا۔ ابن عدی کہتے تھے کہ اس کی حدیثیں بالکل منگھڑت ہوتی تھیں۔ اسکی روایتوں کی عام طور پر لوگ تصدیق یا تائید نہیں کرتے تھے (میزان جلد ۲ صہ ۳۰۰)

ضعفہ عثمان بن سعید ۔ اسی طرح عثمان ابن سعید نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے ۔ وقال ابو عبداللہ الحاکم فضیل بن مرزوق لیس من شرط الصحیح ۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ فضیل بن مرزوق صحیح کی شرط پر نہیں ہے ۔ وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا ابن حبان نے کہا کہ اسکی حدیثیں اول درجہ کی جھوٹی ہوتی تھیں (میزان جلد ۲ ص ۳۰۲) ۔

حضرت عمر کے ساتھ حق

عن ابن عباس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الحق بعدی مع عمر حیث کان ۔ جناب ابن عباس کہتے تھے کہ میں نے سنا حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے میرے بعد حق عمر ہی کے ساتھ ہوگا ۔ وہ جہاں رہیں ۔ اسکے راوی قاسم بن یزید کے بارے میں ہے حدیثہ منکر ۔ اس کی حدیث غلط ہے ۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۰۹) ۔ اسی کی ایک اور حدیث میں ہے ثم قام اٰخر فقال انی لکذاب وانی لمنافق ... فقال عمر فضحت نفسک فقال النبی ﷺ فضوح الدنیا یا عمر اھون من فضوح الاٰخرۃ ۔ اللھم ارزقہ صدقا وایمانا وصبرا ... فقال عمر کلمۃ فضحک رسول اللہ ﷺ وقال عمر معی وانا مع عمر والحق بعدی مع عمر حیث کان ۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو گیا اور کہا اے رسول خدا میں بڑا جھوٹا ہوں اور میں منافق ہوں ۔ اس پر حضرت عمر نے کہا تو نے اپنے نفس کو خود ہی فضیحت کیا ۔ تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے عمر آخرت کی فضیحتی کے مقابلہ میں دنیا کی فضیحتی ہلکی اور بہتر ہے ۔ اے اللہ تو اس کو سچ بولنا اور ایمان اور صبر عطا فرما ۔ اس پر حضرت عمر نے ایسا کلمہ کہا جس سے حضرت رسولخدا صلعم ہنس پڑے ۔ اور کہا عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں ۔ اور میرے بعد حق بھی عمر ہی کے ساتھ رہیگا ۔ وہ جہاں رہیں ۔ قال علی بن المدینی لیس لہ اصل ۔ علی ابن مدینی کہتے تھے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے ۔ قلت اخاف ان یکون کذبا مختلقا ۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے خوف ہے یہ حدیث بالکل جھوٹی اور دل سے گڑھی ہوئی ہے ۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۱۰) ۔

منزلت ہارون

عن ابن عباس مرفوعا لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اللہ اتخذ صاحبکم خلیلا وابوبکر وعمر منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ ۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کا اختیار کرتا لیکن اللہ نے تمہارے صاحب کو دوست بنا دیا ہے ۔ ابو بکر و عمر مجھ سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو جناب ہارون کو جناب موسیٰ سے حاصل تھا ۔ اسکے

راوی قزعہ بن سوید کے بارے میں لکھتے ہیں۔ قال البخاری لیس بذالک القوی۔ امام بخاری کہتے تھے کہ یہ ویسا قوی نہیں ہے۔ وقال احمد مضطرب الحدیث۔ امام احمد کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔ وقال ابوحاتم لا یحتج بہ۔ ابوحاتم کہتے تھے کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کرسکتے۔ وقال النسائی ضعیف ومشاہ ابن عدی ولہ حدیث منکر۔ امام نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے بھی کہا ہے اور اس کی ایک حدیث بالکل غلط ہے وہی حدیث جو اوپر لکھی گئی) (میزان جلد ۲ ص ۳۱۳)۔

ابوبکر وزیر و عمر حبیب عن جابر مرفوعا ابوبکر وزیری والقائم فی امتی من بعدی وعمر حبیبی ینطق علی لسانی وعثمان منی۔ خباب جابر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ابوبکر میرے وزیر اور میری امت میں میرے بعد حاکم ہیں اور عمر میرے حبیب ہیں وہ جو بولتے ہیں میری ہی زبان پر بولتے ہیں اور عثمان مجھ سے ہیں۔ اس کے راوی کادح کے بارے میں لکھتے ہیں قال الازدی وغیرہ کذاب۔ علامہ ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ اول درجہ کا جھوٹا تھا۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۱۶)۔

شیعہ اولی عن لیث قال ادرکت الشیعۃ الاولی بالکوفۃ وما یفضلون علی ابی بکر وعمر احدا۔ لیث کا قول ہے کہ میں کوفہ میں پہلے زمانہ کے شیعوں سے ملا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی کسی شخص کو حضرت ابوبکر وعمر سے افضل نہیں جانتا تھا۔ اس کے راوی لیث کے بارے میں لکھتے ہیں قال احمد مضطرب الحدیث ولکن حدث عنہ الناس۔ وقال یحییٰ والنسائی ضعیف۔ امام احمد کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں لیکن لوگوں نے اس سے حدیثیں لی ہیں اور یحییٰ وامام نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے وقال ابن حبان اختلط فی اخر عمرہ۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔ (میزان جلد ۲ ص ۳۲۵)۔

مثل کوکب دری پہلے اس مضمون کی ایک حدیث گزر چکی ہے۔ دوسری دیکھو۔ عن النبی قال ان اھل الجنۃ لیرون اھل علیین کما ترون الکوکب الدری فی افق السماء وان ابابکر وعمر لمنھم۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ بہشت والے علیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ چمکتے ہوئے ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکر وعمر بھی انہیں سے ہیں۔ اس کے راوی مجالد کے بارے میں ہے قال ابن

معین وغیرہ لا یحتج بہ وقال احمد یرفع کثیرا مما لا یرفعہ الناس لیس بشئی و قال النسائی لیس بالقوی۔ ابن معین وغیرہ کہتے تھے کہ اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کرسکتے اور امام احمد نے کہا کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کردیتا ہے جن کو لوگ بیان نہیں کرتے۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے اور امام نسائی نے کہا یہ مضبوط نہیں ہے وقال البخاری کان یحیی بن سعید یضعفہ وکان ابن مہدی لا یروی عنہ۔ اور امام بخاری کہتے تھے کہ یحیی بن سعید اسکو ضعیف کہتے تھے اور ابن مہدی اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ وقیل لخالد الطحان دخلت الکوفۃ فلم لم تکتب عن مجالد قال لانہ کان طویل اللحیۃ۔ خالد طحان سے کسی نے پوچھا کہ تم کوفہ گئے تھے پھر وہاں مجالد سے تم نے حدیثیں کیوں نہیں لکھیں؟۔ اس نے کہا اس سبب سے کہ اس کی ڈاڑھی بڑی لمبی تھی (میزان جلد ۲ ص ۳۳۲)۔

الا الذین امنوا ابوبکر و عمر

عن انس قال لما نزلت والتین فرح بھا النبی۔ قال فسألنا ابن عباس فقال التین بلاد الشام والزیتون فلسطین وطور سینین الذی کلم اللہ علیہ موسی والانسان محمد الا الذین امنوا ابوبکر و عمر۔ فلھم اجر عثمان۔ فما یکذبک بعد بالدین علی۔ انس صحابی سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کا سورہ تین نازل ہوا تو حضرت رسول خدا صلعم بہت خوش ہوئے۔ اس پر ہم لوگوں نے جناب ابن عباس سے پوچھا تو کہا اس سورہ میں لفظ تین سے مراد شام کے شہر ہیں۔ اور زیتون فلسطین اور طور سینین وہی کوہ طور ہے جس پر خدا نے حضرت موسیٰ سے باتیں کی تھیں۔ پھر انسان سے مقصود حضرت محمد صلعم الا الذین امنوا سے مراد ابوبکر و عمر۔ فلھم اجر سے مقصود عثمان اور فما یکذبک بعد بالدین سے مراد علی ہیں۔ اس کے راوی محمد بن بیان کے بارے میں لکھتے ہیں متھم بوضع الحدیث یہ اس بات میں متہم ہے کہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ قال ابن الجوزی ھذا وضعہ محمد بن بیان علامہ ابن الجوزی کہتے تھے کہ اس حدیث کو محمد بن بیان نے وضع کیا تھا (میزان جلد ۲ ص ۲۵۵)

حضرت عمر کا فضل

ھاشم بن القاسم بخبر منکر فی فضل عمر ضعفہ الخطیب محمد بن عبداللہ نے بھی ہاشم بن قاسم سے ایک جھوٹی حدیث حضرت عمر کی فضیلت میں روایت کی ہے علامہ خطیب نے اس کو ضعیف کہا ہے (میزان جلد ۲ ص ۱۰۰) اس مقام پر اس روایت کا ذکر کتاب مذکور میں نہیں ہے۔

اقتدوا باللذین بعدی عن ابن عمر مرفوعا اقتدوا باللذین من بعدی فیھذا لا اصل له من حدیث مالک بل ھو معروف من حدیث حذیفة بن الیمان وقال الدار قطنی ھذا یحدث عن مالک باطیل وقال ابن مندة له مناکیر۔ حضرت ابن عمر سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد (خلیفہ) ہونے والے ہیں جو ابوبکر و عمر ہیں۔ اس حدیث کی کوئی اصل مالک سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ حذیفہ بن یمان کی حدیث سے معروف ہے۔ اور امام دارقطنی نے کہا کہ یہ مالک سے جھوٹی اور باطل حدیثیں روایت کرتا رہتا ہے۔ اور ابن مندہ نے کہا کہ اس نے بہت سی غلط حدیثیں روایت کر دی ہیں۔ لا یصح حدیثه ولا یعرف بنقل الحدیث۔ اس کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں اور نہ وہ نقل حدیث میں معروف ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۰۳)۔

صحابہ کو گالیاں دینا عن معاذ قال رسول اللہ اذا ظھرت الفتن وسب اصحابی فلیظھر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین لا یقبل اللہ منه صرفا ولا عدلا معاذ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جب فتنے ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو چاہیئے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے کیونکہ جو شخص ایسا نہیں کریگا اس پر اللہ فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہوگی۔ اللہ اس سے نہ توبہ قبول کرے گا اور نہ فدیہ یا نفل نہ فرض۔ اس کے راوی محمد بن عبد المجید کے بارے میں ہے ضعفه محمد بن غالب ومن مناکیرہ۔ محمد بن غالب نے اس شخص کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی جھوٹی روایتوں سے یہ بھی ہے (جو اوپر بیان کی گئی۔ میزان جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)۔

حضرت عمر کا گریہ عن ابن عمر قال استقبل رسول اللہ الحجر ثم وضع شفتیه علیه یبکی طویلا ثم التفت فاذا عمر یبکی فقال یا عمر ھاھنا تسکب العبرات۔ جناب ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم حجر اسود کی طرف بڑھے پھر اپنے دونوں ہونٹ اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے۔ اسکے بعد مڑے تو دیکھا کہ حضرت عمر بھی رو رہے ہیں اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اے عمر اسی جگہ آنسو بہانا چاہیئے۔ اسکے راوی محمد بن عون خراسانی کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی متروک وقال خ منکر

الحدیث وقال عباس عن ابن معین لیس لبشئ۔ امام نسائی کہتے تھے کہ وہ چھوڑ دیا گیا ہے اور رخ نے کہا کہ وہ غلط حدیثیں بیان کرنے کا عادی ہے اور عباس نے ابن معین سے بیان کیا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ تھا (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۳)

آپ کی سخاوت کا نمونہ

عن جریر قال اتینا رسول اللہؐ ونحن اربع مائۃ فقلنا اطعمنا فقال لعمر قم فاطعمھم۔ قال یا رسول اللہ ماعندی الا تمر ھو فرض عیالی۔ قال قم فاطعمھم۔ قال ابوبکر اسمع واطع۔ قال فانطلق بنا فاعطانا من تمر الحدیث۔ جریر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ہم لوگ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں آئے اور ہم سب چار سو آدمی تھے۔ ہم لوگوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ ہمیں کچھ کھلایئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اٹھو اور ان لوگوں کو کھلاؤ۔ انھوں نے جواب دیا اے رسول خدا میرے پاس کچھ نہیں ہے صرف میرے عیال کی غذا کے لئے کچھ کھجوریں ہیں۔ حضرت نے فرمایا اٹھو اور ان لوگوں کو کھلاؤ۔ (اب بھی حضرت عمر نہیں اٹھے تو) حضرت ابوبکر نے (ان سے) کہا آنحضرتؐ کی بات سنو اور اس حکم کی تعمیل کرو۔ اس پر حضرت عمر ہم کو لے گئے اور کھجوروں سے دیا تا آخر حدیث۔ اس حدیث کے راوی محمد بن کثیر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ضعفہ احمد۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ وقال النسائی وغیرہ لیس بالقوی اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یروی اشیاء منکرۃ وقال حدث بمناکیر لیس لھا اصل۔ جھوٹی اور مہمل حدیثیں روایت کرتا رہتا ہے اور ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جو جھوٹی ہوتی ہیں اور جن کا نہ سر ہوتا ہے نہ پاؤں۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۳۹)۔

سیّد اکھول اہل الجنّۃ

یہ راوی محمد بن کثیر اس مشہور حدیث کا راوی بھی ہے عن انس قال رای النبیؐ ابابکر وعمر فقال ھذان سیّد اکھول اھل الجنۃ۔ جناب انس سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ابوبکر و عمر کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں اہل بہشت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار ہیں (میزان ج ۲ صفحہ ۴۳۹)

حضرت ابوبکر و عمر کے دشمن

عن انس مرفوعا فی کل جمعۃ مائۃ الف عتیق من النار الا رجلین مبغض ابی بکر و عمر۔ جناب انس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ ہر شب جمعہ میں ایک لاکھ گنہگار جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں سوائے

دو شخصوں کے جو حضرت ابوبکر و عمر کے دشمن رکھنے والے ہیں۔ اسکے راوی مسرۃ بن عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابو بکر الخطیب لیس بثقة۔ ابوبکر خطیب نے کہا کہ یہ معتبر نہیں ہے۔ قلت من موضوعاته مرابتنی الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی گڑھی ہوئی حدیثوں سے یہ بھی ہے۔ (جو اوپر لکھی گئی۔ میزان جلد ۲ ص ۴۷۹)۔

خلیفہ کی پیشانی عن ابی ہریرۃ مرفوعا اذا اراد اللہ ان یخلق خلقا للخلافۃ مسح علی ناصیته بیمینه۔ جناب ابوہریرہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ جب خدا چاہتا ہے کسی خلق کو خلافت کے لئے پیدا کرے تو اس کی پیشانی پر اپنے داہنے ہاتھ سے مسح کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں ھذا حدیث منکر والبلاء فیه من مصعب النوفلی۔ یہ حدیث چانڈو خانہ کی گپ ہے اس میں بلا مصعب نوفلی سے ہے۔ (میزان جلد ۲ ص ۴۷۹)۔

حضرت ابوبکر و عمر کی لڑائی عن ابی امامۃ قال استطال ابوبکر ذات یوم علی عمر فقام عمر مغضبا۔ فقام ابوبکر فاخذ بطرف ثوبه فجعل یقول ارض عنی واعف عنی۔ عفا اللہ عنک حتی دخل عمر الدار واغلق دون ابی بکر ولم یکلمه۔ فبلغ ذلک النبی فغضب لابی بکر فلما صلی الظهر جاء عمر فجلس بین یدیه فصرف النبی وجهه عنه فتحول یمینا۔ فصرف وجهه عنه فتحول عن یساره فصرف وجهه عنه۔ فلما رای ذلک ارتعد و بکی۔ ابوامامۃ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے اپنی بڑائی اور افضلیت بیان کی تو حضرت عمر غضبناک کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت ابوبکر بھی کھڑے ہو گئے اور ان کے دامن کا کنارہ پکڑ کر کہنے لگے مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ اور مجھے معاف کر دو۔ خدا بھی تمھیں معاف کر دے۔ مگر حضرت عمر کسی طرح نہیں راضی ہوئے وہاں سے اٹھے ہوئے آئے اور اپنے گھر میں گھس گئے۔ پھر حضرت ابوبکر بھی وہاں جانا چاہا تو اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور حضرت ابوبکر سے اس درجہ خفا ہوئے کہ ان سے بولے تک نہیں۔ اس واقعہ کی خبر حضرت رسولخدا صلعم کو ہو گئی تو حضرت کو بھی حضرت ابوبکر کیلئے غصہ آ گیا۔ پس جب نماز ظہر پڑھ چکے تو حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے۔ مگر حضرت صلعم نے اپنا رخ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر داہنی طرف چلے آئے تو آنحضرتؐ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ تب حضرت عمر بائیں

جانب چلے آئے۔ مگر آنحضرت نے اُدھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو حضرت عمر گھبرا گئے اور لگے کانپنے اور رونے تا آخر حدیث۔ اسکے راوی مطرح کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ ابوحاتم والنسائی وقال یحیی لیس بثقۃ۔ امام ابو حاتم و نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور یحیی نے کہا ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)۔

طوبیٰ لمن رانی واثلہ بن الاسقع مرفوعا طوبیٰ لمن رانی و رای من رانی و من رای من رای من رانی۔ واثلہ بن اسقع سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابہ) اور جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا (یعنی تابعین) اور جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں (تبع تابعین) کو دیکھا اس کے لئے بڑی خوشخبری ہے۔ اس کے راوی معروف بن عبداللہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابوحاتم الرازی لیس بالقوی وقال ابن عدی لہ احادیث منکرۃ جلد ا۔ امام ابو حاتم رازی کہتے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے اور ابن عدی کہتے تھے کہ اسکی حدیثیں چانڈو خانہ کی گپیں ہوتی ہیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)۔

اوراق جنت کا مکتوب عن ابن عباس مرفوعا قال دخلت الجنۃ فما فیھا ورقۃ الا علیھا مکتوب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان ذوالنورین۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میں بہشت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اسکے درختوں کا کوئی پتا ایسا نہیں ہے جس پر یہ کلمہ نہ لکھا ہو جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول۔ ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ھذا موضوع۔ یہ حدیث گڑھی ہوئی ہے۔ اسکے راوی معروف کے بارے میں ہے۔ مطعون فیہ۔ وہ بہت بدنام ہے۔ قال ابن عدی یسرق الحدیث۔ ابن عدی کہتے تھے کہ یہ حدیثوں کی چوری کیا کرتا تھا۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۱۸۴) حدیث کی چوری یہ بھی تھی کہ کسی کی شان کی حدیث کسی اور کے بارے میں بیان کر دی۔ (مثلاً حضرت علیؑ کے فضائل کا مضمون چرا کر ایسی ہی حدیث دوسروں کے لئے ڈھالی دی)۔

وزارت اور محبت کا حکم عن ابن عباس مرفوعا وزیرای من اھل الارض ابوبکر و عمر الحدیث۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت

ہے کہ اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ عن جابر مرفوعاً لا یبغض ابابکر و عمر مومن ولا یحبھما منافق۔ جناب جابر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی مومن ابوبکر و عمر کو دشمن نہیں رکھیگا۔ اور کوئی منافق ان دونوں کو دوست نہیں رکھیگا (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۹۱) اسکے راوی معلے بن میمون کے بارے میں لکھتے ہیں قال النسائی والدارقطنی متروک۔ قال ابوحاتم ضعیف الحدیث وقال ابن عدی احادیثہ مناکیر۔ امام نسائی و دارقطنی کہتے تھے کہ یہ متروک ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی حدیثیں جانڈو خانہ کی گپیں ہوتی تھیں (میزان ج ۲ ص ط)

شیخین کے پہلے برا کہنے والے عن الاعمش قال اول من سمعته ینقص ابابکر و عمر المغیرۃ المصلوب۔ اعمش بیان کرتے تھے کہ سب سے پہلے جس شخص کو میں نے سنا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتا ہے وہ مغیرہ مصلوب تھا۔ ابراہیم بن الحسن قال دخل علیؑ المغیرۃ بن سعید ثم ذکر ابابکر و عمر فلعنھما فقلت یا عدو اللہ عندی۔ قال فخنقتہ خنقاً حتے ادلع لسانہ۔ ابراہیم بن الحسن بیان کرتے تھے کہ میرے پاس مغیرہ بن سعید آیا پھر حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر کرکے ان دونوں پر لعنت کی تو میں نے کہا اے دشمن خدا! تو میرے سامنے ایسا کہتا ہے؟ اسکے بعد میں نے اس زور سے اس کا گلا گھونٹا کہ اسکی زبان باہر نکل پڑی[۱] (میزان جلد ۲ صفحہ ۴۹۱)۔

خلافت کی خوشخبری عن ابی ھریرۃ قال دخل رسول اللہؐ بماریۃ القبطیۃ بیت حفصۃ فوجدتھا معہ فعاتبتہ و قالت فی بیتی من بین بیوت نسائک۔ قال فانھا علی حرام ان امسھا یا حفصۃ الا ابشرک۔ قالت بلے۔ قال یلی الامر بعدی ابوبکر ثم ابوک الخ یعنی۔ جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ کہا حضرت رسولخدا صلعم نے جناب حفصہ کے گھر میں اپنی

---

[۱] اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کے ماننے والوں کا ایسا زور تھا کہ جو شخص انکے خلاف کسی قسم کی برائی زبان پر لاتا اسکی آفت آجاتی۔ لوگ اسکی جان کے دشمن ہو جاتے تھے۔ برخلاف اسکے حضرت رسول خداؐ کے اہلبیت پر مدت دراز تک لعنت ہوتی رہی اور منبروں تک پر ان لوگوں کو گالیاں دی گئیں۔ اور سب خوشی سے سنتے بلکہ اس پر خوش ہوتے۔ لوگوں کو انعام۔ جاگیریں اور جائزے دیتے تھے۔ ۱۲

بی بی ماریہ قبطیہ سے صحبت کی۔ تو جناب حفصہ نے دیکھ لیا۔ اس پر آنحضرتؐ سے لڑنے لگیں اور کہنے لگیں کہ واہ اپنی بیویوں کے گھروں کے درمیان میرے ہی گھر میں یہ بات؟ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا! اچھا اب ماریہ کو میں اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ انہیں چھوؤنگا بھی نہیں۔ اے حفصہ کیا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ پوچھا وہ کیا؟ فرمایا میری حکومت کے مالک (میرے خلیفہ) میرے بعد ابوبکر اور ان کے بعد تمہارے ابا جان ہی ہوں گے (لو اب جانتی ہو)۔ اس واقعہ کو پوشیدہ رکھو۔ اس کے راوی موسی بن جعفر انصاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ لا یعرف وخبرہ ساقط۔ اس شخص کا حال معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اور اس کی حدیث ساقط ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۰۹)۔

تربۃ واحدۃ عن عبداللہ مرفوعا خلقت انا وابوبکر وعمر من تربۃ واحدۃ وفیہا ندفن۔ جناب عبداللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں۔ ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں ہم تینوں دفن بھی کئے جائینگے۔ اسکے بارے میں لکھتے ہیں خبر باطل۔ یہ حدیث باطل (جھوٹی۔ موضوع) ہے۔ (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۱۲)۔

آپ کی محبت کا حکم عن ابن عباس مرفوعا من احب اللہ احبنی ومن احبنی احب قرابتی واصحابی ومن احب قرابتی واصحابی احب المساجد۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا جو اللہ کو دوست رکھیگا وہ مجھے دوست رکھیگا۔ اور جو مجھے دوست رکھے گا وہ میری قرابت اور اصحاب کو دوست رکھیگا اور جو میری قرابت اور اصحاب کو دوست رکھیگا وہ مساجد کو دوست رکھیگا۔

شیطان کا ڈرنا عن ابن عباس مرفوعا ما فی الارض شیطان الا وھو یفرق من عمر وما فی السماء ملک الا وھو یوقر عمر۔ قال ابن عدی ھذہ الاحادیث بواطیل۔ جناب ابن عباس سے یہ مرفوع روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا دنیا میں جس قدر شیطان ہیں سب عمر سے ڈرتے ہیں۔ اور آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں سب عمر کی عزت و تعظیم کرتے ہیں علامہ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ سب روایتیں مہملات (جاندو خانہ کی گپیں) ہیں۔ اور ان حدیثوں

کے راوی موسی بن عبد الرحمن کے بارے میں لکھتے ہیں لیس بثقۃ فان ابن حبان قال فیہ دجال وضع کتابا فی التفسیر۔ یہ قابل اعتبار نہیں تھا کیونکہ علامہ ابن حبان اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ دجال ہے جس نے تفسیر قرآن میں بھی ایک کتاب وضع کر ڈالی ہے۔

یہ ہٹ آسمان جائیں

عن ابن عمر ھبط جبریل فقال ان رب العرش یقول لک لما اخذت میثاق النبیین اخذت میثاقک وجعلتک سیدھم وجعلت وزیریک ابابکر وعمر ویقول لک وعزتی لو سألتنی ان ازیل السماوات والارض لازلتھا الحدیث بطولہ رواہ ابن السمعانی فی خطبۃ کتاب البلدان۔ جناب ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت جبریل حضرت رسول خدا کے پاس نازل ہوئے اور کہا اے رسول پروردگار عرش آپ سے فرماتا ہے کہ جب میں نے نبیوں کا عہد لیا تو تمہارا عہد بھی لیا اور تم کو ان سب کا سردار کیا اور ابوبکر وعمر کو تمہارا وزیر بنایا۔ اور خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے اگر تم مجھ سے سوال کرو کہ میں آسمان اور زمین کو ہٹا دوں تو میں ضرور ہٹا دونگا۔ اس کے بعد پوری حدیث بڑی لمبی ہے جس کو ابن سمعانی نے کتاب البلدان کے خطبہ میں لکھا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں ھو باطل۔ یہ حدیث بالکل جھوٹ اور باطل ہے (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۱۷)

خیر کے سوائے کچھ نہ کہو

عن ابی الدرداء اربع سمعتھن من رسول اللہؐ لا تکفروا احدا من اھل قبلتی بذنب وان عملوا الکبائر۔ وصلوا خلف کل امام وجاھدوا او قال قاتلوا۔ ولا تقولوا فی ابی بکر وعمر وعثمان وعلی الا الخیر قولوا تلک امۃ قد خلت الحدیث۔ جناب ابو درداء کہتے تھے کہ چار باتیں میں نے حضرت رسول خداؐ سے سنی تھیں۔ کہ اہل قبلہ سے کسی شخص کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرو۔ اگرچہ وہ گناہان کبیرہ بھی کرتا ہو۔ اور ہر پیش نماز کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور جہاد کرو یا یہ کہ فرمایا قتال کرو۔ اور ابوبکر وعمر وعثمان وعلی کے بارے میں خیر کے سوائے کچھ نہ کہو۔ کہو کہ یہ وہ امت ہے جو گزر گئی تا آخر حدیث۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں قال الدارقطنی من بعد عباد ضعفاء۔ امام دارقطنی نے کہا کہ عباد راوی کے بعد اس کے کل راوی ضعیف ہیں (میزان جلد ۲ صفحہ ۵۶۵)۔ اسی کی یہ روایت بھی ہے (عمر حسنۃ من حسنات ابی بکر۔

تجاوز فی قدر ان ابا بکر و عمر تجاوزا فی قدر - ابو و عمر قدر میں تجاوز کرکر

عن جابر قال بینما رسول اللہ جالس فی ملاء من اصحابہ اذ دخل ابو بکر و عمر من ابواب المسجد معہما فئام من الناس یتمارون وقد ارتفعت اصواتہما حتے انتہوا الی النبی فقال ما ھذا۔ قال بعضہم یارسول اللہ شئی تکلم فیہ ابو بکر و عمر فاختلفا لاختلافہما۔ فقال وما ذلک قالوا فی القدر قال ابو بکر یقدر اللہ الخیر لا یقدر الشر۔ وقال عمر یقدرھما جمیعا وکنا نتمارے فی ذلک فقال الا اقضی بینکما بقضاء اسرافیل بین جبرئیل ومیکائیل فقیل وقد تکلم فیہ جبرئیل و میکائیل فقال والذی بعثنی بالحق انہما لاول الخلائق تکلما فیہ و ذکر الحدیث وفیہ یا ابا بکر ان اللہ ولم یشأ ان یعصی ماخلق ابلیس۔

جناب جابر سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے ایک دفعہ حضرت رسولخداصلعم اصحاب کے مجمع میں بیٹھے تھے اتنے میں مسجد کے دروازوں سے وہاں حضرت ابوبکرو عمر بھی آتے ہوئے دکھائی دیئے اور ان کے ساتھ کئی گروہ لوگ تھے جو ایک دوسرے سے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر اپنی آوازیں بلند کئے ہوئے تھے۔ اسی طرح بحث کرتے اور لڑتے ہوئے وہ سب حضرت رسول خدا صلعم کے پاس پہونچ گئے تو حضرت نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا اے رسولخدا صلعم ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں حضرت ابوبکر نے بھی کلام کیا اور حضرت عمر نے بھی مگر دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کہا۔ اسی وجہ سے دونوں اختلاف کر رہے ہیں آنحضرت نے پوچھا کس مسئلہ میں یہ نزاع پیدا ہوگئی؟ لوگوں نے کہا مسئلہ قضاؤ قدر

لہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "القضاء المقرون بالقدر قضا اور قدر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن ایک پایہ کی طرح ہے اور دوسری عمارت کی طرح۔ قدر پہلے ہوتی ہے پھر قضا۔ تو قضا سے پیدا کرنا مراد ہے۔ بعضوں نے کہا قضا اُس حکم کلی کا نام ہے جو ازل میں اللہ تعالے نے دیا اور قدر اس کی جزئیات تفصیلی۔ اس صورت میں قضا پہلے ہوگی۔ پھر قدر واللہ اعلم" (انوار اللغۃ)

کے بارے میں حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ خدا خیر کی تقدیر کرتا ہے اور شر کو مقدر نہیں کرتا اور حضرت عمر کہتے ہیں کہ خدا دونوں کی تقدیر کرتا ہے۔ ہم لوگ اسی بات میں اختلاف کر رہے ہیں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا اچھا کیا ہم تم لوگوں میں وہ فیصلہ نہ کردیں جو اسرافیل نے جبریل و میکائیل کی نزاع کے بارے میں کردیا تھا؟ لوگوں نے پوچھا کیا اس مسئلہ میں حضرت جبریل و میکائیل بھی مناظرہ کرچکے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا اس قادر مطلق کی کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے یقیناً وہی دونوں تمام مخلوقات میں پہلے وہ ہیں جنھوں نے اس مسئلہ میں بحث کی۔ اس کے بعد پوری حدیث ذکر کی۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اے ابوبکر اگر خدا اس کو نہ چاہتا کہ لوگ اس کا گناہ کریں تو وہ شیطان کو پیدا ہی نہیں کرتا۔ اس کا راوی یحیےٰ بن زکریا ہے جس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خبر باطل۔ اسکی یہ روایت بالکل غلط ہے (میزان جلد ۲ ص۷۵)

آپ کا بہشتی ہونا عن عبد اللہ مرفوعا ان عمر من اھل الجنۃ۔ جناب عبداللہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ یقیناً عمر بہشت والوں سے ہیں۔ اس کے راوی یحییٰ بن یمان کے بارے میں ہے قال احمد لیس بحجۃ۔ امام احمد کہتے تھے کہ یہ حجت نہیں ہے۔ وقال ابن معین و النسائی لیس بالقوی۔ ابن معین اور امام نسائی نے کہا کہ یہ شخص ٹھیک نہیں ہے (میزان جلد ۲ ص۵۹)

رسولؐ کا پیشاب کرنا عن عائشۃ ان رسول اللہ بال فاتبعہ عمر بکوز فقال ماھذا یا عمر۔ قال ماء توضاء یا رسول اللہؐ۔ قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت کانت سنۃ۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ حضرت رسو لخدا صلعم نے پیشاب کیا تو حضرت عمر دوڑ کر ایک کوزہ پانی لے گئے۔ حضرتؐ نے پوچھا عمر! یہ کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۱) پ۲ ص۱۰) "القدر سر من الاسرار تقدیر اللہ تعالے کا ایک راز ہے جس کا سمجھنا دشوار ہے اور اس میں سوالات اور بحث کرنا منع ہے بس اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالے نے آدمیوں میں سے ایک گروہ کو بہشت کے لئے پیدا کیا اور ایک گروہ کو دوزخ کے لئے اور یہ عدل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر مالک کو اپنے ملک میں جس طرح مناسب سمجھے تصرف کا اختیار رہے" (انوار اللغۃ پ۱ ص۳۳) - ۱۲ منہ

کہا پانی ہے۔ اس سے استنجا کر لیجئے سلہ حضرتؐ نے فرمایا مجھے خدا نے اس کا حکم نہیں دیا ہے کہ جب پیشاب کروں تو استنجا بھی کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو یہ بھی سنت سمجھ لیا جائیگا۔ اس کے راوی کے بارے میں لکھتے ہیں ضعفہ ابن معین۔ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۵۹۷)

حضرت عمر کے فضائل آپکے فرزند حضرت عبداللہ کی زبانی

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فضائل بھی ذکر کیے جائیں جن کو صرف آپ کے فرزند نے بیان کیے ہیں یا آپ کے فرزند کی روایتیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ (۱) قال کنا نعد و رسول اللہؐ حی و اصحابہ متوافرون ابوبکر و عمر و عثمان ثم نسکت۔ حضرت عمر کے صاحبزادے فرماتے تھے کہ رسولخدا صلعم کی زندگی میں جب صحابہ کثرت سے موجود تھے ہم لوگ صرف حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو شمار کرتے تھے پھر خاموش ہو جاتے تھے (یعنی اور صحابہ اس قابل بھی نہیں تھے کہ ان کا شمار تک ہو سکے۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص۱۴) (۲) قال کنا نقول فی زمن النبیؐ رسول اللہؐ خیر الناس ثم ابوبکر ثم عمر۔ و لقد اوتی ابن ابی طالب ثلاث خصال لان تکون لی واحدۃ منھن احب الی من حمر النعم زوجہ رسول اللہ ابنتہ وولدت لہ وسد الابواب الا بابہ فی المسجد و اعطاہ الرایۃ یوم خیبر۔ ممدوح فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ ہی میں کہتے تھے کہ رسول خدا صلعم سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر۔ اگرچہ فرزند ابوطالب کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جن سے اگر ایک بھی مجھے مل جاتی تو وہ مجھے سرخ رنگ کے اونٹوں سے زیادہ پیاری ہوتی۔ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے

سلہ یہاں تو صاف سے استنجا کرنا ہی مقصود ہو سکتا ہے نہ وضو کرنا کیونکہ اگر حضرتؐ کے پاس پانی موجود ہوتا اور حضرت اس سے استنجا کرتے تو حضرت عمر کو پانی لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی پانی سے استنجا کرنے کے بعد آنحضرتؐ وضو بھی کر لیتے۔ مگر حضرت عمر کا فوراً پانی لے جانا بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بغیر پانی کے پیشاب کر لیا اور استنجا کرنا ضروری نہیں خیال کیا ۱۲ منہ

اپنی بیٹی کی شادی اون سے کی اور اون بیٹی سے اولاد بھی ہوئی۔ اور حضرت رسول خدا صلعم نے مسجد میں سب لوگوں کے دروازے بند کرا دیئے سوا اسے حضرت علیؓ کے دروازے کے کہ اس کو کھلا ہی رہنے دیا۔ تیسری فضیلت یہ کہ حضرت علیؓ ہی کو جنگ خیبر میں آخری دفعہ لشکر کا علَم عنایت فرمایا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶)۔ قابل غور یہ امر ہے کہ باوجود حضرت علیؓ کی ان فضیلتوں کے حضرت ابن عمر وغیرہ یہی کہتے رہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد بہترین ناس حضرت ابوبکر و عمر ہیں: (۳) عن ابن عمر عن رؤیا رسول اللہ صلعم فی ابی بکر و عمر قال رأیت الناس قد اجتمعوا فقام ابوبکر فنزع ذنوبا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف واللہ یغفر لہ ثم نزع عمر فاستحالت غربا فما رأیت عبقریا من الناس یفری فریہ حتی ضرب الناس بعطن۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں یہ خواب دیکھا کہ لوگ جمع ہیں تو حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری[1] معلوم ہوئی اور اللہ ان کو بخش دیگا۔ پھر حضرت عمر نے نکالے تو وہ ڈول پلٹ کر چرسا[2] ہوگیا تو میں نے ایسا سردار نہیں دیکھا جو ان کی طرح عمدہ کام کرتا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا[3] (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸)۔ قابل غور یہ

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "فنزع ذنوبا او ذنوبین اونھوں نے یعنی ابوبکر صدیق نے ایک دو ڈول نکالے۔ وہ بھی ناتوانی کے ساتھ۔ اس میں اشارہ ہے کہ خلافت کا زور شور اور رعب و داب اُن کے وقت میں نہ ہوگا۔ انکی خلافت دو برس تین مہینے رہی تو ہر سال کے پیچھے ایک ڈول ہوا اور تین مہینے کو حساب میں نہیں رکھا۔ یہ راوی کی شک ہے کہ ایک ڈول فرمایا یا دو ڈول چونکہ انکی خلافت دو برس زیادہ رہی تو دو ڈول صحیح ہوئے" (انوار اللغۃ پ ۹ صفحہ ۲۹) [2] مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "فاخذ عمر اللہ لو فاستحالت غربا۔ حضرت عمر نے اوس ڈول کو لیا جس سے ابوبکر پانی نکال رہے تھے تو اون کے ہاتھ میں وہ چرسا ہوگیا بڑا ڈول جو بھینس یا بیل کی کھال سے بنایا جاتا ہے جس سے کھیت سینچتے ہیں" (انوار اللغۃ پ ۱۹ صفحہ ۱۹) [3] مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "فلم ار عبقریا یفری فریہ میں نے ایسا سردار نہیں دیکھا جو اُن کا سا کام کرسکتا ہو۔ مراد حضرت عمر ہیں۔ اصل میں

امر ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ایسا خواب دیکھا جس میں صرف حضرت ابوبکر و عمر کے کارنامے تھے۔ اس خواب میں نہ حضرت عثمان اور آپ کے کارنامے دکھائی دیئے۔ حالانکہ وہ بھی خلفاء ثلثہ میں ہیں۔ اور ان کی خلافت کا زمانہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے بہت زیادہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں بھی فتوحات ہوئیں۔ اور نہ حضرت علیؑ اور آپ کے کارنامے دکھائے گئے۔ حالانکہ حضرت علیؑ نے اسلام کی اندرونی بغاوتوں کو جس طرح فرو کیا یہ آپ ہی کا کام تھا۔ باوجود ایسے خواب کے حضرت رسولخدا صلعم نے یہ اعلان نہیں کیا کہ اے مسلمانو! میں نے ۳ھ بعثت میں اپنا خلیفہ تم لوگوں کے لئے علیؑ کو مقرر کر چکا تھا اور کہہ چکا تھا کہ یہی علیؑ میرے وزیر میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کی بات ماننے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ وکامل جلد ۲ صفحہ ۲۲ وغیرہ) اب اس حکم کو منسوخ کرتا ہوں میں نے خواب میں ابوبکر و عمر کے متعلق ایسی باتیں دیکھی ہیں۔ اس وجہ سے تم سب کو مطلع کرتا ہوں کہ اب میرے بعد تم لوگ ابوبکر کو خلیفہ اول اور عمر کو خلیفہ ثانی سمجھنا بلکہ آنحضرتؐ نے اس کے عوض پھر آخری حج کے بعد مجمع عام میں من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ کہہ کر حضرت علیؑ ہی کی خلافت کی تاکید کر دی۔ بلکہ اپنی طرح حضرت علیؑ کو بھی سب مسلمانوں کا مولےٰ بنا دیا۔ کس درجہ حیرت خیز امر ہے !!!

(۴) عن ابن عمر قال خرج علینا رسول اللہؐ ذات غداۃ بعد طلوع الشمس فقال رأیت قبیل الفجر کانی اعطیت المقالید والموازین فاما المقالید فھذہ المفاتیح۔ واما الموازین فھی التی تزن بھا۔ فوضعت فی کفۃ ووضعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴) عبقری ہر نادر چیز کو کہا کرتے تھے۔ پھر سردار اور قوم کے بڑے شخص کو بھی کہنے لگے" (انوار اللغۃ پ ۱ صفحہ ۱) فلم ار عبقریا یفری فریہ میں نے اُن کا سا سردار نہیں دیکھا جو اُن کی طرح کام کرتا ہو۔ یہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کی شان میں فرمایا" (پ ۲ صفحہ ۶۱) "حتے ضرب الناس بعطن۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی اونٹنیوں کو پانی پلا کر پانی کے گرد بٹھا دیا۔ یعنی حضرت عمر کے وقت میں اسلام پھیلے گا اور فتوحات اتنی بے شمار ہونگی کہ لوگ مال اور دولت سے سیراب ہو جائینگے (انوار اللغۃ پ ۱ صفحہ ۱۲)

امتی فی کفۃ فوزنت بھم فرجحت ثم جئی بابی بکر فوزن بھم فوزن۔ ثم جئی بعمر فوزن ثم جئی بعثمان فوزن بھم ثم رفعت۔ حضرت عمرؓ کے صاحب زادے کہتے تھے کہ ایک روز صبح کو طلوع آفتاب کے بعد حضرت رسولخدا صلعم ہم لوگوں کی طرف تشریف لائے اور فرمایا صبح سے کچھ پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کچھ کنجیاں اور ترازو دی گئی ہیں۔ تو میں ترازو کے ایک پلڑے میں اور میری امت اس کے دوسرے میں رکھی گئی اور دونوں تولے گئے تو میں بھاری نکلا۔ پھر ابوبکرؓ لائے گئے اور امت کے ساتھ تولے گئے تو وہ وزنی نکلے۔ پھر عمرؓ لائے گئے اور تولے گئے تو وہ بھی وزنی نکلے۔ پھر عثمانؓ لائے گئے اور تولے گئے تو وہ ترازو ہی اٹھالی گئی (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۷۶)۔ حضرت علیؓ کو اتنا درجہ بھی نہیں دیا گیا کہ کم از کم آپ بھی تول لئے جاتے اگرچہ آپ کا وزن بہت کم دکھایا جاتا۔

(۵) عن ابن عمر کان رسول اللہؐ وابوبکر وعمر وعثمان ینزلون بالابطح۔ حضرت رسولخداؐ اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان ابطح میں اترتے تھے (مسند جلد ۲ صفحہ ۸۹)۔ مقصود یہ ہے کہ تینوں حضرات بالکل وہی کرتے جو حضرت رسولخدا صلعم کو کرتے دیکھتے تھے۔ اس میں بھی حضرت علیؓ کی طرف سے بالکل خاموشی اختیار کرلیگئی۔

(۶) یقول قال رسول اللہؐ بینا انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت منہ حتی انی لاری الری یخرج من اطرافی فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب فقال من حولہ فما اولت ذلک یا رسول اللہ قال العلم۔ صاحب زادے فرماتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اس حال میں کہ میں سوتا تھا خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ اس سے میں نے پیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اسکی تری اور تازگی میرے اطراف سے نکلنے لگی۔ تب میں نے اس پیالہ کا باقی حصہ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ حضرتؐ کے پاس جو صحابہ موجود تھے انھوں نے پوچھا یا حضرت آپ نے اس کی تعبیر کیا دی؟ فرمایا وہ پیالہ علم کا تھا (مسند جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)

(۷) اطلع رسول اللہؐ علی اھل القلیب بدر ثم ناداھم فقال یا اھل القلیب ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ قال اناس من اصحابہ یا رسول اللہؐ وتنادی ناسا امواتا فقال رسول اللہؐ ما انتم باسمع لما قلت لھم

حضرت رسولخدا صلعم غزوہ بدر کے کنوئیں پر تشریف لائے اور مقتولین سے جو لوگ اس میں ڈال دیئے گئے تھے ان کو پکار کر فرمایا اے کنوئیں والو! خدا نے تم سے جس بات کا وعدہ کیا تھا اس کو تم لوگوں نے سچ دیکھ لیا نہ؟ اس پر صحابہ سے کچھ لوگوں نے عرض کی اے رسولخدا آپ مردہ لوگوں کو پکارتے ہیں؟ تو حضرتؐ نے فرمایا میں تو جو بات ان لوگوں سے کہی اُس کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سُنتے ہو (مسند احمد جلد ۲ صا ۱۳۱)۔ اس تعین میں حضرت کے صاحب زادے نے آنحضرتؐ پر اعتراض کرنے والے کا نام غائب کر دیا۔ حالانکہ مورخین نے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت عمر ہی تھے۔ مثلاً علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں سے فرمایا فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال عمر یا رسول اللہؐ ما تکلم من اجساد لا ارواح فیھا فقال رسول اللہ والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ مجھسے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا میں نے اُس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اس بات کو حق پایا جس کا وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ اس پر حضرت عمر نے کہا آپ ایسے جسموں سے کیا کلام کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا خدا کی قسم تم لوگ ان سے زیادہ سُننے والے نہیں ہو (تاریخ خمیس جلد ا صا ۳۸۳)۔ اسکی تفصیل آئندہ آئیگی انشاء۔

(۸) عن ابن عمر قال اول صدقۃ کانت فی الاسلام صدقۃ عمر۔ حضرت کے صاحب زادے فرماتے تھے کہ اسلام میں سب سے پہلا صدقہ حضرت عمر کا صدقہ تھا۔ (مسند جلد ۲ صہ ۱۵۷)

حضرت عائشہ کی روایات فضائل حضرت عائشہ کو حضرت عمر کا جس درجہ خیال تھا اور جو ہونا بھی چاہیئے وہ محتاج بیان نہیں اس وجہ سے بعض ان روایتوں کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے جو جناب معظمہ سے حضرت ممدوح کے فضائل میں منقول ہیں (۱) عن عائشۃ عن النبیؐ قال قد کان فی الامم محدثون فان یکن من امتی فعمر۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا دوسری امتوں میں محدث لوگ ہوئے ہیں اگر میری امت سے بھی کوئی ہوگا تو وہ عمر ہیں (مسند احمد جلد ۶ صہ ۵۵)۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں" اگلی امتوں میں محدث لوگ گزرے ہیں۔ اگر میری

امت میں بھی کوئی محدث ہو تو وہ عمر ہونگے۔ مُحَدَّثْ اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ کیطرف سے الہام ہوتا ہے یعنی روشن ضمیر۔ اس کا گمان صحیح نکلتا ہے۔ اسکی رائے اکثر درست پڑتی ہے" (انوار اللغۃ پ ۶ ص ۳۰)۔ (۲) عن عائشۃ قالت قبض رسول اللہؐ ولم یستخلف احد او لو کان مستخلفا احدا الا استخلف ابا بکر وعمر۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم دنیا سے تشریف لے گئے مگر کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ اور اگر کسی کو بھی خلیفہ کرتے تو وہ یا ابو بکر ہوتے یا عمر (مسند جلد ۶ ص ۶۳)۔ اس پر یہ پوچھنے والے دریافت کر سکتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے کسی کو خلیفہ کیا ہی نہیں تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اگر حضرتؐ کسی کو خلیفہ کرتے تو وہ حضرت ابو بکر و عمر کے سوا کوئی نہیں ہوتا؟ (۳) عن عائشۃ قالت کنت عند النبیؐ فقال یا عائشۃ لو کان عندنا من یحدثنا۔ قالت قلت یا رسول اللہ الا ابعث الی ابی بکر فسکت۔ ثم قال لو کان عندنا من یحدثنا۔ فقلت الا ابعث الی عمر فسکت۔ قالت ثم دعا وصیفا بین یدیہ فسارہ فذہب قالت فاذا عثمان یستأذن فاذن لہ فدخل فناجاہ النبیؐ طویلا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس تھی تو حضرتؐ نے فرمایا اے عائشہ کاش اس وقت کوئی میرے پاس ہوتا جو مجھ سے باتیں کرتا۔ میں نے عرض کی اے رسولخداؐ کیا میں حضرت ابو بکر کو بلا لاؤں؟ اس پر حضرتؐ خاموش ہو گئے۔ پھر وہی بات فرمائی کہ کاش کوئی ہوتا جس سے میں باتیں کرتا۔ اب میں نے کہا حضرت عمر کو بلا دوں؟ اب بھی حضرتؐ خاموش رہے۔ پھر حضرتؐ نے خود ہی ایک غلام کو اپنے سامنے بلا کر اس کے کان میں کچھ کہا تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر میں حضرت عثمان پہونچ گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرتؐ نے اجازت دے دی تو وہ داخل ہو گئے۔ اُن سے دیر تک راز کی باتیں کرتے رہے (مسند احمد جلد ۲ ص ۷)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کو حضرت ابو بکر و عمر کا خیال ہر وقت اور ہر امر کے لئے رہتا تھا۔ اور چاہتی تھیں کہ جو کچھ عزت و شرف و خصوصیت حاصل ہو انھیں دونوں بزرگوں کو۔ (۴) قالت عائشۃ تحضرہ رسول اللہؐ و ابو بکر و عمر قالت فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاعرف بکاء عمر من بکاء ابی بکر وانا فی حجرتی وکانوا کما قال اللہ عز وجل رحماء بینہم۔ حضرت عائشہ سے ایک لمبی روایت ہے

اسکے نقل میں طول ہوگا۔ اوسس کا ایک ٹکڑا یہ ہے ممدوحہ فرماتی ہیں کہ وہاں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابو بکر و عمر بھی آئے۔ خدا کی قسم میں حضرت عمر کے رونے کو حضرت ابو بکر کے رونے سے پہچانتی تھی اور میں اسس وقت اپنے حجرے میں تھی اور وہ لوگ بالکل خدا کی اسس آیت کے مصداق تھے رحماء بینھم یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحیم ہیں (مسند جلد ۶ صفحہ ۱۴۲)۔ (۵) عن عائشۃ قالت قال النبیؐ فی مرضہ الذی مات فیہ مروا ابا بکر یصلی بالناس قلت ان ابا بکر اذا قام مقامک لم یسمع الناس من البکاء۔ قال مروا ابا بکر۔ فقلت لحفصۃ قولی ان ابا بکر لا یسمع الناس من البکاء فلو امرت عمر۔ فقال صواحب یوسف مروا ابا بکر یصلی بالناس۔ فالتفتت الی حفصۃ فقالت لم اکن لاصیب منکؐ خیرا۔ جناب معظمہ ہی کا بیان ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے مرض موت میں فرمایا تم لوگ ابو بکر سے کہدو وہی لوگوں کو نماز پڑھادیں۔ میں نے عرض کی ابو بکر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو اتنا روئیں گے کہ لوگوں کو ان کی نماز سنائی بھی نہیں دیگی۔ مگر پھر حضرتؐ نے یہی کہا کہ ابو بکر سے کہدو۔ اس پر میں نے بی بی حفصہ سے کہا بہن! تم کہدو کہ حضرت ابو بکر اپنی شدت گریہ سے لوگوں کو نماز سنا نہیں سکیں گے۔ آپ حضرت عمر کو کیوں نہیں حکم دیتے کہ نماز پڑھادیں لہ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا تم سب

لہ فاضل معاصر شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اسس مقام کے متعلق جو لکھا ہے اس کا نقل کردینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ تحریر کرتے ہیں "رہ گئیں عائشہ تو اُن کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب ... نے عائشہ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہ بولیں کہ ابو بکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ ان سے آپ کی جگہ نماز پڑھاتے نہیں بن پڑیگی۔ عمر کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر فرمایا انکن لصواحب یوسف نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابو بکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ... اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا انکن لصواحب یوسف ... سوچ کر ہم ہی نے مطلب نکالا کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ کے مطلق چرتر کیطرف

یوسف والیاں ہو۔ ابوبکر ہی سے کہدو کہ نماز پڑھادیں۔ اس پر حفصہ میری طرف مخاطب ہو کر بولیں میں کبھی تم سے بھلائی نہیں پا تی! (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۰۲)۔ قابل غور امر یہ ہے کہ حضرت عائشہ آنحضرت کی جگہ امامت کے لئے صرف حضرت عمر ہی کو کیوں تجویز کرتی ہیں؟ درصورتیکہ حضرت رسولخدا صلعم نے اس کے قبل کوئی مذہبی خدمت آپ کے متعلق نہیں کی۔ اس سے کچھ ہی قبل آنحضرت صلعم نے دو باتیں ایسی کی تھیں جن سے حضرت عائشہ بھی آسانی سے سمجھ گئی ہونگی کہ حضرت رسولخدا صلعم کی جگہ نماز پڑھانے یا اور کسی دینی خدمت کے سزاوار صرف حضرت علیؑ ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سنہ ۹ ہجری کے آخر ماہ ذیقعدہ میں آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا سردار مقرر کرکے بھیجا اور سورہ براءۃ کی آیتیں حاضرین حج کو سنانے کا حکم دیا مگر فوراً جناب جبرئیل آنحضرت کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمدؐ یہ آپ نے کیا کیا! اس سورہ کو آپ کی جانب سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہونچا سکتا!!! تب حضرت نے ان کے پیچھے ہی حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور فرمایا کہ جلد جاکر ابوبکر سے ملو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹) اشارہ کیا۔ قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ کید سے تعبیر کیا ہے ∴ ان کیدکن عظیم ... یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں ... زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو۔ عائشہ کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامۃ اور خلافۃ بھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبر صاحب کو معلوم تھا۔ اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو نا قابل امامۃ بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابوبکرؓ سے بڑھکر پیغمبر صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اس کے یہ معنے کہ ابوبکر سے بڑھکر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں۔ اور یہی تمام صحابہؓ میں افضل اور اولےٰ بالامامۃ والخلافۃ ہیں ... ذم کے پیرایہ میں مدح۔ من چاہے منڈیا ہلائے۔ اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں اور اسی پر پیغمبر صاحب نے عائشہ کو زلیخا سے تشبیہ دی ... بھلا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فاطمہ اور علیؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی۔ مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علیؓ اور فاطمہؓ کو عائشہ کی یا کسی اور کی پرواہی کیا تھی" (کتاب امہات الامۃ از صفحہ ۹۰ تا ۱۱۲)

سورہ برارۃ اون سے لے کر ادنھیں میرے پاس بھیج دو اور تم خود اسس سورہ کو پہونچاؤ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا جس پر حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا یا حضرتؐ کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہوا؟ میں نے کیا جرم کیا جس سے یہ خدمت مجھ سے چھین لی گئی؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یہی بہتر تھا کیونکہ دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی اور شخص نہیں پہونچا سکتا (صحیح بخاری پ۱۹ ص۱۹۴ مع شرح فتح الباری)۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں ہی اسس کام پر مقرر ہوئے تھے پھر دونوں ہی معزول ہوئے اور حضرت علی کے سپرد یہ کام ہوا (قرۃ العینین ص۲۳۴)۔ اسس سے ثابت ہوا کہ حضرت رسو لخدا صلعم کی جگہ مذہبی کام کرنے کی قابلیت خدا اور رسولؐ نے نہ حضرت ابوبکر میں دیکھی نہ حضرت عمر میں۔ پھر بھی حضرت عائشہ نے بار بار حضرت عمر ہی کا نام لیا اور حضرت علیؑ کا ذکر کیسا اشارہ تک نہیں کیا۔

دوسری بات حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلعم نے سب مسلمانوں سے فرمادیا تھا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس سے واضح تر کوئی اور امر اس کے ظاہر کرنے کا ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت رسولخداؐ کے دینی کاموں کو بہترین طور پر انجام دینے کی صلاحیت حضرت علیؑ سے بہتر کسی میں نہیں تھی۔

جناب عبداللہ ابن عمر کے مختصر حالات اسس مقام پر حضرت عمر کے فضائل کی وہ روایتیں لکھی گئیں جو حضرت کے صاحب زادے اور حضرت عائشہ سے مروی ہیں۔ اب ذرہ ان دونوں بزرگوں کے مختصر حالات بھی سن لو تاکہ تم اس کا اندازہ کرسکو کہ ان لوگوں سے مذہبی امور میں اسکے سوا کیا توقع کی جاسکتی تھی۔ آپ سنہ۳ بعثت میں پیدا ہوئے اور سنہ۷۴ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ ان لوگوں سے ہیں جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاذ و عائشہ سے روایتیں کی ہیں اور آپ سے سالم و عبد اللہ و حمزہ و بلال وغیرہ نے روایتیں لی ہیں (اصابہ جلد ۴ ص۱۰۷)۔ جس سے واضح ہے کہ آپ نے اہلبیتؑ کے کسی بزرگ کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے کوئی روایت لیتے اور نہ اہلبیتؑ سے کسی شخص نے کوئی روایت آپ سے لی۔ جس سے

آپ کے تعلقات حضرات اہلبیتؑ کے ساتھ نمایاں ہیں۔ اور جب اہلبیتؑ کے ساتھ یہ برتاؤ تھا تو پھر حضرت عمر کے فضائل میں آپ کی روایتیں جس کثرت سے اور جس عنوان کی ہوسکتی ہیں وہ محتاج توضیح نہیں۔ اس لئے کہ اول تو آپ حضرت ممدوح کے فرزند ارجمند اور پھر اہلبیتؑ کی طرف آپ کا وہ رُخ۔

آپ نے آنحضرت صلعم کے بعد بارہ اچھے لوگوں کی یا بارہ خلفاء کی جو فہرست بنائی اس سے بھی حضرت علیؑ وامام حسنؑ وحسینؑ کا نام نکال دیا۔ حالانکہ حضرت علیؑ کو سب اہلسنت خلیفہ رابع اور حضرت امام حسنؑ کو بھی صلح معویہ تک خلیفہ رسولؐ مانتے ہیں اور امام حسینؑ کی شہادت کا سب کو اقرار ہے۔ مگر جناب عبداللہ کی تحقیق دیکھو۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ واخرج ابن عساکر عن عبد اللہ بن عمر قال ابو بکر الصدیق اصبتم اسمہ۔ عمر الفاروق قرن من حدید اصبتم اسمہ۔ ابن عفان ذوالنورین قتل مظلوما یوتی کفلین من الرحمۃ۔ معویۃ وابنہ ملکا الارض المقدسۃ۔ والسفاح۔ وسلام والمنصور وجابر والمہدی والامین وامیر الغضب کلھم من بنی کعب بن لوئی کلھم صالح لایوجد مثلہ قال الذھبی لہ طرق عن ابن عمر ولم یرفعہ احد۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر کہتے تھے ابو بکر صدیق ان کا اچھا نام تم لوگوں نے تجویز کیا۔ عمر الفاروق لوہے کی ایک سینگ یا سلاخ تھے۔ ان کا نام بھی تم لوگوں نے ٹھیک رکھا ہے۔ (حضرت عثمان) ابن عفان ذوالنورین تھے جو مظلوم قتل کئے گئے اُن کو رحمت کے دو حصے دیئے جائیں گے۔ پھر معویہ اور ان کے فرزند (یزید) دونوں ارض مقدس کے بادشاہ ہوئے۔ پھر سفاح وسلام ومنصور وجابر ومہدی وامین وامیر الغضب۔ یہ سب کے سب کعب بن لوئی کی اولاد سے تھے۔ اور سب ایسے نیک تھے جن کا مثل پایا ہی نہیں جاسکتا۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ اس قول کے بہت سے طریقے ابن عمر سے ہیں اور کسی نے اس کو مرفوع نہیں قرار دیا ہے (تاریخ الخلفاء صـ۱۴۳)۔ دیکھتے ہو! جناب عبداللہ بن عمر خلفاء رسولؐ کا ذکر کرتے ہیں مگر اُن کی نظر میں حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ وامام حسینؑ ایسے تھے جن کو آپ نے کسی وجہ سے بھی قابل ذکر نہیں سمجھا نہ دنیوی اعتبار سے نہ دینی حیثیت سے۔ پھر حضرت عمر کے فضائل بیان کرنے میں آپ کے جذبات جیسے رہتے ہوں گے وہ کالشمس فی وسط النہار ہیں اسی

زیادہ سنو۔ مورخین نے تصریح کی ہے وقعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیۃ لم یروا الا الخروج عن الامر منہم سعد ابن وقاص وعبد اللہ بن عمر و بایع یزید بعد ذلک وا لحجاج لعبد الملک بن مروان۔ حضرت علیؓ کی بیعت سے ایک جماعت جو حضرت عثمان کی ماننے والی تھی علیحدہ رہی وہ کہتی تھی اس امر سے باہر ہی رہنا چاہیئے۔ ان لوگوں میں سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمر تھے ۔ حالانکہ ان عبد اللہ بن عمر نے اس کے بعد یزید کی بیعت بھی کی (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ■ صـ۱۷۸) علامہ سیوطی نے لکھاہے قال ابن عمر حین بویع یزید ان کان خیرا رضینا وان کان بلاء صبرنا جب یزید کی بیعت ہو رہی تھی تو عبد اللہ بن عمر کہتے تھے کہ اگر یزید اچھا ہے تو ہم لوگ راضی رہیں گے اور اگر بلا ہے تو ہم لوگ صبر کریں گے (تاریخ الخلفاء صـ۱۳۴) ۔ اس سے زیادہ سنو۔ اخرج البخاری فی صحیحہ عن نافع قال لما خلع اہل المدینۃ یزید بن معویۃ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبیؐ یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ہذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعہ ولا تابع فی ہذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔ صحیح بخاری میں نافع سے مروی ہے کہ جب مدینہ والوں نے یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو جناب عبد اللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور حشم کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میں نے رسولخدا صلعم سے سُنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک عَلم نصب کیا جائیگا اور یقیناً ہم لوگ اس شخص (یزید) کی بیعت خدا اور رسولؐ کی بیعت کے مطابق کر چکے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کوئی غداری اس سے بھی بڑھکر ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کی بیعت خدا اور رسولؐ کی بیعت کے مطابق کرلی جائے پھر اس سے لڑائی چھیڑ دی جائے۔ اور میں تم میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے یزید کی بیعت چھوڑ دی ہو اور اس امر میں میری موافقت نہیں کی ہو مگر یہ کہ میرے اور اس کے درمیان بھی اسی طرح جدائی ہو جائیگی (صحیح بخاری پ۲۹ صـ۵۵۶) اللہ اکبر! آپ یزید کی حمایت پر اس طرح کمر بستہ ہیں کہ جو شخص یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو جائیگا اس سے آپ بھی علیحدگی اختیار کرلیں گے۔ ناظرین کتاب

صبر سے ان کل بیانات کو دیکھتے رہیں۔ یہ حضرت عمر ہی کی سوانح عمری ہے عبد اللہ بن عمر کی نہیں مگر ان مضامین سے آپ کو یہ اندازہ ہوتا جائیگا کہ حضرت عمر کے لئے اسلام کی فضا کس درجہ موافق تھی کہ خاندان بنی امیہ کے بڑے رکن۔ یزید بن ابو سفیان کو آپ نے پہلی خلافت کے زمانہ میں شام کا گورنر بنا کر اپنے موافق کر لیا اور آپ کے بیٹے عبد اللہ نے یزید بن معویہ کی بیعت اور حمایت کر کے تمام۔ بنی امیہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر فضائل حضرت عمر کتابوں میں کیوں نہ اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں جس حکومت (بنی امیہ) کو جناب عبد اللہ بن عمر کی خوشی اس درجہ مطلوب تھی کہ اوس نے بیعۃ یزید کے لئے آپ کو ایک لاکھ روپئے دیدیئے جسکے بعد آپ نے یزید کی بیعت کر لی (شرح صحیح بخاری پ ۱ ص۵۵۵) اوس نے جناب عبد اللہ کے خوش رکھنے کے لئے بھی حضرت عمر کے فضائل کے شائع کرنے میں کس درجہ اہتمام کیا ہوگا۔ صرف۔ یزید ہی کی بیعت آپ نے نہیں کی بلکہ عبد الملک بن مروان کی بیعت اس سلطنت کے گورنر حجاج ثقفی کے پاؤں پر جا کر کی (شرح ابن ابی الحدید جلد ص)۔ اس اطاعت و انقیاد سے بھی حجاج اور دوسرے ارکان و عمال بنی امیہ کے دلوں میں آپ کی جس درجہ جگہ ہوئی اوس کا سمجھنا آسان ہے۔ غرض حضرت عمر کے فضائل کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلفاء راشدین کے بعد خلفاء بنی امیہ کے زمانہ میں مدت دراز تک آپ کے صاحبزادے موجود رہے اور آپ نے سب کو حد سے زیادہ خوش رکھا جس نے جو کہا وہ کیا۔ اور جن باتوں کو دوسرے غیرت مند افراد پسند نہیں کرتے تھے ان پر آپ بہت آسانی سے آمادہ ہو گئے۔ پھر حضرت عمر کے بعد وہ خلفاء جو انھیں کے جانشین ہوتے رہے اور انھیں اصول کے مطابق ان کی خلافت بھی تسلیم کی گئی جن اصول پر حضرت عمر خلیفہ ہوئے تھے۔ کیوں حضرت عمر کے فضائل کی ترویج و اشاعت میں مدد نہ کرتے کہ اس سے درحقیقت ان خلفاء بنی امیہ کی خلافت کی حقیت بھی واضح ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کی خلافت کی بنیاد حضرت عمر ہی کی خلافت پر قائم ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ دوسری ذات جس کے وجود اور اثر سے حضرت عمر کے فضائل کی ہر قسم کی روایت کو شایع و رائج ہونے کا آسان ذریعہ مل گیا حضرت عائشہ تھیں۔ جو دیکھ چکی تھیں کہ حضرت ابوبکر و عمر کے درمیان کیسے گہرے تعلقات تھے کہ شاید حقیقی

دو بھائیوں میں بھی نہ ہوں بلکہ حضرت رسولخدا صلعم شوہر اور جناب عائشہ زوجہ میں بھی اتحاد قلب و روح و نفس و اتفاق رائے و خیالات و اشتراک سعی و عمل کا وہ نمونہ نہیں ملتا جو حضرت ابو بکر و عمر میں تھا یعنی جو ایک نے کہا وہی آواز دوسرے کے منہ سے بھی نکلی۔ جو رائے ایک کی ظاہر ہوئی بالکل وہی دوسرے کی بھی معلوم ہوئی۔ دو قالب ایک روح مشہور ہے مگر اس کے مصداق جیسے یہ دونوں بزرگ تھے کم کوئی ہوگا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ بھی حضرت عمر کو جس درجہ مانتی ہوں وہ واضح ہے بلکہ حضرت ابو بکر کے انتقال کے بعد حضرت عمر نے اپنے برتاؤ اور شفقت سے حضرت عائشہ کو اور زیادہ ممنون احسان بنا دیا تھا۔ زمانہ حال میں ان کی جو سوانح عمری دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے اس میں اس احسان کا مختصر ذکر اس طرح کیا گیا ہے " عہد فاروقی حضرت فاروق اعظم کا عہد مبارک نظم و نسق کے لحاظ سے ممتاز تھا اونھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ تمام ازواج مطہرات کو برابر بارہ بارہ ہزار سالانہ دیا جاتا تھا (صحیح بخاری ابواب الجنائز ص۲۵)۔ دوسری روایت جسکو حاکم نے صحت میں بخاری و مسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے یہ ہے کہ دیگر ازواج کے لئے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ کا بارہ ہزار سالانہ وظیفہ تھا۔ اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر نے بیان فرما دیا تھا (مستدرک حاکم جزو صحابیات ذکر عائشہ رض) کہ ان کو میں دو ہزار اس لئے زیادہ دیتا ہوں کہ وہ آنحضرت صلعم کو محبوب تھیں۔

ازواج مطہرات رض کی تعداد کے مطابق حضرت عمر رض نے نو پیالے تیار کرائے تھے جب کوئی چیز آتی ایک ایک پیالہ میں کر کے ایک ایک کی خدمت میں بھیجتے (امام مالک باب جزیۃ اہل الکتاب)۔ تقسیم ہدایا میں یہاں تک خیال رکھتے کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو بقول حضرت عائشہ کے سری اور پایہ تک اُن کے پاس بھیجد یتے تھے (موطا امام محمد باب الزہد)۔ عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی تھی۔ مال غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہ خلافت میں بھیجی گئی۔ سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی۔ حضرت عمر نے کہا آپ لوگ اجازت دیں تو میں ام المومنین عائشہ کو بھیج دوں کہ آنحضرت صلعم کو وہ محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دی۔ چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہ کی خدمت میں بھیجدی

گئی۔ کھول کر دیکھا فرمایا ابن خطاب نے آنحضرت صلعم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے۔ خدایا مجھے آئندہ اُن کے عطیوں کے لیۓ زندہ نہ رکھنا (مستدرک حاکم) حضرت عمر کی تمنا تھی کہ وہ بھی حضرت عائشہ کے حجرہ میں آنحضرت صلعم کے قدموں کے نیچے دفن ہوں لیکن کہ اس لیۓ نہیں سکتے تھے کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم ہی سمجھتے تھے۔ دم نزع تک اس خلش سے بے تاب تھے۔ آخر اپنے صاحب زادے کو بھیجا کہ ام المومنین کو میری طرف سے سلام کہو اور عرض کرو کہ عمر کی تمنا ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔ فرمایا اگرچہ وہ جگہ میں نے اپنے لیۓ رکھی تھی لیکن عمرؓ کے لیۓ خوشی سے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔ اس اجازت کے بعد بھی حضرت عمر نے وصیت کی کہ میرا جنازہ آستانہ تک لے جاکر پھر اذن طلبی کرنا۔ اگر ام المومنین اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عائشہ نے دوبارہ اجازت دی اور جنازہ اندر لیجاکر دفن کیا گیا (یہ تمام تفصیل صحیح بخاری کتاب الجنائز میں ہے) اور آخر اسی حجرۂ اقدس میں برج خلافت کا دوسرا اختر تاباں بھی نگاہوں سے پنہاں ہوا" (سیرۃ عائشہ صـ۱۳۰)۔

اس پوری عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر نے آپ کی صاحب زادی کا کس درجہ خیال رکھا کہ آپ کو حضرت رسولخدا صلعم کا غم بھی بھول گیا اور حضرت ابو بکر کا صدمہ بھی زائل ہو گیا ہو گا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں حضرت عائشہ کو بارہ ہزار سالانہ وظیفہ کہاں سے ملتا۔ اور زمانہ نبوت میں آپ موتیوں کی ڈبیہ کس طرح پاتیں۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ کی حالت تو یہ لکھی ہوئی ہے "جس دن وہ بیوہ ہوئیں اوسی کی شام کو گھر میں برکت تھی (ترمذی کتاب الادب)" (سیرۃ عائشہ صـ۱۲۷) پس جن معظمہ نے اپنے شوہر کے زمانہ میں اس درجہ فقیری اور عسرت کا مزہ چکھا ہو کہ شوہر کے انتقال کے دن گھر میں کچھ نہ تھا بلکہ چراغ جلانے کو تیل بھی نہ تھا اُن کو حضرت عمر کے زمانہ میں بارہ ہزار سالانہ پنشن مقرر ہو جانے سے (جب کہ آپ کا خرچ بھی صرف آپ کی ذات تک ہی محدود تھا کیونکہ اولاد کی زحمتوں سے خدا نے آپ کو محفوظ ہی رکھا تھا) وہ ممدوح کی جیسی قدرداں ہو گئی ہوں وہ ظاہر ہے۔ اب خود سمجھ لو کہ جناب عبداللہ ایسے ہر دلعزیز فرزند اور حضرت عائشہ ایسی ذی اثر مخدرات کے زمانہ میں حضرت عمر کے فضائل کس درجہ پھیل سکتے تھے پھر کتابوں میں آپکے لیۓ کیا کچھ نہیں ملیگا۔

جناب ابوہریرہ کی روایتیں حضرت عمر کے فضائل میں مشہور صحابی جناب ابوہریرہ نے بھی بہت سی روایتیں بیان کی ہیں مثلاً (۱) عن ابی ھریرۃ صلی بنا رسول اللہ صلاۃ ثم اقبل علینا بوجھہ فقال بینا رجل یسوق بقرۃ اذ رکبھا فضربھا۔ قالت انا لم نخلق لھذا۔ انما خلقنا للحراثۃ۔ فقال الناس سبحان اللہ بقرۃ تتکلم۔ فقال فانی اؤمن بھذا انا وابوبکر وعمر وما ھما ثم وبینا رجل فی غنمہ اذ عدا علیھا الذئب۔ فاخذ شاۃ منھا فطلبہ فادرکہ فاستنقذھا منہ فقال یاھذا استنقذتھا منی فمن لھا یوم السبع یوم لا راعی لھا غیری۔ قال الناس سبحان اللہ ذئب یتکلم۔ فقال انی اؤمن بذلک وابوبکر وعمر وماھما ثم۔ جناب ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم نے ہم لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایک شخص کوئی گائے ہنکائے لئے جاتا تھا دفعتہً اس پر چڑھ گیا اور اوس کو مارنے لگا تو اوس گائے نے کہا میں اس لئے نہیں پیدا کی گئی کہ مجھ پر سواری کی جائے بلکہ میں تو زراعت وغیرہ کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ اس پر صحابہ کو تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے سبحان اللہ کیا گائے بھی بات کرتی ہے؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں (کہ گائے بات کرتی ہے) اور ابوبکر کل (شاید یہ مطلب ہو کہ آئندہ زمانہ میں) اور عمر حالانکہ وہ دونوں اوس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے (ان دونوں کی غیبت ہی میں حضرت نے ان دونوں کی تعریف کی)۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بھیڑ بکریوں کے گلے میں تھا کہ دفعتہً اس گلے پر بھیڑیے نے حملہ کردیا اور ایک بکری اٹھالے گیا۔ وہ شخص اوس کے پکڑنے کو دوڑا اور جاکر اس سے چھین لیا۔ اس پر وہ بھیڑیا بولا اے شخص تونے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ خیر اب یہ تو بتا اسکو درندے کے دن[1] جب میرے سوا اس کا کوئی چرواہا نہیں ہوگا کون بچائیگا؟ اس پر بھی

---

[1] "من لھا یوم السبع یا یوم السبیع۔ ایک بھیڑیا بکری کو گلہ سے اُچک لے گیا۔ جس زمانہ میں آنحضرت پیغمبر ہوئے لیکن چرواہے نے وہ بکری اُس کے منہ سے چھین لی تب بھیڑیا کہنے لگا بھلا جس دن درندہ اوس کا نگہبان ہوگا اوس دن اوسکو کون بچائیگا یعنی جب فتنوں کے وقت لوگ مال اسباب چھوڑکر بھاگ جائیں گے بکریاں بھی بن وارث پھرینگی اوس وقت درندہ یعنی بھیڑیا

صحابہ رسولؐ تعجب سے کہنے لگے سبحان اللہ کہیں بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اس بات پر میں اور ابو بکر و عمر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں بزرگ اوس وقت وہاں تھے بھی نہیں (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)۔ روایت کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابو بکر و عمر ایمان کے معاملہ میں بالکل برابر تھے۔ کوئی فرق ان حضرات میں نہیں تھا یہاں تک کہ جس بات پر اور صحابہ کو تعجب ہوتا تھا اُسکے بارے میں بھی آنحضرت صلعم حضرات شیخین کی وکالت کرکے فرما دیتے تھے کہ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔ تمہیں تعجب ہو یا انکار مگر میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی میرے ہی طرح اس پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ لطف یہ کہ حضرت ابو بکر و عمر وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ ان لوگوں نے حضرتؐ کی یہ تعجب خیز بات سُنی بھی نہیں اور اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر بھی نہیں کی۔ مگر حضرتؐ نے ان دونوں کو بالکل اپنے نفس ایسا قرار دیکر اعلان فرمادیا کہ جو میں کہتا ہوں وہی وہ بھی کہیں گے اور جس امر میں میں ایمان رکھتا ہوں اس میں وہ لوگ کبھی تردد یا شک نہیں کرسکتے۔ (۲) قال صلے رسول اللہ احدے صلاتی العشی فصلے رکعتین ثم سلم۔ قال اقصرت الصلاۃ۔ قال و فی القوم ابو بکر و عمر فھاباہ ان یکلماہ و فی القوم رجل فی یدیہ طول یسمی ذاالیدین فقال یارسول اللہ انسیت ام قصرت الصلاۃ فقال لم انس ولم تقص الصلاۃ۔ قال کما یقول ذوالیدین۔ قالوا نعم فجاء فصلے الذی ترکہ ثم سلم۔ جناب ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مغرب یا عشاء کی نماز پڑھی تو صرف دو رکعتیں پڑھکر حضرتؐ نے سلام پھیر دیا۔ اس پر صحابہ نے کہا معلوم ہوتا ہے نماز قصر ہو گئی۔ جناب ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت اُن لوگوں میں حضرت ابو بکر و عمر بھی تھے مگر وہ دونوں آنحضرت صلعم سے پوچھنے میں ڈرے۔ اور صحابہ میں ایک اور شخص ذوالیدین تھا اوس نے عرض کی اے رسولخداؐ آپ نماز میں (ایک یا دو رکعت) بھول گئے؟ یا نماز میں قصر کر دیا ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا نہ بھولا ہوں اور نہ قصر ہوئی ہے۔ پھر حضرتؐ نے دوسرے لوگوں سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کی ہاں۔ تو حضرتؐ پھر آئے اور جو نماز چھوڑ دی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) ہی انکا نگہبان ہوگا مزے سے اونکو چٹ کر گیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صفحہ ۲۲)

اس کو تمام کیا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) ۔ اس واقعہ میں قابل ذکر صرف دو شخص تھے ایک حضرت رسولخدا صلعم کہ آپ نماز میں بھول گئے ۔ دوسرے ذوالیدین جنھوں نے حضرت کو ٹوکا کہ آپ نے اس طرح نماز کیوں پڑھی کیا بھول گئے ۔ یا نماز ہی قصر ہوگئی ۔ اور حضرت ابوبکر و عمر نے کوئی کام نہیں کیا نہ ان کے ذکر کی ضرورت تھی مگر دونوں بزرگوں کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لئے یا حضرت رسولخدا صلعم کے ذکر کے ساتھ ان کے ذکر کے اعلان کی ضرورت بھی واضح کرنے کے لئے دونوں حضرات کا نام بھی جناب ابوہریرہ نے لیا ۔ حالانکہ اس جماعۃ میں اور حضرات بھی موجود تھے کسی کا نام لینے کی ضرورت آپ کو نہیں ہوئی (۳) قال رسول اللہؐ بینما انا نائم رأیت انی انزع علے حوض اسقی الناس فاتانی ابوبکر فاخذ الدلو من یدی لیروحنی فنزع ذنوبا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف قال فاتانی ابن الخطاب واللہ یغفر لہ فاخذہا منی فلم ینزع رجل حتی تولی الناس والحوض یتفجر ۔ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے حوض پر لوگوں کو پانی پلانے کے لئے ڈول کھینچ رہا ہوں ۔ اتنے میں ابوبکر آگئے اور ڈول کو میرے ہاتھ سے لے لیا تاکہ اس کو اچھی طرح بھردیں یہاں تک کہ ایک یا دو ڈول کھینچے اور ان کے کھینچنے میں ضعف محسوس ہوا ۔ اس کے بعد میرے پاس عمر آئے اور اللہ ان کی مغفرت کرے گا انھوں نے اس کو میرے ہاتھ سے لے لیا تو ان کے ایسا کسی شخص نے نہیں کھینچا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہوگئے اور حوض ابلنے لگا (مسند جلد ۲ صفحہ ۳۱۹) (۴) ان فاطمۃ جاءت ابابکر و عمر تطلب میراثہا من رسول اللہ فقالا لہا سمعنا رسول اللہؐ یقول انی لا اورث ۔ جناب فاطمہ حضرت ابوبکر و عمر کے پاس آئیں کہ حضرت رسولخداؐ سے حضرت کو جو میراث پہونچی اس کو ان سے طلب کریں ۔ تو دونوں بزرگوں نے ان سے کہا ہم نے رسولخدا صلعم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے میری میراث کسی کو نہیں مل سکتی (مسند جلد ۲ صفحہ ۳۵۳) ۔ اس میں آپ نے بیان کیا کہ جناب سیدہ نے صرف حضرت ابوبکر ہی سے نہیں بلکہ حضرت عمر سے بھی اپنی میراث طلب کی اور دونوں صاحبوں نے ایک ہی جواب دیا ۔ اصول ہی یہ تھا کہ دونوں ایک ہی بات کہتے ۔

(۵) ان رسول اللہؐ کان علے حراء ہو وابوبکر و عمر و عثمان و علی وطلحۃ والزبیر فتحرکت الصخرۃ فقال رسول اللہؐ اہدأ فما علیک الا نبی او صدیق او شہید وان رسول اللہؐ قال نعم الرجل ابوبکر نعم الرجل عمر نعم الرجل ابو عبیدۃ بن الجراح نعم الرجل اسید بن حضیر

نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس۔ نعم الرجل معاذ بن جبل نعم الرجل معاذ بن عمرو بن الجموح۔ حضرت رسولخدا صلعم حرا پہاڑ پر ایک دفعہ تشریف فرما تھے آپکے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر بھی تھے۔ دفعتہً وہ پہاڑ ہلنے لگا تو حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے پہاڑ تھم جا کیونکہ تجھ پر اور کوئی نہیں ہے سوائے نبی یا صدیق یا شہید کے اور یقینا حضرت رسولخدا صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ ابوبکر اچھے آدمی ہیں۔ عمر کا کیا کہنا۔ ابوعبیدہ اسید۔ ثابت۔ معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو بھی خوب ہیں (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۱۹) یہ مطلب یہ ہوا کہ سب اچھے ہیں۔ نہیں اچھے ہیں تو حضرت علیؑ (۶) کان یقول واللہ ان کنت لاعتمد بکبدی علی الارض من الجوع وان کنت لاشد الحجر علی بطنی من الجوع ولقد قعدت یوما علی طریقھم الذی یخرجون منہ فمر ابوبکرؓ فسالتہ عن آیۃ من کتاب اللہ ماسألتہ الا لیستبعنی فلم یفعل۔ فمر عمرؓ فسالتہ عن آیۃ من کتاب اللہ ماسألتہ الا لیستبعنی فلم یفعل فمر ابوالقاسمؐ فعرف مافی وجھی ومافی نفسی فقال اباھریرۃ۔ فقلت لہ لبیک یارسول اللہؐ فقال الحق واستاذنت فاذن لی فوجدت لبنا فی قدح... قال فاقعد فاشرب فقعدت فشربت

بڑی طویل روایت ہے اس کا مختصر ہم نے نقل کیا اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ گویا بھوک سے میری جان نکلتی تھی اور شدت گرسنگی سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک روز میں اوس راہ پر بیٹھ گیا جس طرف سے صحابہ نکلا کرتے تھے۔ تو حضرت ابوبکر نکلے۔ میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیۃ پوچھی حالانکہ اس پوچھنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ کسی طرح میری حالت جان جائیں اور اپنے گھر لے چل کر مجھے کچھ کھلائیں مگر اونھوں نے کچھ بھی توجہ نہیں کی (نہ وہ آیۃ بتلائی)۔ پھر حضرت عمر گزرے ان سے بھی میں نے قرآن شریف کی ایک آیۃ پوچھی۔ ان سے پوچھنے کی غرض بھی واقعاً آیۃ کا دریافت کرنا نہیں تھی بلکہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح مجھے اپنے گھر لے چلیں اور کچھ کھلائیں۔ لیکن اونھوں نے بھی میرا کچھ خیال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم گزرے تو حضرتؐ نے میرے چہرے سے تاڑ لیا کہ میں کس حالت میں ہوں اور میرا دل کیا چاہتا ہے۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا ابوہریرہ! میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہؐ حضرتؐ نے فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ میں ساتھ ہولیا۔ پھر حضرت اپنے مکان کے اندر داخل

ہو گئے تو میں نے اندر جانے کی اجازت چاہی۔ حضرتؐ نے اجازت دی۔ تو میں نے جا کر ایک پیالہ میں دودھ دیکھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ابو ہریرہ بیٹھ جاؤ اور دودھ پی لو۔ میں بیٹھ گیا اور دودھ پی لیا (مسند احمد جلد ۲ ص ۵۱۵)۔ آپ کا مقصود غالباً یہ ہو کہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر راستہ بھی چلتے تو ساتھ ہی یا یکے بعد دیگرے۔ کسی اور کا ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ نہ کسی کام میں کسی اور کی شرکت ہوتی تھی۔ ہر وقت تینوں بزرگ ایک ہی جگہ رہتے۔ ایک ہی طرف سے نکلتے۔ ایک ہی سمت جاتے۔ ایک ہی راستہ چلتے۔

(۷) عن ابی ھریرۃ قال انطلقت انا وعبد اللہ بن عمر وسمرۃ بن جندب فاتینا النبیؐ فقال لنا انطلقوا الی مسجد التقوٰی۔ فانطلقنا نحوہ فاستقبلنا یداہ علی کاھل ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما فتثنانی وجھہ فقال من ھؤلاء یا ابا بکر قال عبد اللہ بن عمر و ابو ھریرۃ وسمرۃ۔ جناب ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور عبد اللہ بن عمر اور سمرہ بن جندب چلے تو حضرت رسولخدا صلعم کی طرف روانہ ہوئے دیگر لوگوں نے ہم سب سے کہا کہ مسجد تقوےٰ کی طرف چلو۔ غرض ہم لوگ اس طرف چلے تو حضرت رسولخدا صلعم کو پالیا اس شان سے کہ حضرتؐ کے دونوں ہاتھ حضرت ابوبکر و عمر کے کاندھوں پر رکھے تھے پھر ہم لوگ حضرتؐ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا عبد اللہ بن عمرو ابو ہریرہ و سمرہ ہیں (مسند جلد ۲ ص ۵۲۲)۔ اس روایت سے کس درجہ حضرت رسولخدا اور حضرت ابوبکر و عمر میں یارانا ثابت ہوتا ہے جو جہذب لوگوں میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔

جناب ابو ہریرہ کی حالت اب اس کو دیکھو کہ جناب ابو ہریرہ کن اوصاف کے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر سے ان سے کیا تعلقات تھے تاکہ انکی روایتوں کی حقیقت پر کافی روشنی پڑ سکے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اسم ابی ھریرۃ عبد شمس بن عامر وھو دوسی حلیف لابی بکر الصدیق۔ ابو ہریرہ کا نام عبد شمس تھا باپ عامر تھے اور وہ دوس کے خاندان سے تھے جو حضرت ابوبکر صدیق کے ہم عہد تھے۔

قال القطب الحلبی اجتمع فی اسمہ واسم ابیہ اربعۃ واربعون قولا قطب حلبی بیان کرتے تھے کہ اُن کے اور اُن کے باپ کے نام کی تحقیق میں ۴۴ قول ہیں (کوئی صاحب کوئی نام بتاتے ہیں اور کوئی صاحب کوئی نام)۔ وقد اجمع اھل الحدیث علی

انه اکثر الصحابة حدیثا۔ اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ سے زیادہ حدیثوں کے راوی آپ ہی ہیں۔ ان مسند بقی بن مخلد احتوی من حدیث ابی هریرة علی خمسة آلاف وثلث مائة حدیث۔ بقی ابن مخلد کی مسند (کتاب) میں ابو ہریرہ کی روایتیں پانچ ہزار تین سو حدیثیں ہیں۔ وحدث ابو هریرة عن ابی بکر وعمر والفضل بن العباس وابی بن کعب واسامة بن زید وعائشة وبصرة الغفاری وکعب الاحبار۔ جناب ابو ہریرہ حضرت ابو بکر و عمر و فضل بن عباس وابی بن کعب واسامہ بن زید وعائشہ وبصرہ غفاری اور کعب الاحبار سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ روی عنه ولده المحرر ومن الصحابة ابن عمر وابن عباس وجابر وانس وواثله بن الاسقع۔ اور ان سے ان کے بیٹے محرر اور صحابہ سے ابن عمر وابن عباس وجابر وانس وواثلہ بن اسقع حدیثیں روایت کرتے تھے۔ قال البخاری روی عنه نحو الثمان مائة من اهل العلم وکان احفظ من روی الحدیث فی عصره امام بخاری کہتے تھے کہ ابو ہریرہ سے تقریباً آٹھ سو علماء نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ لم یکن احد من الصحابة اکثر حدیثا من ابی هریرة صحابہ میں ابو ہریرہ سے زیادہ حدیثوں کا بیان کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ کان اسلامه بین الحدیبیة و خیبر قدم المدینة مهاجرا وسکن الصفة۔ یہ صلح حدیبیہ و جنگ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ آئے اور صفہ میں رہنے لگے۔ عن حمید الحمیری صحبت رجلا صحب النبیؐ اربع سنین کما صحبه ابو هریرة۔ حمید حمیری کہتے تھے کہ میں ایک شخص کی صحبت میں رہا جو حضرت رسولخدا صلعم کی صحبت میں چار سال تک رہا جس طرح جناب ابو ہریرہ (بھی) آنحضرتؐ کی صحبت میں (چار سال ہی) رہے۔ کان مقدمه عام خیبر وکانت فی المحرم سنة سبع۔ آپ جنگ خیبر کے سال میں محرم ۷ھ ہجری میں آنحضرتؐ کی خدمت میں پہلے پہل آئے تھے۔ عن عمر انه قال لابی هریرة انت کنت الزمنا لرسول الله واحفظنا لحدیثه۔ حضرت عمر سے روایت ہے کہ اونھوں نے جناب ابو ہریرہ سے فرمایا کہ ہم لوگوں سے زیادہ تم حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں رہتے اور ہم لوگوں سے زیادہ حضرتؐ کی حدیثوں کو یاد رکھتے ہو۔ قالت عائشة لابی هریرة انک لتحدث بشئ ما سمعته قال یا امه طلقتها وشغلک عنها المکحلة والمرآة وما

كان يشغله عنها شئ والاخبار فى ذلك كثيرة۔ حضرت عائشہ نے ابو ہریرہ سے کہا کہ تم تو ایسی حدیثیں بیان کرتے ہو جن کو میں نے کبھی سُنا تک نہیں۔ جناب ابو ہریرہ نے کہا اے مادر جان! ان کو چھوڑ دیا اور آپ تو ہر وقت سرمہ دانی اور آئینہ میں لگی رہتی تھیں (تو آنحضرتؐ کی حدیثیں کیسے سنتیں) اور ابو ہریرہ کا دوسرا کوئی شغل تھا ہی نہیں۔ اور اس مضمون کی خبریں بہت کثرت سے ہیں۔ ان عمر استعمل ابا هريرة على البحرين فقدم بعشرة آلاف فقال له عمر استاثرت بهذه الاموال فمن اين لك۔ قال خيل نتجت واعطية تتابعت وخراج رقيق لى فنظر فوجدها كما قال ثم دعاه ليستعمله فابى۔ حضرت عمر نے آپ کو بحرین کا حاکم مقرر کر دیا تھا تو آپ وہاں سے دس ہزار اٹھا لائے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کہا تم نے تو بڑا مال اتنا مال حاصل کر لیا؟ بتاؤ تو کیسے اس قدر مل گیا؟ اور انھوں نے کہا گھوڑیوں نے بچے دیئے۔ اور عطیہ کثرت سے آئے اور میرے غلاموں نے دولت پیدا کی۔ حضرت عمر نے نظر کی تو انکے کہنے کے مطابق پایا۔ پھر انکو بلایا تاکہ حاکم مقرر کردیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ قال اخشى ثلاثا ان اقول بغير علم۔ او اقضى بغير حكم۔ ويضرب ظهرى ويشتم عرضى وينزع مالى۔ ابو ہریرہ نے اب انکار کرنے کی وجہ یہ ظاہر کی کہ میں تین مصیبتوں سے ڈرتا ہوں یا ایسی بات کہوں گا جس کو جانتا نہیں ہوں یا ایسی بات کا فیصلہ کردونگا جس کا حکم نہیں ہے۔ اور میری پیٹھ پر مار پڑیگی۔ مجھے گالیاں دے کر میری عزت زائل کی جائیگی۔ اور میرا سب مال چھین لیا جائیگا۔

وكتب الوليد الى معوية يخبره بموته فكتب اليه انظر من ترك فادفع الى ورثته عشرة آلاف درهم واحسن جوارهم فانه كان ممن نصر عثمان يوم الدار۔ ولید بن عقبہ نے ابو ہریرہ کے انتقال کی خبر معویہ کو لکھ بھیجی تو اس نے اس کو جواب دیا کہ دیکھو ابو ہریرہ نے جن وارثوں کو چھوڑا ہے ان کو میری طرف سے دس ہزار درہم دے دو اور ان لوگوں کے ساتھ (بحیثیت پڑوسی کے) اچھا برتاؤ کرنا کیونکہ ابو ہریرہ اُن لوگوں سے تھے جنھوں نے حضرت عثمان کی مدد ان کے مرنے کے وقت کی تھی۔ توفى ابو هريرة سنة سبع وخمسين۔ جناب ابو ہریرہ نے ۵۷ھ ہجری میں

انتقال کیا (اصابہ جلد ۷ ص۲۰۱) مذکورہ بالا عبارتوں سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے
(۱) جناب ابو ہریرہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں اُن کا نام گویا معلوم ہی نہیں کر گیا تھا۔ اُن کا اور ان کے باپ کا نام اس درجہ مختلف فیہ ہے کہ اس میں ۴۴ قول ہیں ملہ اگر اپنے زمانہ میں باوقار ہوتے تو لوگوں کو ان کے نام کا پتا آسانی سے چل جاتا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کے اسلام لانے کے بعد ان کا نام بدل دیا مگر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرتؐ نے عبد اللہ رکھا یا عبد الرحمن بلکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ تو کہتے تھے کہ حضرتؐ نے انکا نام بدلا ہی نہیں (اصابہ جلد ۷ ص۲۰۲) غرض نام ہی کے اختلاف سے پتا چلتا ہے کہ آپ اسلام سے قبل کس عزت کے تھے اور اسلام کے بعد کس وزن کے مانے گئے اور کن نظروں سے دیکھے گئے (۲) آپ کا خاندان حضرت ابو بکر کا ہم عہد تھا اس وجہ سے آپ کو حضرت عمر سے بھی خاص تعلق ہوگا (۳) آپ باوجودے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ صرف چار سال تک رہے مگر آپکی روایتیں سب صحابہ سے زیادہ ہو گئیں۔ کس قدر حیرت خیز ہے کہ جو صحابہ آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں ۱۳ سال اور مدینہ منورہ میں ۱۱ سال تک رہیں اُن کی روایتیں تو ایک ہزار تک بھی نہ پہونچیں۔ اور آپ کی روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو سے بڑھ جائے۔ اس طوفان احادیث کی کوئی انتہا ہی نہیں رہی۔ حضرت عائشہ نے جب اعتراض کیا کہ تم کو اتنی حدیثیں کیسے مل گئیں تو آپ نے جواب دیدیا آپ کو سرمہ دانی اور آئینہ سے فرصت کب ملتی تھی کہ حدیثیں سنتیں۔ حالانکہ اگر معظمہ ہر وقت بناؤ سنگار میں مصروف رہتیں جب بھی کان سے تو ان حدیثوں کو ضرور سن لیا کریں۔ کسی دوسرے مقام

ملہ جناب مولوی وحید الزماں خان صاحب لکھتے ہیں "ابو ہریرہ مشہور صحابی ہیں اونکا نام عبد اللہ تھا۔ کہتے ہیں ایک روز وہ اپنی آستین میں ایک بلی اوٹھا کر لائے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اونھوں نے کہا بلی۔ آنحضرتؐ نے کہا یا ابا ہریرۃ۔ اوس روز سے اونکی کنیت ابو ہریرہ مشہور ہو گئی۔ سب صحابہ سے زیادہ انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۲۷ ص۲۴)

مولوی صاحب نے صرف عبد اللہ نام لکھا حالانکہ مورخین آج تک طے ہی نہ کر سکے کہ ان کا نام عبد ہنم۔ یا عمیر یا عبد شمس یا عبد الرحمن یا کیا تھا ۱۲ منہ

پر جاکر تو سرمہ دانی اور آئینہ میں اپنا وقت صرف کرتی نہیں ہونگی۔ اور اگر انکی بات مان بھی لی جائے تو حضرت ابو بکر جو ابتداء اسلام سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے کیوں اتنی روایتوں کو نہ حاصل کر سکے ان کو تو سرمہ دانی وغیرہ کا عذر نہیں تھا۔ بعض بطور مزاح کہتے ہیں کہ کیا حضرت ابوہریرہ کے ہاں حدیث کی کوئی مشین تھی جس میں برابر پرزے ڈھلتی رہتی تھی اور اسی وجہ سے چار سال میں پانچ ہزار تین سو سے بڑھ گئیں۔ اگر ممدوح شروع سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تو نہ معلوم کتنی حدیثوں کے راوی ہو جاتے۔

(۴) جناب ابو ہریرہ نے حضرت ابو بکر و عمر و فضل ابن عباس وغیرہ سے حدیثیں لیں مگر حضرت علیؑ۔ جناب ابو ذر۔ جناب سلمان وغیرہ سے ایک حدیث بھی نہیں لی۔ کیا اس سے یہ نمایاں نہیں ہوتا کہ آپ کو خاندان رسول صلعم سے خاص طور پر علیحدگی تھی کہ آپ نے ان لوگوں سے حدیث تک لینا پسند نہیں کیا۔ ایسی حالت میں حضرت عمر کے فضائل کے متعلق آپ سے جو روایتیں ملتی ہیں ان کی حقیقت محتاج توجیہ نہیں رہتی۔

(۵) لطف یہ کہ آپ سے خاندان رسولؐ کے کسی شخص نے بھی کوئی روایت نہیں لی۔ یعنی نہ آپ نے اُن حضرات کو اس قابل سمجھا کہ اُن سے روایتیں لیں۔ اور نہ اُن حضرات نے ان کو اس کا مستحق خیال کیا کہ ان کی کوئی روایت لیں۔

(۶) حضرت عمر نے آپ پر اتنا عظیم الشان احسان کیا جس کا آپ کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا کہ بحرین کی حکومت آپ کے حوالہ کردی جہاں رہ کر جو کچھ خرچ کیا اُس کا حساب تو خدا ہی کو معلوم ہوگا لیکن وہاں سے جمع کرکے دس ہزار لائے۔ اس کے بعد بھی حضرت عمر نے ان کو حاکم بنانا چاہا تو اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو آبرو بھی جائے اور جو ہاتھ لگ گیا ہے وہ بھی نکل جائے آپ نے عذر کر دیا۔ ان حالات کے بعد فیصلہ کرلو کہ آپ سے حضرت عمر کے فضائل میں اتنی حدیثیں کیوں نہ ملتیں۔

جناب انس کی روایتیں

جناب انس بن مالک صحابی رسول سے بھی حضرت عمر کے فضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ مثلاً (۱) ان النبیؐ و ابابکر و عمر و عثمان کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین حضرت رسو لخدا صلعم اور ابو بکر و عمر و عثمان نماز پڑھتے تو قراءۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے۔ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں کہتے (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)۔ چونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رسو لخدا

صلعم - جناب امیرؑ اور دوسرے محترم اصحاب - ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرور پڑھتے - اس وجہ سے جناب انس برابر اس پر زور دیتے کہ حضرت رسولخداؐ اور خلفار ثلثہ اسی طرح نماز پڑھتے جس طرح اِن دنوں حضرات اہلسنت پڑھتے ہیں کہ بسم اللہ غائب کر دیا کرتے ہیں اور یہ چاروں حضرات ایک ہی طرح کی عبادت بجالاتے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا (۲) لما سار رسول اللہ الی بدر خرج فاستشار الناس فاشار علیہ ابو بکرؓ ثم استشارھم فاشار علیہ عمرؓ فسکت۔ جب حضرت رسولخدا صلعم غزوہ بدر کے لئے تشریف لے چلے تو لوگوں سے مشورہ کیا - اس پر حضرت ابو بکر نے رائے دی - پھر حضرت عمر نے رائے دی تو آنحضرتؐ خاموش رہے (مسند جلد ۱ صفحہ ۱۰۵) - اس لفظ خاموش رہے سے جناب انس نے اپنی ہمدردی کا پورا حق ادا کر دیا - اور کسی کو جاننے نہیں دیا کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے مشوروں کا کیا اثر لیا - حالانکہ دوسرے لوگوں نے تصریح کر دی ہے - فتکلم ابو بکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ - آنحضرتؐ کے سوال پر حضرت ابو بکر بولے تو آپ کو وہ رائے اتنی بُری معلوم ہوئی کہ آپ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا - پھر حضرت عمر بولے تو وہ رائے بھی ایسی ناپسندیدہ تھی کہ آنحضرت نے انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۳۷۲) (۳) ان النبیؐ صعد احداً فتبعہ ابو بکر وعمر وعثمان فرجف بھم الجبل فقال اسکن علیک نبی وصدیق وشہیدان - ایک مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم احد پہاڑ پر چڑھے اور حضرت کے پیچھے حضرت ابو بکر و عمر و عثمان بھی گئے تو احد پہاڑ پر زلزلہ آگیا - آنحضرتؐ نے اوس سے فرمایا اپنا زلزلہ روک دے کیونکہ اس وقت تجھ پر ایک نبی - ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۱۲) (۴) یقول ان النبیؐ وابا بکر وعمر وعثمان کانوا یتمون التکبیر یکبرون اذا سجدوا واذا رفعوا - جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور ابو بکر و عمر و عثمان تکبیر کو تمام کرتے تھے جب سجدہ کرتے اور سر اوٹھاتے تو تکبیر کہتے تھے (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۲۵) - یہاں بھی یہی مقصود ہے کہ لوگ سمجھیں حضرت رسولخدا صلعم کی طرح کل عبادات بجالانے والے یہی خلفار ثلثہ تھے - حضرت علیؑ کا ذکر یہاں سے بھی غائب ہے کہ وہ حضرتؐ کیا کرتے تھے - مگر اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ) حضرت رسولخداؐ کی روش کے خلاف چلتے تھے (۵) انہ قال صلیت مع رسول اللہ یعنے

رکعتین ومع ابی بکر رکعتین ومع عمر رکعتین ومع عثمان رکعتین صدرا من امارتہ
جناب انس کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ
بھی انکی خلافت میں بمقام منے دو دو رکعت نماز پڑھی تھی (مسند جلد ۳ صـ۱۴۴) ۔ آپ باوجودیکہ
سنہ ۹۰ہجری تک رہے مگر حضرت علیؑ کے ساتھ جو سنہ ۴۰ ہجری میں شہید ہوگئے کبھی نماز نہیں پڑھی۔

(۶) قال کان النبیؐ یخرج الی المسجد فیہ المھاجرون والانصار وما منھم احد
یرفع راسہ من حبوتہ الا ابوبکر و عمر فیتبسم الیھما ویبتسمان الیہ ۔ آپ بیان
کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسجد آتے تو وہاں مہاجرین و انصار سب ہی رہتے مگر سوائے
حضرت ابوبکر و عمر کے کوئی شخص آنحضرت کی تعظیم نہیں کرتا [1] ان بزرگوں کی تعظیم دیکھکر آنحضرتؐ
مسکرانے لگتے (مسند احمد جلد ۳ صـ۱۵۰) ۔ کیسی واضح فضیلت ہے کہ کل مہاجرین و انصار بے ادبی
سے بیٹھے رہتے ۔ صرف یہی دو بزرگ تہذیب و ادب و احترام کا لحاظ رکھتے ۔

(۷) سئل انس بن مالک عن خضاب رسول اللہ فقال ان رسول اللہ لم یکن شاب
الا یسیرا و لکن ابابکر و عمر بعدہ خضبا بالحناء والکتم ۔ لوگوں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ
حضرت رسولخدا صلعم خضاب کرتے تھے یا نہیں ۔ یا کرتے تھے تو کس چیز کا ہوتا ۔ آپ نے کہا حضرت
رسولخدا صلعم کے بال میں سفیدی تو تھوڑی ہی تھی ۔ البتہ حضرت ابوبکر و عمر مہندی اور وسمہ
کا خضاب [2] کرتے (مسند احمد جلد ۳ صـ۱۶۰) ۔ جناب انس کا یہ کمال قابل قدر ہے کہ آپ سے
سوال تو کیا گیا حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق کہ خضاب کرتے تھے یا نہیں ۔ لیکن آپ کو حضرت
ابوبکر و عمر کا ذکر پسند تھا اس سبب سے آنحضرتؐ کی بات ایک جملہ میں ختم کرکے ان دونوں
کی سیرت واضح کردی ۔ اور ساتھ ہی سائل کو اشارہ بھی کردیا کہ آنحضرتؐ کی سنت کیوں
پوچھتے ہو ۔ حضرت ابوبکر و عمر کا طریق عمل کیوں نہیں دریافت کرتے ۔

(۸) قال قال رسول اللہ ان اللہ وعدنی ان یدخل الجنۃ من امتی اربع مائۃ

---

[1] یرفع راسہ من حبوتہ کا لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ جو لوگ گوٹ مار کر بیٹھے
رہتے تھے اُن میں سے کوئی شخص اپنا سر اُس حالت سے اُٹھاتا نہیں تھا سوائے
حضرت ابوبکر و عمر کے ۔ مقصود تعظیم کرنا ہے ۱۲ منہ [2] جناب مولوی وحید الزمان خانصاحب
نے لکھا ہے " ابوبکر صدیق مہندی اور وسمہ کا خضاب کرتے ... اور صحیح روایت میں اوسکی

الف۔ فقال ابو بکر زدنا یا رسول اللہ قال و ھکذا وجمع کفہ۔ قال زدنا یا رسول اللہ
قال و ھکذا۔ فقال عمر حسبک یا ابا بکر۔ فقال ابو بکر دعنی یا عمر وما علیک ان یدخلنا
اللہ الجنۃ کلنا۔ فقال عمر ان اللہ ان شاء ادخل خلقہ الجنۃ بکف واحد
فقال النبیؐ صدق عمر۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخداؐ نے مجھ سے
وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے چار لاکھ کو بہشت میں داخل کردے گا۔ اس پر حضرت ابو بکر
نے کہا اے رسول اللہؐ اور زیادہ کیجئے' فرمایا اور اس طرح اور اپنی مٹھی بند کرلی۔ حضرت
ابو بکر نے پھر کہا اور زیادہ کیجئے۔ فرمایا اور اس طرح۔ اب حضرت عمر بولے" اے ابو بکر بس
بھی کرو"۔ تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا" عمر چپ رہو اگر خدا ہم سب کو بہشت میں داخل
کردے تو تمہارا کیا بگڑ جائیگا"؟ حضرت عمر نے کہا اگر خدا چاہے تو اپنی پوری مخلوق کو ایک
مٹھی سے بہشت میں داخل کردے۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا عمر نے سچ کہا (مسند جلد ۳
ص۱۶۵)۔ جناب انس کا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر یا عمر میں کسی امر کے متعلق اختلاف ہو
تو حضرت رسولخدا صلعم بھی حضرت عمر ہی کی تائید و تصدیق کرتے تھے۔ اور حضرت ابو بکر کے
جھکنے کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ (۹) قال صلیت مع رسول اللہؐ وابی بکر وعمر وعثمان
فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ میں نے
حضرت رسولخدا صلعم و ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
پڑھتے نہیں دیکھا (مسند جلد ۳ ص۱۷۱) پہلے آپکی جو حدیث نقل کیگئی اسکی توضیح اس حدیث میں کی ہے [1]

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۷) مخالفت مذکور ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ایک روایت میں
بالحناء والکتم ہے۔ نہایہ میں ہے کہ تمام روایتوں میں باوجود اختلاف کے بالحناء
والکتم ہے واؤ جمع کے ساتھ" (انوار اللغۃ پ ۲۲ ص۱۹)۔ مطلب یہ ہوا کہ صرف ہندی سے
یا صرف وسمہ سے خضاب کرنا جائز ہے لیکن دونوں کے خضاب کرنے کو منع کیا گیا ہے
لیکن حضرت ابو بکر و عمر دونوں سے خضاب کرتے تھے۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے
صرف حضرت ابو بکر کا نام لکھا ہے۔ مگر حدیث کی کتابوں میں یہ فعل دونوں صاحبوں
کا مذکور ہے اور عقل بھی کہتی ہے کہ دونوں میں اختلاف نہیں ہوگا ۱۲ منہ

[1] حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم کا ہر نماز کی ہر سورۃ میں زور سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا متواتر

(۱۰) قال قال رسول اللہؐ ارحم امتی ابو بکر واشدھا فی دین اللہ عمر و اصدقھا حیاءً عثمان واعلمھا بالحلال والحرام معاذ بن جبل واقرأھا لکتاب اللہ ابی واعلمھا بالفرائض زید بن ثابت ولکل امۃ امین وامین ھذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا میری امت میں سب سے زیادہ رحم والے ابو بکر اور خدا کے دین میں سب سے زیادہ سخت عمر اور بلحاظ شرم سب سے زیادہ سچے عثمان اور حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل اور سب سے زیادہ کتاب خدا کی قرأۃ کرنے والے ابی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) ہے۔ صحاح ستہ میں جامع ترمذی بھی ہے اس کی روایت دیکھو عن ابن عباس قال کان النبیؐ یفتتح صلوتہ ببسم اللہ (سنن ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۳) اور علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے عن معویۃ انہ قدم المدینۃ فصلی بھم ولم یقرء بسم اللہ ولم یکبر اذا خفض واذا رفع فناداہ المہاجرون والانصار حین سلم یا معویۃ اسرقت صلاتک این بسم اللہ الرحمن الرحیم واین التکبیر۔ فلما صلی بعد ذلک قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم لام القرآن وللسورۃ التی بعدھا۔ معویہ نے ایک دفعہ مدینہ میں آکر صحابہ کرام اور دوسرے مسلمانوں کو نماز جماعت پڑھائی لیکن نہ بسم اللہ کہی اور نہ تکبیر کہی۔ جب سلام پھیر چکے تو مہاجرین وانصار پکارنے لگے اے معویہ! کیا تم نے اپنی نماز میں ڈاکا ڈال دیا؟ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہوا؟ تکبیریں کہاں گئیں؟ اس کے بعد معویہ نے پھر نماز پڑھی تو ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی کہا اور تکبیر بھی کہی (درمنثور جلد ۱ صفحہ ۸) قال اتانی جبرئیل فعلمنی الصلاۃ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم فجہر بھا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے نماز کی تعلیم کی تو پہلے زور سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا۔ کان رسول اللہؐ یجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم فی السورتین جمیعا۔ نماز میں حضرت رسول خدا صلعم ہر سورۃ کے قبل بسم اللہ الرحمن الرحیم زور سے پڑھا کرتے تھے (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۹۶ و ۲۰۹) اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا اذا قمت فی الصلوۃ فقل بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور سب سے زیادہ علم فرائض کے ماہر زید بن ثابت ہیں۔ اور ہر امۃ میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امۃ کے امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں (مسند احمد جلد ۳ صہ ۱۸۴)۔ غرض جس قدر فضیلتیں ہیں سب کے حامل ایک ایک بزرگ بنا دیئے گئے۔ مگر حضرت علیؑ جناب عبد اللہ بن عباس۔ جناب ابو ذر۔ جناب سلمان۔ جناب مقداد کسی فضیلت کے مستحق نہیں سمجھے گئے۔ پھر ان حضرات کا نام آتا تو کیونکر؟ حدیث انا مدینة العلم وعلی بابھا اپنی جگہ ہوا کرے۔ انا دار الحکمة وعلی بابھا کو لوگ کہتے اور سنتے رہیں مگر جناب انس کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں اور وہ اطمینان سے اپنی پہلی حدیث زندگی بھر مختلف لوگوں سے بیان کرتے رہے۔ آپ کو حضرت رسولخدا صلعم سے یہ پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوئی کہ حضرت علیؑ میں بھی کوئی خصوصیت ہے یا نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۱۱) قال کان رسول اللہ فی دارنا فحلب لہ داجن فشابوا لبنھا بماء اللہ ثم ناولہ النبیؐ فشرب وابو بکر عن یسارہ واعرابی عن یمینہ۔ فقال لہ عمر یا رسول اللہ اعط ابا بکر عندک وخشی ان یعطیہ الاعرابی قال فاعطاہ الاعرابی۔ ثم قال الایمن فالایمن۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم ہمارے گھر میں تشریف لائے تو آپکی ضیافت کے لئے بکری دوہی گئی۔ پھر لوگوں نے اس میں گھر کا پانی ملا دیا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم کو دیا تو حضرتؐ نے اس میں سے پیا۔ اوس وقت حضرتؐ کے بائیں طرف حضرت ابو بکر اور حضرت کے داہنی طرف ایک دیہاتی عرب بیٹھا تھا تو حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے کہا اے رسولخداؐ اب یہ دودھ آپ ابو بکر کو دیدیں جو آپکی بغل ہی میں ہیں۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہیں حضرتؐ یہ دودھ اس دیہاتی کو نہ دے دیں۔ مگر حضرتؐ نے واقعاً اس دیہاتی کو وہ دودھ دے دیا اور فرمایا جو داہنی طرف ہوتا ہے اوس کا حق زیادہ ہے (مسند احمد جلد ۳ صہ ۱۹۷)۔ روایت اس لئے ہوئی کہ ثابت ہو حضرت ابو بکر و عمر ہر وقت ہر حالت میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے اور کوئی تیسرا شخص آنحضرتؐ کا ایسا جان نثار نہیں تھا جیسے یہ دونوں صاحبان تھے

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۸۹) جب تم نماز پڑھنے کو کھڑے ہو تو ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ لیا کرو (کنز العمال جلد ۴ صہ ۹۶) ۱۲ منہ

مگر اس سے حضرت ابوبکر و عمر کی جو توہین ہوتی ہے اس طرف ذہن نہیں گیا کہ حضرتؐ نے خود تو حضرت ابوبکر کو وہ دودھ دیا ہی نہیں حضرت عمر کے کہنے پر بھی نہیں دیا۔ حالانکہ بار بار بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی رائے کو حضرت رسولخدا صلعم کا کیا ذکر ہے خدا بھی ٹالتا نہیں تھا بلکہ آپ جو کہتے خدا اور رسولؐ وہی کرتے تھے۔ افسوس اس روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ حضرت عمر اس موقع پر کس طرف تھے۔ حضرت ابوبکر کی بغل میں یا اس اعرابی کے متصل۔ مگر دوسری روایت (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۱) میں تصریح ہے کہ ومن وراءہ عمر بن الخطاب۔ اس دیہاتی کے پیچھے حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ رہا ہو کہ اگر آنحضرتؐ وہ دودھ حضرت ابوبکر کو دینگے تو وہ اس سے پیکر کچھ مجھے دینگے اور میں اس سے پیکر کچھ اس دیہاتی کو دے دوں گا۔ اس طرح سب کو حصہ مل جائیگا۔ برخلاف اس کے اگر آنحضرتؐ اس اعرابی کو دیں گے تو وہ تہذیب و ادب سے کورا ہی آنکھ بند کر کے سب خود ہی پی جائیگا اور حضرت ابوبکر کے ساتھ میں بھی محروم رہ جاؤنگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس اعرابی نے کسی کا لحاظ نہیں کیا۔ نہ حضرت ابوبکر کو پوچھا نہ حضرت عمر کو۔ کل اپنا حصہ سمجھ کر ختم کر دیا۔ (۱۲) قال کانت صلاۃ رسول اللہ صلعم متقاربۃ

له جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "آنحضرتؐ کی نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد قومہ اور سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ یہ سب برابر سرابر ہوتے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں نے خصوصاً حنفیوں اور شافعیوں نے اس سنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ کیا کرتے ہیں رکوع کے بعد قومہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ بہت خفیف کرتے ہیں۔ بعضے چور نمازی تو رکوع کر کے برابر سیدھے کھڑے بھی نہیں ہوتے اور مقتدیوں کو ربنا لک الحمد کثیرا طیبا مبارکا فیہ کے کہنے کی بھی مہلت نہیں دیتے کہ سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ دونوں سجدوں کے درمیان سیدھے بیٹھتے بھی نہیں کہ دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ نماز کیا پڑھتے ہیں مرغ کی طرح ٹھونگیں لگاتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ" (انوار اللغۃ پ ۲۱ صفحہ ۵)۔ اس زمانہ کے نمازیوں کو مولوی صاحب موصوف نماز کے چور بنا رہے ہیں مگر صحیح بخاری سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد ہی لوگ نماز کے چور ہو گئے تھے۔ ایسے کہ نماز کی صورت ہی بالکل بدل دی تھی

وصلاۃ ابی بکر حتے بسط عمر فی صلاۃ الغداۃ ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی نماز برابر برابر ہوتی ۔ حضرت ابوبکر کی بھی ۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے صبح کی نماز میں پھیلاؤ کر دیا (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۰۵) ۔ ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ حضرت عمر نے نماز کی شان بڑھا دی اور حضرت رسولخداؐ و حضرت ابوبکر سے زیادہ اسکی طرف توجہ کی ۔ دونوں بزرگوں سے زیادہ اس کو رونق دے دی (۱۳) ان رجلا قال یا رسول اللہ متی الساعۃ ۔ قال وما ذا اعددت لھا ۔ قال لا الا انی احب اللہ ورسولہ قال فانک مع من احببت ۔ قال انس فما فرحنا بشئی بعد الاسلام فرحنا بقول النبیؐ انک مع من احببت ۔ قال فانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) اسکی عبرتناک روایت ملاحظہ ہو عن مطرف قال صلیت انا وعمران بن الحصین صلوۃ خلف علی ابن ابی طالب فکان اذا سجد کبر واذا رفع کبر واذا نھض من الرکعتین کبر ۔ فلما سلم اخذ عمران بیدی فقال لقد صلی بنا ھذا صلاۃ محمدؐ او قال لقد ذکرنی ھذا صلوۃ محمدؐ ۔ مطرف بیان کرتے تھے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرتؑ جب سجدہ کرتے تکبیر کہتے ۔ جب سجدہ سے سر اوٹھاتے تکبیر کہتے اور جب دونوں رکعتوں سے اوٹھتے تکبیر کہتے ۔ جب حضرت سلام پھیر چکے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا حضرت علیؑ نے تو ہم لوگوں کو حضرت رسولخداؐ کی نماز پڑھا دی ۔ یا کہا کہ حضرت علیؑ نے مجھ کو حضرت رسولخدا صلعم کی نماز یاد دلا دی (صحیح بخاری پ ۳ صفحہ ۲۷۴ کتاب الصلوۃ باب یکبر) ۔ اور فرقہ اہلحدیث کے بڑے امام مولوی حکیم ابو یحیٰے محمد صاحب شاہجہانپوری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ۔
"عمران بن حصین نے جب بصرہ میں حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی جنھوں نے ان تکبیرات کو ادا کیا تو کہنے لگے ہم کو ادھوں نے وہ نماز یاد دلا دی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ۔ حضرت ابو موسےٰ نے بھی حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھکر ایسا ہی کہا اور یہ بھی کہا ہم لوگ اوس کو بھول گئے یا قصداً چھوڑ دیا" (کتاب الارشاد مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۵۷) اس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی نماز کی صورت بدل دی گئی اور پھر حضرت علیؑ ہی نے آنحضرتؐ کی طرح نماز پڑھی جس پر لوگوں کو وہ نماز یاد آگئی ۔ پھر اس زمانہ کے تغیرات کی شکایت بیجا ہے ۱۲ منہ

احب رسول اللہؐ و ابا بکر و عمر و انا ارجو ان اکون معھم لحبی ایاھم و ان کنت لا اعمل بعملھم
ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی اے رسولخدا قیامت کب آئیگی؟ حضرتؐ نے پوچھا تم نے
اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اوس نے عرض کی یا حضرتؐ کچھ نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں
اللہ اور اوسکے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا پھر تم (قیامت میں بھی) اوسی کے ساتھ
رہو گے جس کو دنیا میں دوست رکھتے ہو۔ جناب انس کہتے تھے کہ مجھے اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ
اور کسی چیز سے خوشی نہیں ہوئی کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا ہے کہ تم اوسی کے ساتھ رہو گے جس کو دوست
رکھتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ میں تو حضرت رسولخدا صلعم کو بھی دوست رکھتا ہوں اور حضرت ابوبکر و عمر
کو بھی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان حضرات کے ساتھ ہی رہوں گا اس لئے کہ میں ان لوگوں
کو دوست رکھتا ہوں اگرچہ ان کے ایسے اعمال نہیں بجالاتا (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)۔ جناب انس
کی یہ جرأت قابل ملاحظہ ہے کہ اوس شخص نے تو صرف خدا اور رسولؐ کے دوست رکھنے کا ذکر کیا لیکن آپ نے
خدا اور رسولؐ کی دوستی کافی نہیں سمجھی بلکہ ان کے ساتھ حضرت اول و دوم کی دوستی کا اضافہ بھی کردیا اور
اس طرح اپنے ان قلبی تعلقات کو ظاہر کردیا جو ان حضرات سے تھے۔ ایسے شخص کی روایات کا جو وزن
ہو سکتا ہے وہ محتاج توضیح نہیں۔ جب انکی نظر میں حضرت رسولخدا صلعم کی محبت بھی کافی نہیں تھی اور
صرف حضرتؐ کے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا تو دوسرے لوگوں کے بارے میں آپ کیا کچھ جذبات نہ رکھتے
ہوں گے۔ اس روایت میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس شخص نے جب کہا کہ میں خدا اور رسولؐ کو دوست
رکھتا ہوں تو آنحضرت صلعم نے فرمادیا کہ تو میرے ساتھ قیامت میں رہیگا لیکن جب جناب انس نے کہا
کہ میں آپ کو اور حضرت ابوبکر و عمر کو بھی دوست رکھتا ہوں تو آنحضرتؐ نے ان کو کسی بات کا امیدوار نہیں
کیا۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر کے دوست رکھنے سے بھی کوئی شخص قیامت میں آنحضرت صلعم کے ساتھ جگہ پاتا
تو آنحضرت صلعم اس موقع پر خاموش کیوں ہو جاتے؟ (۱۴) قال استشار رسول اللہ الناس
فی الاساری یوم بدر فقال ان اللہ عز وجل قد امکنکم منھم۔ قال فقام عمر بن الخطاب
فقال یا رسول اللہ اضرب اعناقھم قال فاعرض عنہ النبیؐ۔ قال ثم عاد رسول اللہؐ
فقال یا ایھا الناس ان اللہ قد امکنکم منھم وانما ھم اخوانکم بالامس قال فقام عمر
فقال یا رسول اللہ اضرب اعناقھم۔ فاعرض عنہ النبیؐ۔ قال ثم عاد النبیؐ فقال للناس
مثل ذالک فقام ابوبکر فقال یا رسول اللہؐ ان تری ان تعفو عنھم وتقبل منھم الفداء۔
قال فعفا عنھم وقبل منھم الفداء۔ قال وانزل اللہ عز وجل لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم

فی ما اخذتم الی آخر الآیۃ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ نے تم لوگوں کو ان کافروں پر غلبہ دیکر انھیں تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے ان کے بارے میں کیا کیا جائے اس پر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور کہا اے رسولخدا ان سب کی گردن اڑا دی جائے۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ دوبارہ حضرتؐ نے وہی سوال کیا اور فرمایا لوگو خدا نے ان سب کو تمہارے اختیار میں دے دیا ہے اب ان کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو یہ وہی ہیں جو کل تک تمہارے بھائی تھے۔ اس پر پھر حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور بولے اے رسولخدا ان سب کو قتل کرا دیجئے۔ یہ سُن کر پھر حضرت رسولخدا صلعم نے ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور تیسری بار پھر صحابہ کو خطاب کر کے ان کی رائے دریافت کی۔ تو اب حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور کہا اے رسولخدا اگر آپکی رائے ہو تو ان سب کو معاف کر دیجئے اور ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیجئے۔ انس بیان کرتے تھے کہ اس پر حضرتؐ کے چہرے سے رنج و ملال کے وہ آثار زائل ہو گئے جو اس کے پہلے نظر آتے تھے اور حضرتؐ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول کر لیا۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کے اس فعل پر خدائے عزوجل نے قرآن مجید میں یہ آیۃ نازل کی لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ اگر اللہ تعالے آگے سے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو تم نے جو مال قیدیوں سے لیا اس قصور میں تم پر بڑا عذاب[1] اترتا۔ (پ ۱۰۔ ع ۵) (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)۔ اس روایت کا مقصود یہ ہے کہ واضح ہو دینی امور

---

[1] اس آیۃ کی تفسیر میں جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "اس آیۃ میں اللہ جل شانہ نے اپنے پیغمبر پر عتاب فرمایا کہ ان سے ایک ایسی بات سرزد ہوئی جو بہتر نہ تھی۔ ہوا یہ کہ جب جنگ بدر کے کافر قیدی آنحضرت صلعم کے پاس لائے گئے تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے ان کے باب میں مشورہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ان کی گردن مار دیجئے۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کا قصور معاف کر دیجئے اور کچھ فدیہ لیکر ان کو چھوڑ دیجئے۔ آپ کو بھی رائے پسند آئی اور فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد یہ آیۃ اُتری۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بعضے آدمیوں کا دل دودھ سے بھی زیادہ نرم کرتا ہے اور بعضوں کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت کرتا ہے۔ اے ابوبکر تیری مثال ابراہیم

میں حضرت ابو بکرؓ سے تو حضرت عمر کا درجہ بڑھا ہوا تھا ہی جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔ خود حضرت سید المرسلین جناب رسو لخدا صلعم سے بھی آپ کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک جو میرا کہا مانے وہ میرا ہے۔ اور جو میرا کہا نہ مانے تو تو بخشنے والا ہے اور تیری مثال عیسٰےؑ کی ہے جنھوں نے یوں عرض کیا اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو زبردست ہے حکمت والا۔ اور اے عمر تیری مثال نوحؑ کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک میرے! ساری زمین پر ایک بسنے والا کافر بھی نہ چھوڑ اور موسٰےؑ کی ہے جنھوں نے یوں دعا کی مالک ہمارے! ان کے مالوں کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سختی کر۔ وہ جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھیں ایمان نہ لائیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ بیٹھکر رونے لگے۔ حضرت عمرؓ آئے انھوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا عذاب اس درخت سے بھی نزدیک آگیا تھا۔ اور اگر عذاب اُترتا تو کوئی نہ بچتا سوا عمرؓ اور سعد بن معاذ کے جنھوں نے قیدیوں کو مار ڈالنے کی رائے دی تھی۔ چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ قیدی کفر کے سردار ہیں اور انھوں نے اللہ اور اوس کے رسولؐ کو ایذا دی۔ آپ حکم دیجئے کہ ایس سے ہر ایک کو اس کا مسلمان رشتہ دار مار ڈالے۔ آپ عباس کو مار یئے اور میں فلاں اپنے عزیز کو مارتا ہوں تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کو خدا کی محبت سب سے زیادہ ہے۔ اللہ اللہ۔ حضرت عمر کی پاک نفسی اور عدالت خداوند کریم کو انہی کی راے پسند آئی۔ اب بعضے بے وقوف مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیدیوں کا قتل کرنا آئین عدالت سے بعید ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ ان قیدیوں کے بارے میں ہے جو دنیاوی جنگوں میں ملک یا دولت کے لئے کی جاتی ہیں گرفتار ہوں وہاں پر قیدیوں پر مارنا ستم ہے۔ کس لئے کہ ہر ایک کو یہ حق ہے کہ اپنا ملک اور مال بچائے اور اپنی آزادی کے لئے لڑے۔ لیکن یہ جنگ دنیاوی جنگ نہ تھی۔ یہ تو شرک اور کفر توڑنے کے لئے خالص خدا کے حکم سے جنگ کی جاتی تھی۔ اس میں خدا کی یہی مصلحت ہے کہ جب تک شرک اور کفر کا زور نہ ٹوٹ لے اوس وقت تک قیدیوں کی بھی رہائی نہ ہو۔ ورنہ احتمال ہے کہ پھر شرک اور کفر کا زور قائم ہو جائے اور اصل مقصود

حضرت تو اُن کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے بار بار قتل ہی کی رائے دی۔ اور جب رسولؐ نے انکی مخالفت کی تو خدا آنحضرتؐ پر غضب ناک ہو گیا کہ کیوں نہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا۔ اس کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "اس معرکے (غزوۂ بدر) میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اون کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل (حضرت علیؑ کے بھائی)۔ ابو العاص بن الربیع ۔ ولید بن الولید۔ ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اوٹھیں کہ اعطیتم بایدیکم ھلا متم کرام تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے؟ اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لئے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملہ میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں۔ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کر دے۔ علیؑ عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اوس کا کام میں تمام کر دوں۔ آنحضرتؐ نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابو بکر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض الخ کسی پیغمبر کے لئے زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب[له] خوں ریزی نہ کرلے" (الفاروق صـ۴۲)

(بقیہ حاشیہ صـ۱۹۵) فوت ہوا اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے یہ دنیا کے بادشاہ باغیوں کو ضرور پھانسی دیتے ہیں ان کو فدیہ لے کر کیوں نہیں چھوڑتے۔ مشرک اور کافر بھی اللہ تعالےٰ کے باغی ہیں" (تفسیر وحیدی صـ۲۴۲)

له یہ آیۃ بھی پارہ ۱۰ رکوع ۵ کی ہے۔ دونوں کا مطلب مفسرین اہلسنت کے اعتقاد کے مطابق یہی ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے شدید غلطی کی جس پر خدا غضب ناک ہوا اور حضرت عمر نے بہترین رائے دی تھی جس کو خدا نے ہر طرح پسند کیا اور اسکی تائید کی ۱۲ منہ

(۱۵) عن انس بن مالک ان النبیؐ اتی برجل قد شرب الخمر فجلدہ بجریدتین نحو الاربعین و فعلہ ابو بکر ۔ فلما کان عمر استشار الناس فقال عبدالرحمن بن عوف اخف الحدود ثمانون فامر بہ عمرؓ ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ایک شرابی لایا گیا تو حضرتؐ نے اس کو چالیس کوڑے مارنے کی سزا دی ۔ حضرت ابو بکر نے بھی یہی تعداد رکھی مگر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو لوگوں سے مشورہ کیا ۔ اس پر عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ سب سے ہلکی سزا اسّی کوڑوں کی ہے تو حضرت عمر نے بھی اسی کا حکم جاری کر دیا (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۷۳) جناب مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اوس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انھوں (حضرت عمر) نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے" (الفاروق حصہ ۲ صفحہ ۲۱۴) ۔ مقصود یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا ہر فعل قابل اصلاح اور ہر حکم لائق ترمیم تھا بلکہ خدا ہی کے اصول و قواعد محتاج تصحیح تھے اس لئے کہ یہ بھی مذہبی امر تھا جسکے بارے میں مولوی شبلی صاحب بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ "نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۰) ۔ اور خدا کے جس حکم یا قانون کو حضرت عمر چاہتے بدل دیتے مسلمان تو اسے قبول کر لیتے ہی ۔ خدا اور رسولؐ بھی اپنی غلطی مان کر اس اصلاح کو اختیار کر لیتے تھے ۔ غرض اسی طرح آپکی روایتوں میں حضرت عمر کے فضائل بھرے ہوئے ہیں۔

جناب انس کی حالت

اب جناب انس کی کچھ حالت بھی دیکھو تا کہ معلوم ہو آپ حضرت ابو بکر و عمر سے کیوں اس درجہ خوش تھے ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے ان ابا بکر لما استخلف بعث الی انس لیوجھہ الی البحرین علی السعایۃ ۔ فدخل علیہ عمر فاستشارہ ۔ فقال ابعثہ فانہ لبیب کاتب ۔ قال فبعثہ ۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو آپ نے جناب انس کو بلا بھیجا تا کہ ان کو سعایۃ کے عہدہ پر مقرر کر کے ملک بحرین کی طرف بھیجیں اسی وقت ان کے پاس حضرت عمر بھی پہونچ گئے تو آپ نے ان سے بھی اس امر میں مشورہ کیا ۔ انھوں نے کہا ہاں ان کو ضرور بھیجئے کیونکہ وہ سمجھدار کاتب ہیں ۔ اسکے بعد حضرت ابو بکر نے ان کو وہاں روانہ کر دیا (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۷۲) ۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت ابو بکر و عمر نے آپ کے ساتھ اس قدر مہربانی کا برتاؤ کیا تو حضرت انس ان حضرات کے مداح کیوں نہیں ہوتے اور ان لوگوں کی عنایت کا عوض کیوں نہ ادا کرتے ۔ استنے بڑے عہدے کی سرفرازی معمولی چیز نہیں تھی ۔ اس کے مقابلہ میں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ آپ کا جو برتاؤ تھا وہ مشہور حدیث طیر سے واضح ہے چنانچہ محدثین اہلسنت نے لکھا ہے عن انس قال کنت مع رسول اللہؐ فی بستان فاھدی لنا طائر مشوی فقال اللھم ائتنی باحب الخلق الیک فجاء علی ابن ابی طالب۔ فقلت رسول اللہؐ مشغول فرجع۔ ثم جاء بعد ساعۃ ودق الباب وردوتہ مثل ذلک ثم قال رسول اللہؐ یا انس افتح لہ فقال ماردوتہ۔ فقلت یا رسول اللہ کنت اطمع ان یکون رجلا من الانصار فدخل علی ابن ابی طالب فاکل معہ من الطیر فقال رسول اللہؐ المرء یحب قومہ۔ جناب انس بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ایک باغ میں تھا۔ وہاں حضرتؐ کے لئے ایک بھنا ہوا طائر بطور ہدیہ لایا گیا تو حضرتؐ نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ تمام مخلوق میں جو شخص تجھ کو سب سے زیادہ پیارا ہو اوسے اس وقت میرے پاس بھیجدے کہ وہ میرے ساتھ اس طائر کو کھائے۔ اس دعا پر فوراً حضرت علی ابن ابی طالبؑ وہاں پہونچ گئے۔ تو میں (انس) نے آپ سے کہا کہ حضرت رسولخدا صلعم کو اس وقت آپ سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ واپس چلے گئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت ہی آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور پہلے کی طرح اب بھی میں نے آپکو واپس کر دیا۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے انس علیؑ آتے ہیں ان کے لئے دروازہ کھولدو تم دیر سے انکو واپس کر رہے ہو۔ اب میں نے عرض کی اے رسولخدا میں یہ چاہتا تھا کہ انصار سے کوئی شخص آجاتا (اور حضور کے ساتھ اس کو کھاتا) غرض حضرت علیؑ ابن ابی طالب حضرتؐ کے پاس آئے اور حضرتؐ کے ساتھ اس گوشت کو کھایا۔ اس کے بعد حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا آدمی کا دستور ہے کہ اپنی ہی قوم کو دوست رکھتا ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۰۶)

واضح ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم صرف ایک چڑیئے کا گوشت تناول فرمانا چاہتے تھے اور اسکے لئے محض یہ دعا کی کہ خدا کو جو شخص سب سے زیادہ محبوب ہو اوسے آپ کے پاس بھیجدے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی حکومت تقسیم ہوتی تھی نہ کوئی عہدہ بٹتا تھا۔ نہ کوئی سرداری دی جاتی تھی۔ نہ کوئی دولت بخشی جارہی تھی۔ لیکن حضرت علیؑ کا بار بار آنا بھی جناب انس کو ناگوار ہوا اور اونھوں نے دو مرتبہ حیلہ کر کے حضرتؑ کو واپس کر دیا۔ صرف اس خیال سے کہ اگر آپ نے اس گوشت کو آنحضرتؐ کے ساتھ کھا لیا تو آپ ہی کے بارے میں یقین ہو جائے گا کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ آپ کی ایسی عظیم الشان فضیلت ہو جائیگی جس کا مقابلہ کسی دوسرے شخص کی کوئی فضیلت

نہیں کر سکتے۔ اب آسانی سے اس امر کا فیصلہ ہو جا سکتا ہے کہ آپ سے حضرت ابوبکر و عمر کے فضائل میں ایسی حدیثیں کیوں مروی ہیں جو عموماً دوسرے اصحاب سے نہیں ملتیں۔ اور ممکن ہے اسی وجہ سے بحرین کے لئے حضرت ابوبکر نے بھی آپ کا انتخاب کیا ہو اور حضرت عمر نے بھی اسی سبب سے انکی تائید کر کے ان کو بحرین کی طرف روانہ کرا دیا ہو۔ یہ امر کس درجہ عبرت ناک ہے کہ جناب انس حضرت رسولخدا صلعم کے خاص خادم تھے۔ اور آنحضرتؐ کی حدیثیں بھی بکثرت روایت کیں۔ بہت زیادہ عمر بھی پائی کہ غالباً ۱۰۰ سال کے ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے بلکہ ۱۰۷ سال کی عمر بھی بیان کی گئی ہے (اصابہ جلد ۱ صـ۷۲) مگر حضرت علیؑ کے متعلق آپ کی روایت شاذ و نادر ہی مل سکے۔ مسند احمد بن حنبل میں جو احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے صفحہ ۹۸ سے ۲۹۲ تک آپکی روایتیں بھری ہوئی ہیں اور تقریباً ہر صفحہ میں حضرت ابوبکر و عمر کا ذکر موجود ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کی فضیلت میں شاید ہی کچھ حدیثیں ملیں۔ جس کی وجہ اس کے سوا تو کوئی بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت رسولخدا صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی حضرت ابوبکر و عمر کی توجہ آپ کی طرف ہو گئی۔ بحرین کے ایک عہدہ پر آپ سرفراز کر دیئے گئے۔ اس کے بعد خلفاء ثلثہ کا زمانہ رہا۔ پھر خلفاء بنی امیہ کا دور آپ کو ملا۔ اس کے معتد بہ حصہ میں بھی آپ کا وجود رہا چنانچہ ۴۱ھ ہجری میں بنی امیہ کی سلطنت شروع ہوئی جو ۱۳۲ھ ہجری تک رہی اور جناب انس ۹۳ھ ہجری تک زندہ رہے اس مدت میں اسلامی دنیا کا ذرہ ذرہ تو حضرت اول و دوم کا فدائی اور حضرات اہلبیتؑ سے علیحدہ تھا۔ پھر آپ سے کوئی حدیث مروی کیونکر ہوتی۔ ہاں جو حضرات ان اسلامی حکومتوں کے درباروں میں نہیں پہونچے۔ جن کو خلفاء کے عہد میں کوئی عہدہ نہیں ملا۔ جنھوں نے دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی۔ جنھوں نے جنت کو متاع دنیا کے عوض نہیں بیچا۔ جنھوں نے خدا و رسولؐ کی خوشی کے لئے دنیا کی لذات کی پروا نہیں کی۔ جن لوگوں نے آخرت کے مقابلہ میں یہاں کے عیش کو پسند نہیں کیا۔ جنھوں نے حق کے مقابلہ میں کسی ذاتی مفاد یا عناد کی وجہ سے باطل کو ترجیح نہیں دی۔ جو تلوار کے رعب سے متاثر نہیں ہوئے۔ جو جبر و سطوت کا شکار نہیں ہوئے۔ جنھوں نے گمراہی کے نتائج سے اپنے کو محفوظ رکھا انھیں لوگوں کی روایتوں سے حضرات اہلبیتؑ طاہرین کے فضائل میں حدیثیں ملتی ہیں اور اس حد تک ملتی ہیں کہ اُن کا آج تک کتابوں میں ذکر موجود ہے اور کسی دنیوی طاقت کو ان کی اشاعت کے روکنے میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ جتنا زیادہ ان حضراتؑ کے فضائل کو چھپانے کی کوشش کیگئی

اتنا ہی زیادہ وہ حدیثیں پھیلیں اور ان حضرات کا درجہ روز بروز بڑھتا گیا مگر ابتدائی عہد اسلام میں عوام کا کیا ذکر ہے خواص تک حق بات زبان پر جاری نہیں کر سکتے تھے ۔ ایک عبارت قابل دید ہے جس سے اوس زمانہ کے آثار واضح ہو جاتے ہیں ۔ فی تھذیب الکمال للمزی وحاشیۃ تذھیب تھذیب الکمال لصفی اللہ بن الخزرجی قال قال یونس بن عبید سالت الحسن وقلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ صلعم وانک لم تدرکہ ۔ قال یا ابن اخی لقد سالتنی عن شئ ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک ۔ انی فی زمان کما تری کل شئ سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلعم فھو عن علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا ۔ تہذیب الکمال مزی اور حاشیہ تذہیب صفی الدین خزرجی میں یونس بن عبید سے منقول ہے میں نے امام حسن بصری سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ تم حضرت رسولخدا صلعم سے حضرت کی حدیثیں بلا واسطہ روایت کرتے ہو حالانکہ تم حضرت کے زمانہ میں نہیں تھے نہ حضرت سے ملے تھے ۔ انھوں نے جواب دیا اے فرزند برادر اس وقت تم نے مجھ سے ایسی بات دریافت کی جو اس سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی تھی اور اگر تمہاری خاطر مجھے منظور نہ ہوتی تو میں تم کو بھی اس راز سے آگاہ نہیں کرتا سنو میں جس قدر حدیثیں بیان کرتا ہوں اور ان کے بارے میں کہتا ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا وہ سب حضرت علی بن ابی طالب کی مرویات سے ہیں مگر میں کیا کروں اور کیونکر حضرت کا نام لوں اس لئے کہ میں ایسے زمانہ میں ہوں جس میں حضرت کا نام زبان سے نہیں نکال سکتا (تہذیب الکمال ص-)

اسلام کی پہلی اور دوسری صدی میں تو باطل کا اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین یا علماء و محدثین کا کیا ذکر ہے خود بعض انصاف پسند بادشاہ زمانہ اور خلفاء اہلسنت نے بھی مختصر الفاظ میں حق کو ظاہر کرنا چاہا تو ان کو پوری سزا مل گئی ۔ مثلاً یزید کے بیٹے معویہ نے اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت سے دیکھا اور حضرت علیؑ و اولاد علیؑ کو مستحق خلافت جانا تو بنی امیہ نے اس کو زہر سے قتل کر دیا ۔ اس وقت اسکی عمر ۲۱ سال ۸ ایوم کی تھی اور صرف ۴۰ دن بادشاہت کرنے پایا تھا ۔ اسی طرح خاندان بنی امیہ کے ایک اور مشہور اور قابل قدر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انجام ہوا جس کو بعض اہلسنت خلفاء اربعہ کے بعد پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے جو عدل و انصاف و حق پسندی میں مشہور ہے ۔ مورخین نے اس کے زہد ۔ اتقاء ۔ صدق ۔ اعتدال ۔ سادہ مزاجی ۔ ہمدردی وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے ۔ اس نے بھی حضرت علیؑ و اہلبیتؑ

کو پہچانا۔ ان حضرات کے فضائل سے واقفیت حاصل کی۔ اور ان کی دوستی کا شرف حاصل کیا۔ تو باوجود بادشاہ وقت اور دنیائے اسلام کے یکہ وتنہا مالک ہوتے کے اپنے اس جرم کی پوری سزا پالی۔ بنی امیہ اوس کے جانی دشمن ہو گئے۔ یزید بن عبدالملک نے خلیفہ کے ایک غلام کو رشوت دے کر کھانے میں زہر دلوادیا۔ یہ نیک نہاد بادشاہ ۳۹ سال کی عمر میں حمص کے علاقہ میں بمقام دیر سمعان رحلت کر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ صرف ۲ سال [illegible] ماہ سلطنت کرنے پایا۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے قیل لعمر فی مرضہ الا تتداوی فقال لقد علمت الساعۃ التی سقیت فیہا۔ لوگوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ آپ اپنا علاج کیوں نہیں کرتے؟ تو کہا مجھے معلوم ہے کس وقت مجھے زہر دیا گیا وکانت وفاتہ بالسم کانت بنو امیۃ قد تبرموا بہ۔ اس خلیفہ کی وفات زہر سے ہوئی کیونکہ بنی امیہ اس سے عاجز آ گئے تھے دعا غلاما لہ فقال ویحک ما حملک علی ان تسقینی السم قال الف دینار اعطیتہا وعلی ان اعتق قال ہاتہا قال فجاء بہا فالقہا فی بیت المال وقال اذھب حیث لا یراک احد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام کو بلا کر پوچھا کس سبب سے تو نے مجھے زہر پلا دیا؟ اوس نے کہا مجھے اس کے انعام میں ایک ہزار اشرفیاں دی گئیں۔ اور یہ بھی وعدہ کیا گیا کہ آزاد کر دیا جاؤں گا۔ اس لالچ میں یہ حرکت کی۔ خلیفہ نے وہ اشرفیاں منگا کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام سے کہا ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی بھی نہ دیکھے (تاریخ الخلفاء ص۱۶۷)

غرض جب حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کی ادنیٰ محبت کرنے کی سزا بھی اتنے بڑے بڑے شہنشاہوں کو اس طرح دی جاتی کہ وہ زندگی کی لذتوں ہی سے محروم ہو جاتے تو عوام کو کیونکر اسکی جرأت ہوتی کہ حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کے فضائل اور حضرت ابوبکر وعمر کے قبائح ومطاعن میں کوئی روایۃ بیان کر سکتے؟

مذکورہ بالا وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ کتب حدیث وسیرۃ وتفسیر وتاریخ میں خلفاء ثلثہ کے فضائل ومناقب وکمالات وکرامات میں تو ڈھیر کی ڈھیر روایتیں موجود ہیں۔ جن کی حد وحساب بتانا دشوار ہے۔ لیکن ان کی مذمت وطعن میں کوئی روایت نہیں مل سکتی۔ اگر پھر بھی کوئی امر مل جائے تو اس کے متعلق عقل حکم کرے گی کہ یہ اس درجہ یقینی اور مشہور امر تھا جو متعصب اور سلاطین زمانہ کے زیر اثر محدثین ومفسرین ومورخین بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکے اور وہ برائیاں مثل آفتاب

روشن ہو کر رہیں۔ اب ہم اس مقدمہ سوانح کو تمام کر کے اصل کتاب شروع کرتے ہیں اور خدائے منان سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے لکھنے میں اپنی توفیق ہمارے شامل حال رکھے۔ اس اسلامی خدمت میں ہماری پوری مدد کرے۔ ہمیں ہر قدم پر سیدھی راہ دکھاتا رہے۔ ہمارے حقیر قلم سے ہر حرف مطابق حق ہی نکالے اور تعصب وجنبہ داری کا شائبہ بھی نہ پیدا ہونے دے!

حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ نعم المولےٰ ونعم النصیر [1]

اس کتاب کے ابواب واضح ہو کہ یہ سوانح عمری انشاء اللہ ان ابواب پر مشتمل ہوگی۔

(۱) پہلا باب۔ شجرہ نسب۔ خاندانی حالات۔ پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات زمانہ جاہلیت کے کارنامے۔ اعزہ واقربہ۔ قبول اسلام وغیرہ (۲) دوسرا باب۔ ہجرت مدینہ سے وفات رسولؐ تک کا زمانہ۔ غزوات کی شاندار خدمات۔ مدینہ کی زندگی۔ عہد رسولؐ میں آپکی اسلامی خدمتیں (۳) تیسرا باب۔ وفاۃ رسولؐ سے خلیفہ اول کی وفات تک کے مفصل حالات اور اس عہد کے

---

[1] **بشارت** اس سوانح عمری کے شروع میں قرآن مجید کی کوئی آیت لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی مگر کوئی مناسب آیۃ نہیں نظر آتی تھی۔ بہت دنوں تک غور وخوض کرنے کے بعد ذہن میں آیا کہ خود قرآن مجید سے دریافت کیا جائے کہ کون آیۃ لکھی جائے۔ اس نیت سے قرآن مجید کو کھولا تو پہلے ہی بار حسب ذیل آیۃ نکلی:۔ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْھَآ اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْھَا وَجَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ کیا یہ لوگ روے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے اُن کا انجام کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اوس سے کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی کاشت کی تھی اور اوسکو آباد بھی کیا تھا اور ان کے پاس بھی اون کے پیغمبر واضح اور روشن معجزے لے کر آچکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے اون پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ مگر وہ لوگ آپ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (پ ۲۱۔ ع ۴)۔ اسی وجہ سے ہم نے یہی آیت کتاب کی پیشانی پر لکھ دی ۱۲ منہ

زرین کارنامے۔ خاندان رسولؐ سے آپ کا برتاؤ (۴) چوتھا باب۔ خلیفہ اول کی وفات سے آپکی اپنی وفات تک کی مدت اور اوسکے کارنامے (۵) پانچواں باب۔ آپکی ملکی فتوحات کی تفصیل اور ان پر دینی و دنیوی اعتبار سے مفصل تبصرہ (۶) چھٹا باب۔ آپ کے نظام حکومت سیاست و تدبیر۔ عدل و انصاف کی تصویر کشی (۷) ساتواں باب۔ آپ کے دوسرے دنیوی کارنامے (۸) آٹھواں باب۔ آپ کی خلافت۔ اجتہاد۔ مذہبی اصلاحیں اور دوسرے دینی کارنامے (۹) نواں باب۔ آپ کے ذاتی حالات۔ ایمان۔ ورع۔ تقوے۔ تقدس۔ علم و فہم۔ عبادات وغیرہ (۱۰) دسواں باب۔ آپ کے باقی وہ حالات جو گزشتہ ابواب سے بچ گئے ہوں۔ کتاب کی تقسیم کا یہ مختصر ذکر ہے۔ تفصیلی امور انشاء اللہ ہر باب کی متعدد فصلوں میں دکھائے جائیں گے اور کوشش کی جائیگی کہ آپ کی کسی خوبی۔ کسی فضیلت۔ کسی شاندار خدمت کو چھوڑا نہ جائے بلکہ اسکو اسی عنوان سے دکھایا جائے جسکی وہ مستحق ہے۔

تنبیہ اصل کتاب کے مضامین شروع کرنے سے قبل ناظرین کتاب سے یہ التماس کرلینا ضروری ہے کہ انھیں اس نہایت اہم امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کتاب کے مقدمہ میں جو اصول واضح کئے اور ضروری مباحث لکھے گئے ہیں۔ اُن کو برابر پیش نظر رکھکر پوری کتاب کا مطالعہ کریں ہمیں قوی امید ہے کہ جس مقام پر اونھیں کوئی شبہ یا تردد پیدا ہوگا اس وقت اگر وہ مقدمہ کے مطالب کو پھر دیکھ لینگے تو اونکے کل شکوک زائل ہوجائیں گے اور پورا اطمینان حاصل ہوجائیگا۔ کیونکہ جن علماء اعلام کی مستند کتب حدیث و تفسیر و رجال و تاریخ و طبقات و سیرۃ و ادب و لغت سے اسکے مضامین کا اقتباس کیا گیا ہے وہ اسلام کے اس فرقہ سے تعلق رکھتے بلکہ اسکے مقتدا تسلیم کئے گئے ہیں جو ہمارے ہیرو کا کمال درجہ معتقد اور آپ کے فضائل و مناقب کا پورا معترف ہے اور جاپنے مذہبی اثرات کی وجہ سے اس کا سخت پابند رہا ہے کہ حضرت ممدوح کے موافق کل امور کو تسلیم کرے لیکن آپ کی شان کے خلاف کسی چیز کو نہ مانے۔ باوجود اس کے ان چیزوں کا ان کتابوں میں موجود ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ امر حد تواتر یا درجہ یقین تک پہونچا ہوا تھا۔ اس وجہ سے ان علماء کو بھی درج کتاب کرنا پڑا۔ اسکے ساتھ اسکی بھی امید قوی ہے کہ ہمارے اقتباس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوگا۔ نہ ہماری نیت پر حملہ ہوگا کیونکہ ہماری غرض اصلی حالات کا ظاہر کردینا ہے۔ اور تذکرہ نویس کا فرض بھی یہی ہے کہ مالہ و ماعلیہ سب کو پیش کردے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت

پہلا باب

شجرہ۔نسب۔خاندانی حالات۔پیدائش سے ہجرت تک کے واقعات۔زمانہ جاہلیۃ کے کارنامے۔اعزہ واقربہ۔قبول اسلام وغیرہ

پہلی فصل شجرہ نسب

حضرت عمر کا شجرہ نسب حسب ذیل بیان کیا گیا ہے

عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب م

م کعب

- عدی
  - رزاح
  - قرط
  - عبداللہ
  - رباح
  - عبدالعزے
  - نفیل
    - خطاب
      - حضرت عمر
    - عمرو
      - زید
      - سعید
- مرہ
  - تیم
    - سعد
    - کعب
    - عمرو
    - عامر
    - ابوقحافہ
    - حضرت ابوبکر
  - کلاب
    - قصیؓ
    - عبدمناف
    - جناب ہاشم
    - جناب عبدالمطلب
      - جناب ابوطالب
        - حضرت علیؑ
        - حسنینؑ
        - زین العابدینؑ
        - باقرؑ
      - جناب عبداللہ
        - حضرت سیدالمرسلین صلعم



لطیفہ جن حضرات کو عربی زبان کی کتب تاریخ دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہمارے لکھے ہوئے شجرہ نسب کو اس بنا پر غلط کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں اسلامی تاریخ کے سب سے مشہور مصنف شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی گزرے ہیں اور یہ شجرۂ نسب اُن کے لکھے ہوئے شجرۂ نسب سے مختلف ہے۔ چنانچہ ممدوح نے اپنے ہیرو کا شجرہ اس طرح لکھا ہے "سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک" (الفاروق مطبوعہ کانپور ۱۸۹۹ء جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔ جس سے معلوم ہوا کہ لوئی بن غالب بن فہر نہیں بلکہ لوئی بن فہر تھا۔ یعنی فہر لوئی کا دادا نہیں بلکہ باپ تھا۔ اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ اسلام کی مستند کتب تاریخ سے دریافت کیا جائے کہ اصلیت کیا ہے۔ علامہ ابوالفدا نے لکھا ہے وولد لفھر غالب ثم ولد لغالب لوی۔ فہر کا لڑکا غالب ہوا اور غالب کا لڑکا لوی (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱)۔ علامہ دیار بکری نے لکھا ہے فولد غالب بن فھر لویا۔ فہر کے بیٹے غالب کا فرزند لوئی ہوا۔ فولد لوی بن غالب کعبا۔ غالب کے بیٹے لوئی کا فرزند کعب تھا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوی فہر کا نہیں بلکہ غالب کا بیٹا تھا۔ اسلامی تاریخ کے امام اعظم علامہ طبری نے حضرت رسول خدا صلعم کے نسب نامہ میں لکھا ہے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب۔ ابن فہر بن مالک (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸۶) اس سے بھی واضح ہے کہ لوی فرزند تھا غالب کا اور غالب پوتا تھا فہر کا۔ اس طرح لوی اور فہر کے بیان ایک شخص غالب بھی گزرا ہے جسکو مولوی شبلی صاحب نے ترک کر دیا۔ اہل عرب کے نسب کی مفصل حالت بہت تفصیل سے ایک مخصوص کتاب سبائک الذہب میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب خاص اسی فن میں ہے۔ اس میں حضرت عمر کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک (سبائک الذہب صفحہ ۶۳ و ۶۴)۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوی کے باپ کا نام فہر نہیں تھا جیسا مولوی شبلی صاحب کا دعوے ہے۔ بلکہ اس کا باپ غالب اور فہر اسکا دادا تھا۔ یہ تماشہ بھی ملاحظہ ہو کہ مولوی شبلی صاحب حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری لکھنے لگے تو اس میں اسی لوی کو جسے الفاروق میں فہر کا بیٹا بنایا ہے فہر کا پوتا لکھدیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں

"سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ بن ہاشم۔ بن عبد مناف بن قصیؒ بن کلاب بن مرہ۔ بن کعب۔ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۱۱۶)

لوی کو جو واقعاً فہر کا پوتا تھا مولوی صاحب نے ادس کا بیٹا قرار دیا تو اس سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے اس وجہ سے اس سے تعرض کرنا بیکار تھا۔ مگر ہماری غرض یہ ہے کہ اس کتاب کے ناظرین سمجھیں مولوی شبلی صاحب جن کو اسلامی تاریخ کا بڑا محقق کہا جاتا ہے واقعاً تحقیق کے کس درجہ پر فائز تھے اور ان کی کتاب الفاروق جسکی اس قدر دھوم مچا رکھی گئی ہے کس درجہ صحت و احتیاط سے لکھی گئی۔ جب مولوی صاحب نے ابتداء ہی میں ایسی سخت ٹھوکر کھائی تو کیونکر امید کیجائے کہ آگے سنبھل کر چلے ہوں گے۔ ایسی حالت میں کیوں نہ کہا جائے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ؛ تا ثریا می رود دیوار کج

تحقیق قریش[۱] حضرت عمر کی سوانح عمری میں اس امر کی تحقیق کہ قریش سے عرب کی کون جماعت مراد ہے بہت ضروری۔ اہم اور نتیجہ خیز ہے۔ محققین علم انساب اور مورخین ملک عرب نے اس میں شدید اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ صرف جناب قصی کی اولاد اور نسل قریش ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ ان کے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔

اس اختلاف کا اثر یہ ہوگا کہ اگر صرف جناب قصی کی اولاد قریش قرار پائیگی تو ان کے بھائیوں یا بزرگوں کی اولاد قریش سے خارج سمجھی جائیگی۔ اور اگر فہر کی اولاد قریش سمجھی جائیگی تو اسکی نسل کے سب لوگ قریش تسلیم کئے جائیں گے۔

اُن کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش صرف قصی کی اولاد ہیں پہلی جماعت میں بہت بڑے مورخین و محققین علم انساب ہیں سب کی عبارتیں نقل کرنے میں طول ہوگا۔ محض چند اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔ علامہ ابن عبد ربہ نے جو بہت قدیم نسب داں۔ ادیب اور مورخ گزرا ہے لکھا ہے

---

[۱] یہ پورا مضمون حضرت ابو بکر کی سوانح عمری سے نقل کیا گیا ہے۔ چونکہ ان مباحث اور ان کے نتائج کا تعلق حضرت عمر سے بھی ہے اس وجہ سے اس کا نقل ضروری ہوا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ اس سوانح عمری کے دیکھنے والے حضرت ابو بکر کی سوانح عمری مولفہ حقیر دیکھ چکے ہوں یا آئندہ دیکھیں ۱۲ منہ

فجمعہم قصیؒ بن کلاب فسموا قریشا والتقریش التجمیع وسمی قصیؒ بن کلاب مجمعا۔ فقال فیہ الشاعر
؎ قصیٌّ ابوکم من یسمی مجمعا
بہ جمع اللہ القبائل من فہر
(عقد فرید جلد ۲ ص ۳۸)

عرب کے لوگوں کو قصیؒ بن کلاب نے جمع کیا۔ اسی وجہ سے وہ سب قریش کہے گئے۔ تقریش کا معنے اچھی طرح جمع کرنا ہے۔ اور قصیؒ کو خوب جمع کرنے والا کہتے تھے۔ انھیں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ تمہارے باپ قصیؒ کو لوگ جمع کرنے والا کہتے تھے کیونکہ انھیں کے ذریعہ سے اللہ نے فہر کے قبیلوں کو جمع کیا۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں "قصیؒ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول اُن ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کرکے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بنا پر ان کو مجمّع بھی کہتے تھے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ قصیٌّ ابوکم من یسمی مجمعا ؛ بہ جمع اللہ القبائل من فہر
قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ ص ۳۶ سے لیکر ۴۱ تک ہے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور خاص شخص کا نام ہے۔ لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۱۱۹)

کل مورخین کی تحقیقات ذکر کی جائیں تو کئی صفحے بھر جائیں۔ اس وجہ ہم سب کو چھوڑتے ہیں۔ البتہ اسلامی مورخین میں دو مورخ سب سے زیادہ معتبر مانے جاتے ہیں۔ ایک علامہ ابن اثیر جزری۔ دوسرے علامہ طبری پس انھیں دونوں کا قول دیکھو۔

علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے :-

قیل لما جمعھم قصی قیل لھم قریش۔ والتقرش التجمع۔ وقیل لما ملک قصی الحرم وفعل افعالا جمیلۃ قیل لہ القرشی وھو اول من سمی بہ وھو من الاجتماع ایضا ای لاجتماع خصال الخیر فیہ۔

(تاریخ کامل جلد ۲ صنا)

لوگوں کا بیان ہے کہ جب عرب کو قصی نے جمع کیا تب ان لوگوں کو قریش کہنے لگے۔ تقرش کا معنے جمع ہوتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ جب قصی حرم کے سردار ہوئے اور بہت اچھے اچھے کام کئے تو لوگ ان کو قرشی کہنے لگے۔ اور پہلی مرتبہ یہ نام انھیں قصی کا رکھا گیا اور یہ لفظ اجتماع سے نکلا ہے یعنی قصی میں اچھی صفتیں جمع تھیں اس سے اُن کو قریش کہنے لگے۔

اور مورخ جلیل الشان علامہ طبری نے لکھا ہے۔

ان عبد الملک بن مروان سأل محمد بن جبیر متی سمیت قریش قریشا۔ قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقھا فذلک التجمع التقرش فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال لہ القرشی ولم تسمّ قریش قبلہ۔

خاندان بنی امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا۔ اس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم میں اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ تقرش کا معنے تجمع ہے۔ اس جواب پر خلیفہ عبد الملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آتا ہوں کہ قصیؔ کو قرشی کہتے تھے اور ان کے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں تھا

اسکے بعد ہی یہ روایت بھی لکھی ہے۔

لما نزل قصی الحرم وغلب علیہ فعل افعالا جمیلۃ فقیل لہ القرشی فھو اول من سمی بہ (تاریخ طبری طبع مصر جلد ۲ ص ۱۸۸)

جب قصی حرم (مکہ معظمہ) میں آکر مقیم ہوئے اور اُس پر غالب آئے اور وہاں بڑے اچھے اچھے کام کئے تو سب لوگ ان کو قرشی کہنے لگے لہذا وہی پہلے شخص ہیں جو اس نام سے پکارے گئے۔

قرآن مجید کے مفسرین نے بھی ان روایتوں کو لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد ۶ ص ۳۹۸ میں مذکورہ بالا روایتیں موجود ہیں۔ اور خود صحیح بخاری کی سب سے زیادہ مقبول اور

معتبر شرح فتح الباری میں بھی عبد الملک کے انکار والی روایۃ موجود ہے (دیکھو فتح الباری مطبوعہ دہلی پارہ ۱۴ صفحہ ۳۰۲) جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ خلیفہ عبد الملک کا یہ قول صحیح ہے اور اس میں کسی طرح کچھ شک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ علامہ ابن حجر اسلام میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے امام۔ محقق اور مصنف تھے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے "حافظ ابن حجر کہ جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲) پس ان روایتوں میں عبد الملک کا سوال اور محمد بن جبیر کا جواب۔ پھر عبد الملک کا قول کہ قصیؒ کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں بہت کچھ فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ یہ خلفاء بنی امیہ کا بہت معزز۔ زبردست اور حالات عرب سے پوری واقفیت کا دماغ رکھنے والا خلیفہ گزرا ہے۔ یزید ۶۴ھ میں مرا تو مروان چند دنوں کے لئے خلیفہ ہوا۔ اوس کے مرنے پر اوس کا بیٹا یہی عبد الملک دنیائے اسلام کا بادشاہ ہوا۔ اس نے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک شاندار سلطنت کی اور دنیا کے بہت کامیاب بادشاہوں میں گزرا۔ جب وہ خود کہتا ہے کہ قصیؒ کے پہلے کوئی شخص قریش نہیں کہا جاتا تھا۔ تو اب کسی مورخ یا محدث کے قول کا کیا وزن ہو سکتا ہے [1] درصورتیکہ وہ مورخین و محدثین خلیفہ عبد الملک کے بہت بعد پیدا ہوئے۔

---

[1] اس اختلاف کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف جناب قصیؒ کی اولاد قریش قرار پاتی ہے تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں ہی قریش سے خارج ہو جاتے اور بہت بڑے شرف بلکہ نہایت عظیم الشان عزت سے محروم ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام عرب میں قریش سب سے زیادہ صاحب عزت و ریاست مانے جاتے تھے۔ وہی عرب کے سردار سمجھے جاتے اور باقی قبائل بمنزلہ ان کی رعایا کے تھے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی زبان مبارک سے بھی خدا نے قریش کی عزت و اقتدار و فضیلت و شرف پر مہر لگا دی تھی۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا۔

قریش صلاح الناس ولا یصلح الناس الا بھم (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۹)	لوگوں کی خوبی اور بھلائی قریش ہیں۔ بغیر قریش کے لوگ درست رہ ہی نہیں سکتے۔
الناس تبع لقریش فی الخیر والشر	اچھائی اور برائی میں سب لوگ قریش ہی کے پیرو ہیں

اُن کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش فہر کی اولاد ہیں

بعض مورخین و محدثین ایسے بھی ہیں جو قریش کو جناب قصیؔ کی اولاد میں منحصر نہیں سمجھتے بلکہ فہر کی اولاد کو بھی قریش کہتے ہیں۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا شمار بھی قریش میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آپ کے بزرگ تیم و عدی

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۰۹)

اعطیت قریش مالم یعط الناس	قریش کو وہ فضیلتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔
فضل اللہ قریشا بسبع خصال لم یعطھا احد قبلھم ولا یعطاھا احد بعدھم (کنز العمال جلد ۶ صہ ۱۹۵)	خدا نے قریش کو سات باتوں کی وجہ سے سب پر فضیلت دی ہے۔ وہ باتیں ایسی ہیں کہ کسی اور کو نہ اب تک ملیں اور نہ آئندہ مل سکتی ہیں۔
من یرد ھوان قریش اھانہ اللہ۔	جو شخص قریش کی ذلت چاہے گا اوسی کو اللہ ذلیل کریگا
قریش علی مقدمۃ الناس یوم القیامۃ۔	بروز قیامت قریش سب لوگوں سے آگے آگے رہیں گے۔
قریش خالصۃ اللہ تعالےٰ۔	قریش اللہ کے خالص اور پسند کئے ہوئے ہیں۔
قریش اھل اللہ۔ قریش اھل اللہ قریش اھل اللہ۔ فاذا خالفتھا قبیلۃ من العرب صاروا حزب ابلیس (کنز العمال جلد ۶ صہ ۲۰۳)	قریش اللہ کے اہل ہیں۔ قریش اللہ کے اہل ہیں قریش اللہ کے اہل ہیں۔ جب عرب کا کوئی قبیلہ انکی مخالفت کرے گا تو شیطان کا گروہ ہو جائیگا۔

دوسرا بہت زبردست اثر دونوں بزرگوں کی خلافت پر ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے سواد اعظم کے دعوے و اعتقاد کے مطابق حضرت رسولخدا صلعم نے بار بار فرمایا تھا کہ میری خلافت یا مسلمانوں کی حکومت صرف قریش میں محدود رہے گی۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ جو شخص قریش سے نہ ہو وہ حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

اور اگر کسی طرح کوئی شخص آنحضرت صلعم کی جگہ ہو جائے تو مسلمانوں کو اوسے واقعاً آنحضرت صلعم کا خلیفہ نہیں ماننا چاہئے۔ اس کے متعلق چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:۔

قریش ولاۃ ھذا الامر	میری خلافت یا اس حکومت کے اہل صرف قریش ہیں۔
اما بعد یا معشر قریش فانکم اھل ھذا الامر مالم تعصوا اللہ (کنز العمال جلد ۶ صہ ۱۶۸)	اے قریش والو! اس خلافت کے مستحق تم لوگ ہی ہو جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

فہر کی اولاد میں ہیں ۔ علم انساب و تاریخ کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش سے ہونے پر بھی حضرت عمر حضرت رسولخدا صلعم کے خاندان سے دور پڑتے ہیں ۔ یعنی کعب میں دونوں بزرگ ملتے ہیں ۔ اس طرح کہ کعب کے ایک بیٹے مرہ کی اولاد میں حضرت رسولخدا صلعم

(بقیہ حاشیہ صـ۲۱۰)

معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے خلفاء میں دو شرطیں ضروری تھیں ۔ ایک قریشی ہونا ۔ دوسرے معصوم ہونا ۔ پس جو لوگ قریشی نہیں ہیں وہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ نہیں ہو سکتے ۔ اور جو قریشی ہوں مگر معصوم نہ ہوں وہ بھی آنحضرت صلعم کے خلیفہ نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے اپنے خلیفہ کے بارے میں شرط کر دی ہے مالم تعصوا اللہ (جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو) اور معصوم ہی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہ سکتا ہے ۔

ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا اکبہ اللہ تعالے علے وجھہ ما اقاموا الدین	اس امۃ (اسلام) کی حکومت و امامت قریش ہی میں رہے گی ۔ جو شخص ان کو دشمن رکھے گا اللہ اوس کو مُنہ کے بل (جہنم میں) جھونکے گا ۔ یہ صفت اُن میں اوس وقت تک رہیگی جب تک یہ دین کو قائم رکھینگے
یکون بعدی اثنا عشر امیرا کلھم من قریش	میرے بعد مسلمانوں کے دینی و دنیوی حاکم بارہ بزرگ ہوں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے ۔
الامراء من قریش الامراء من قریش ۔ الامراء من قریش	مسلمانو! یاد رکھنا کہ تمہارے دینی و دنیوی حاکم قریش ہی سے ہوں گے ۔ تمہارے امام قریش ہی سے ہونگے تمہارے پیشوا قریش ہی سے ہوں گے ۔
الائمۃ من قریش	امام سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے ۔
لا یزال علے الناس وال من قریش	لوگوں پر قریش سے کوئی نہ کوئی امام ہمیشہ موجود رہیں گے ۔
لا تزال ھذہ الامۃ مستقیما امرھا ظاھرۃ علے عدوھا حتے یمضے منھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش ثم یکون الھرج والمرج	اس امۃ (اسلام) کا دین اوس وقت تک درست رہیگا اور یہ اوس وقت تک اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے ۔ اس کے بعد فتنہ و فساد پھیل جائیگا ۔

تھے - اور دوسرے بیٹے عدی کی اولاد میں حضرت عمرؓ تھے - اور کعب حضرت رسول خدا صلعم کا آٹھواں اور حضرت عمرؓ کا نواں بزرگ تھا - اس طرح محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب - اور عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط ابن رزاح ابن عدی ابن کعب -

حضرت ابوبکر و عمر میں خاندانی تعلق اس سے واضح ہے کہ اسی کعب کے ایک بیٹے عدی

(بقیہ حاشیہ صلا ۲۱۱)

لا یزال امر امتی صالحا حتے یمضی منہم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	میری امت کا دین اوس وقت تک درست ہی رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنے عشر خلیفۃ کلھم من قریش	یہ دین اوس وقت تک غالب اور مستحکم رہے گا جب تک اس میں میرے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال امر ھذہ الامۃ ظاھرا حتے یقوم اثنا عشر کلھم من قریش	اس امت (اسلام) کا دین اوس وقت تک کامیاب رہے گا جب تک اس میں بارہ (امام) قائم رہیں گے جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال الدین قائما حتے یقوم الساعۃ او یکون اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	یہ دین اسلام ہمیشہ قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہونگے یا قیامۃ آجائے (کہ اوس وقت ختم ہو جائیگا)
یکون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لن یزال ھذا الدین قائما الی اثنا عشر من قریش - فاذا ھلکوا ماجت الارض باھلھا	یہ دین اوس وقت تک قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ (امام) ہوتے رہیں گے جو سب قریش ہی سے ہونگے۔ جب وہ بارہ حضرات ختم ہو جائیں گے تو زمین اور اس کے سب باشندے تہ و بالا ہو جائیں گے۔

کی اولاد میں حضرت عمر تھے اور دوسرے بیٹے مرہ کی اولاد میں حضرت ابوبکر ہوئے۔
جناب مولوی شبلی صاحب کے کمال کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ ممدوح نے دیکھا کہ اگر یہ قول تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ قریش قصی ہی تھے تو حضرت عمر قریش سے خارج اور اس وجہ سے خلافت رسولؐ کے استحقاق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی سبب سے آپ نے حضرت ممدوح کی سوانح عمری میں اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا بلکہ صرف اس قول کو اختیار کیا جس سے فہر کی اولاد قریش قرار دی جاتی ہے۔ چنانچہ لکھا "فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ انہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲)

هذا الامر الی قریش
قال رسول الله لقریش ان هذا الامر لا یزال فیکم وانتم ولاته مالم تحدثوا امورا فاذا فعلتم ذهب به منکم

یہ خلافت و امامت قریش ہی میں رہیگی۔
حضرت رسولخداؐ نے قریش سے فرمایا کہ یہ امر خلافت ہمیشہ تم لوگوں ہی میں قائم رہے گا اور تم ہی اس کے مستحق رہوگے جب تک تم ایسی باتیں نہ کرو جن کی وجہ سے یہ شرف تم سے جاتا رہے۔

(مذکورہ بالا اور اسی قسم کی اور حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۲ و جلد ۷ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰ و صحیح بخاری پارہ ۱۴ باب مناقب قریش وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں)

جابر بن سمرۃ قال سمعت النبیؐ یقول یکون اثنا عشر امیرا فقال کلمۃ لم اسمعها فقال ابی انه قال کلهم من قریش
(صحیح بخاری کتاب الفتن پارہ ۲۹ صفحہ ۶۲۳)

جابر بن سمرہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سُنا کہ فرماتے تھے (میرے بعد اسلام کے) بارہ سردار اور حاکم ہوں گے اور وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (کسی اور قبیلہ سے نہیں)

عن جابر بن سمرۃ قال دخلت مع ابی علی النبیؐ فسمعته یقول ان هذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشر خلیفه کلهم من

جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرماتے تھے اس دین اسلام میں جب تک بارہ

قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور انکے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے یعنی ہاشم - امیہ - نوفل - عبدالدار - اسد - تیم مخزوم - عدی - جمح - سہم - حضرت عمر عدی کی اولاد سے ہیں - عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں - اس لحاظ سے حضرت عمر کا سلسلۂ نسب

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۳)

قریش (صحیح مسلم طبع دھلی جلد ۲ ص۱۱۹) | خلیفہ رہیں گے - یہ مٹ نہیں سکیگا - وہ سب قریش ہی سے ہونگے - جامع ترمذی ص۲۶۹ - سنن ابی داؤد ص۵۸۸ - مشکوۃ جلد ۸ ص۹۳ - تفسیر در منثور - تفسیر معالم التنزیل - جامع الاصول وغیرہ بکثرت کتابوں میں یہ حدیثیں بھری ہوئی ہیں جن سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کی خلافت قریش ہی میں محدود و منحصر رہیگی کسی دوسرے خاندان میں نہیں جاسکتی اور حضرت صلعم کے خلفاء بارہ ہی ہوں گے - نہ کم نہ زیادہ - پس اگر قریش صرف قصی کی اولاد ہیں تو حضرت عمر کی خلافت کا جو انجام قرار پائیگا محتاج بیان نہیں -

اس مضمون کی صرف روایتیں ہی نہیں ہیں بلکہ عقائد کی کتابوں میں بھی اس حدیث کو درج کرکے اس کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے - اسی سبب سے علماء سواد اعظم کو ان بارہ خلفاء کی تعیین میں بڑی دقتیں ہوتی ہیں مگر کسی طرح بات بنتی نہیں - اس لئے خلفاء راشدین ۴ - خلفاء بنی امیہ ۱۴ - خلفاء بنی عباس ۳۶ کل ۵۴ خلفاء صرف پہلے دور میں ہو جاتے ہیں - پھر مصر میں بکثرت خلفاء ہوئے - پھر ٹرکی میں ہوتے رہے جن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے - دوسری پریشانی یہ ہوئی کہ ٹرکی میں جو خلفاء ہوئے وہ قریش سے نہیں تھے - حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا تھا کہ خلفاء سب قریش ہی ہوں گے - اب اگر اس حدیث کو مانتے ہیں تو خلفاء ٹرکی کی خلافت باطل ہوتی ہے - اور اگر انکو خلیفہ مانتے ہیں تو حدیث رسول مقبول صلعم غلط ہوئی جاتی ہے - اس مصیبت کا علاج یہ سوچا گیا کہ جہاں تک اپنا اختیار کام دے کتابوں سے الائمۃ من قریش کی حدیث اور اسکی بحث ہی نکال دی جائے - چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "قسطنطنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جانچ کے محکمہ میں جس کا نام معارف ہے اصل کتاب پیش کیجاتی ہے اور جو عبارت اس محکمہ کے افراد قلم زد کر دیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جاسکتی

رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے" (الفاروق صـ۲۴) لیکن جب حضرت رسولخدا صلعم کی سوانح عمری لکھنے لگے اور اس میں اطمینان ہوا کہ اس کتاب کے دیکھنے والوں کا ذہن حضرت عمر کے متعلق اس نتیجہ کی طرف منتقل نہیں ہو گا تو اس قول کے نظر انداز کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اس وجہ سے لکھدیا "قصیؔ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب انہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کرکے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

قصی ابوکم من یسمی مجمعا ؛؛ بہ جمع اللہ القبائل من فہر"

اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مولوی شبلی صاحب چودہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ انکو حضرت عمر کے زمانہ سے بہت زیادہ بُعد ہو گیا تھا اس وجہ سے انکا قول اُن لوگوں کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھ سکتا جو حضرت عمر کے زمانہ سے قریب تر تھے۔ مثلاً یہی علامہ ابن عبد ربہ تیسری صدی میں تھا۔ جب اوس کا بیان ہے کہ قریش کا لقب قصیؔ ہی کو ملا تو اس کا اعتبار بہت زیادہ کیا جائیگا۔ اور اس سے بھی بہت قبل خلیفہ عبد الملک گزرا ہے وہ دعوے کرتا ہے کہ میں نے کبھی بھی یہ نہیں سُنا کہ قریش قصیؔ سے پہلے کے لوگ کہے گئے ہوں بلکہ میں نے تو یہی سُنا کہ قصیؔ ہی کو قریش کہتے تھے اور اوسکے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صـ۱۸۱)۔ یہ باتیں اس امر کا قطعی فیصلہ کرتی ہیں کہ بعد والوں نے کسی وجہ سے یہ ایجاد کی کہ قصیؔ سے پہلے کے لوگ قریش قرار دیئے جائیں۔ سابق زمانہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا ورنہ عبد الملک ایسے جلیل القدر خلیفہ کو اس اہتمام سے انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ صـ۲۱۴) میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلم زد کردی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور لا ائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے۔ میں نے اصل نسخہ جس میں معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں اوس وقت رنج و غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا" (سفرنامہ روم و شام و مصر از مولوی شبلی صاحب صـ۹۷)

دوسری فصل

حضرت عمرؓ کے خاندان کی عزت و شرف

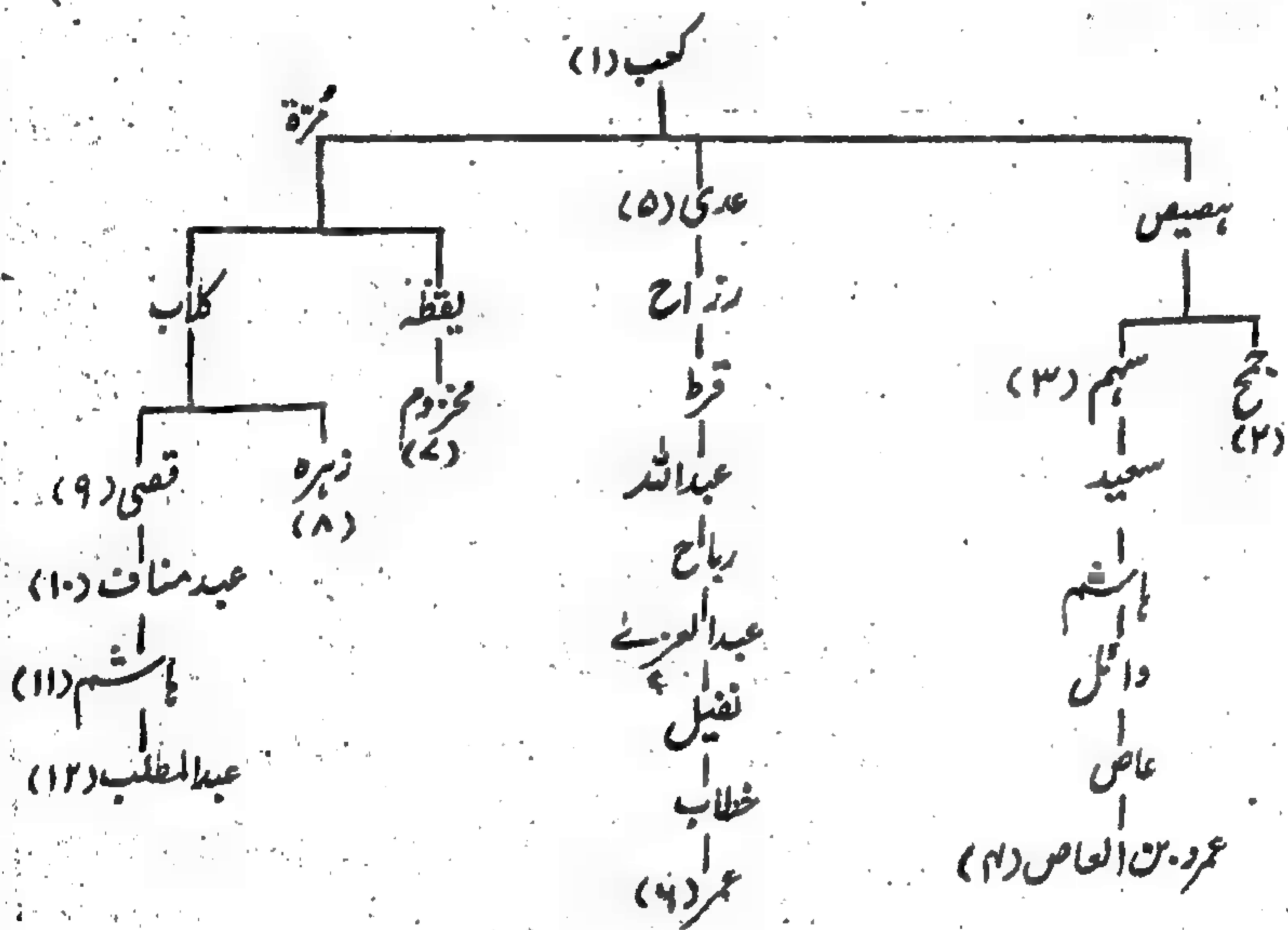
جناب مولوی شبلی صاحب نے اس کے متعلق تفصیل سے کام لیا ہے۔ لکھتے ہیں "قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہر صیغہ کا اہتمام جدا جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی حجاج کی خبرگیری۔ سفارت۔ شیوخ قبائل کا انتخاب۔ فصلِ مقدمات۔ مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ عدی جو حضرت عمرؓ کے جدِ اعلےٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغہ کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے (یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے) اس کے ساتھ منافرۃ کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعوےٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حَکَم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزےٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حَکَم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے اتنافر رجلا هو اطول منک قامة واوسم وسامة واعظم منک هامة واکثر منک ولدا واجزل منک صفدا۔ وانی لاقول هذا وانک لبعید الغضب۔ رفیع الصوت فی العرب جلد المریرة

لتحمل العشیرۃ (الفاروق ص۲۵)

یہ صحیح ہے کہ مولوی صاحب ممدوح ایک مشہور اور کامیاب مصنف گزرے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان کو اسلامی کتب تاریخ پر ایک حد تک اطلاع حاصل تھی مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ممدوح نے حضرت عمر کے خاندان کی جو عظمت و جلالت دکھانے کی کوشش کی ہے اوس کا پتا مشہور اور متداول کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ عرب کی تاریخ میں تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ ابوالفدا خمیس۔ مروج الذہب۔ ابن خلدون۔ روضۃ المناظر وغیرہ زیادہ مستند و مشہور ہیں۔ ان میں کہیں بھی اس امر کا ذکر نہیں ہے۔ پھر حضرت عمر کے مفصل حالات استیعاب۔ اسدالغابہ۔ اصابہ وغیرہ میں ہیں۔ لیکن ان میں بھی ان امور کا نشان نہیں ملتا۔ بس ایک کتاب عقد فرید کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ البتہ وہ بہت معتبر اور قابل قدر کتاب ہے آؤ دیکھیں اس میں لکھا بھی کیا ہے مگر پہلے مصنف الفاروق کی مذکورہ بالا عبارت کو پھر پڑھ لو جس کا آخری نقرہ یہ ہے "عدی جو حضرت عمر کے جد اعلےٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغہ کے افسر تھے۔ یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے" (الفاروق ص۲۵)۔ کتاب عقد فرید کا یہ باب اوسکی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۷ سے شروع ہوا ہے۔ اس کا ہر حرف پڑھ جاؤ۔ ہمکو تو کہیں بھی حضرت عمر کے خاندان کے یہ حالات نہیں ملتے۔ اس کی عبارت یہ ہے۔ ومن بن عدی عمر بن الخطاب وکانت الیہ السفارۃ فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا اذا وقعت بینھم و بین غیرھم حرب بعثوہ سفیرا وان نافرھم حی لمفاخرۃ جعلوہ منافرا ورضوابہ اس کا ترجمہ تو یہ ہوا۔ خاندان بنی عدی سے عمر بن خطاب وہ شخص تھے جن کے ذمہ زمانہ جاہلیت میں سفارۃ کا کام رہتا تھا اور وہ یہ کہ جب ان لوگوں اور اون کے غیر میں کوئی جنگ ہوتی تھی تو لوگ انھیں سفیر بنا کر بھیجتے۔ اور اگر کوئی شخص ان لوگوں سے منافرہ کرتا تو عرب کے لوگ حضرت عمر ہی کو اس کے مقابلہ پر بھیجتے اور ان ہی پر راضی ہوتے (عقد فرید جلد ۲ ص۳۸ باب فضائل العرب)۔ اب عربی پڑھنے والے بچوں سے بھی دریافت کرلو۔ اس عبارت کا ترجمہ یہی کرے گا یا اور کچھ۔ یہ کس قیامت کا حادثہ ہے کہ عقد فرید میں وصف بیان کیا جائے صرف ایک حضرت عمر کا اور مولوی شبلی صاحب اس کو ان کے پورے خاندان کا شرف قرار دے دیں۔ اگر مولوی صاحب اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھے تو اسلام کو ان پر رونا چاہئے۔ اور اگر سمجھے

کے بعد کسی دوسرے مقصد سے اونھوں نے یہ صنعت کی تو اور زیادہ نوحہ و ماتم کا سامان مہیا کر دیا۔ علامہ سیوطی کی عبارت بھی دیکھو ولد عمر بعد الفیل بثلاث عشرۃ سنۃ والیہ کانت السفارۃ فی الجاہلیۃ وکانت قریش اذا وقعت الحرب بینہم و بین غیرہم بعثوہ سفیرا رسولا و اذا نافرہم منافر او فاخرہم مفاخر بعثوہ منافرا او مفاخرا (تاریخ الخلفاء صلاء) اس کا ترجمہ بھی وہی ہے۔ قریش کے نسب نامہ کی بہت قابل قدر کتاب علامہ سویدی کی سبائک الذہب فی معرفۃ قبائل العرب ہے۔ اس میں کعب کی اولاد کی تفصیل اس طرح دی ہے۔



(سبائک الذہب طبع بمبئی صفحہ ۶۴ تا ۷۱)

اس شجرہ میں نمبر اس غرض سے دیا گیا ہے کہ ناظرین خیال کریں جن لوگوں کے نام پر نمبر نہیں ہے اون کا کوئی ذکر مصنف مذکور نے نہیں کیا بس صرف نام لکھکر آگے بڑھ گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے نام پر نمبر ہے اون کے کچھ حالات بھی دے دیئے ہیں۔ حضرت عمر کے خاندان میں صرف دو شخصوں کا حال لکھا ہے۔ اول عدی۔ دوسرے خود حضرت عمر۔ عدی کا حال صرف اسقدر دیا ہے دمن بن عدی خارجۃ ابن حذافۃ قاضی عمرو بن العاص بمصر قتلہ الخارجی لیلا وھو یظنہ عمرو انتم قال عند ما علم بہ اردت عمروا و اراد اللہ خارجۃ یعنی خاندان

عدی سے خارجہ ابن حذافہ تھا جو عمرو بن العاص کی جانب سے مصر میں قاضی تھا۔ اس کو خارجی نے شب کو عمرو عاص سمجھکر قتل کر دیا جب اس کو اسکی غلطی معلوم ہوئی تو کہا میں نے تو عمرو عاص ہی کو چاہا تھا مگر خدا نے خارجہ کو چاہا (صلا۹)۔ اس کے بعد اس خاندان والوں سے کسی کا کوئی حال نہیں دیا ہے۔ البتہ آخر میں حضرت عمر کا ذکر کیا ہے والیہ کانت السفارۃ فی الجاھلیۃ وکانت قریش اذا وقعت الحرب بینھم و بین غیرھم بعثوہ سفیرا اے رسولا واذا فاخرھم بعثوہ منافرا ومفاخرا (ص۶۵)۔ اس کا ترجمہ بھی بالکل وہی ہے جو عقد فریدہ کی عبارت کا لکھا گیا غرض کل کتابوں میں الیہ و بعثوہ وغیرہ الفاظ ہیں جن میں مفعول کی ضمیر واحد ہے۔ یہ بھی پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ ذکر صرف ایک شخص (حضرت عمر) کا کیا جا رہا ہے لیکن الفاروق کے نامور مصنف کا یہ شاندار کارنامہ ہے کہ حضرت عمر کے ذاتی فعل کو ان کا خاندانی عہدہ قرار دے دیا۔ اور وہ بھی کن الفاظ میں "عدی جو حضرت عمر کے جد اعلےٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے" صیغوں۔ سفارت۔ صیغے۔ افسر وغیرہ پُر شوکت الفاظ سے عبارت میں کس قدر مبالغہ کر دیا گیا حالانکہ نہ صیغے تھے۔ نہ سفارت کوئی عہدہ تھا۔ نہ کوئی محکمہ تھا جس میں ماتحت لوگ بھرے ہوئے تھے جن کے اوپر کسی افسر کی ضرورت تھی۔ عرب کی قوم جاہلیۃ کا زمانہ۔ زیادہ تر وحشیوں کی زندگی بدوؤں کی معاشرت۔ اُن کو ان سب سے کیا لگاؤ بس اتنی بات تھی کہ اکثر عرب جنگلی قوموں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ بات بات میں لڑنا بھڑنا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ کسی کی کوئی حرکت مزاج کے خلاف ہوگئی بس اسکی جان لینے پر آمادہ ہوجانا ان کا اولین فرض ہوجاتا تھا۔ اِسی طرح ایک قبیلہ دوسرے کے خلاف کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور جب کسی سے لڑائی ٹھن جاتی تھی تو جوشیلے لوگ دوسرے فریق کی طرف لڑائی کا ارادہ ترک کرکے کچھ بات چیت کرنے کے لئے جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے اور یہ طے کرلیتے کہ جائیں گے تو سر اُتار کر ہی رہیں گے۔ اس وجہ سے سب لوگ ہتھیاروں سے آراستہ ہوجاتے۔ تلوار۔ نیزہ کھینچ لیتے۔ سواریوں کا انتظام کرتے کہ اونٹ۔ گھوڑے مہیا ہوجائیں۔ کچھ کھجور پانی کا سامان ہوجائے۔ اوس وقت تلاش ہوتی تھی کہ کوئی شخص ایسا ملے جو لڑنے کے سامان میں مشغول نہ ہو اس سے کوئی پیغام فریق ثانی کی طرف بھیج دیا جائے تو نظر حضرت عمر پر پڑتی تھی لوگ انھیں کو وہاں بھیج دیتے۔ وہ فوراً طیار ہوجاتے۔ کیونکہ آپ کو ذاتی طور پر جنگ سے دلچسپی کسی زمانہ میں نہیں ہوئی۔ اس خیال

کی تائید مورخین ہی کے اقوال سے ہوتی ہے۔ بعثوہ سفیراً اے رسولاً کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کو لوگ قاصد بنا کر بھیجتے کہ ان کا پیغام وہاں پہونچادیں اور اون کا جواب لاکر ان سے کہہ دیں۔ مولوی صاحب نے اس امر کو شاندار عہدہ ظاہر کر کے پہلے حضرت عمر کے خاندان کے حوالہ کیا اور اس کے بعد بار بار حضرت عمر کا فخر بھی قرار دیا صفحہ ۲۹ میں لکھا "یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا" پھر صفحہ ۳۱ میں لکھا "یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا" حالانکہ سفارت کا نہ کوئی عہدہ تھا نہ منصب۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے "قصی مکہ کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایۃ اور رفادۃ اور حجابۃ اور ندوۃ اور لواء اور قیادۃ کے تمام عہدے اس کے ہاتھ میں آگئے۔ اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اوس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا" (مصالح الاسلام ص ۳۳)

مولوی شبلی صاحب نے جناب عبدالمطلب اور حرب بن امیہ کی نزاع کے متعلق بھی عجیب بات لکھی ہے "عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا" (ص ۲۵)۔ اللہ اکبر ایسی دلیری!!! بات کیا تھی۔ اب ذرہ اس ریاست کے دعوے کی تحقیق بھی کرتے چلو۔ مورخین نے لکھا ہے "حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اوس کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگئی تھی۔ یہ بات حرب ابن امیہ کو جو معویہ کا دادا تھا بہت زیادہ ناگوار ہوتی۔ وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ یہ حرب حضرت عبدالمطلب کا مصاحب بھی تھا غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اوس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن عبد مناف بن عبد الدار اور (۲) حضرت ابوبکر کے دادا صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبدالمطلب کو ہوئی تو آپ نے اسکی تحقیق شروع کی کہ کس نے قتل کیا مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اس فکر اور جستجو میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے مگر وہ دونوں قاتل اصل بانی فساد حرب بن امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب جناب عبدالمطلب

اسی حرب کے پاس گئے اور اسکی ملامت کی کہ تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے انھیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور دونوں کو پوشیدہ کردیا۔ الغرض جناب عبد المطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرۃ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جاکر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آخر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اوس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا اور کون افضل ہے۔ یہ بات طے ہوگئی اور دونوں نجاشی کے پاس پہونچے تو اوس نے انکے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ تب اُن لوگوں نے کہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبد العزےٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اوس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا اتنافر رجلا الخ کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دنارت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیونکہ تم غیظ و غضب سے دور۔ عرب میں مشہور۔ اور اپنی قوم کی حمایت کے لئے مضبوط رسی ہو لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اوس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جسکے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ سُنکر حرب ابن امیہ کو غیظ آگیا اور اوس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔ اُسکے بعد جناب عبد المطلب نے حرب ابن امیہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبد اللہ بن جدعان تیمی کو اوسکی جگہ مصاحب بنالیا۔ نیز آپ نے حرب بن امیہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اُن سب کو اوس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کردیا اور اوس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہو سکیں تو حضرت عبد المطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اوس یہودی کو ادا کردیا جس سے اونکی کل کمی پوری

ہو گئی (تاریخ کامل جلد ۲ صلا)۔ کیا یہ حیرت خیز فن نہیں ہے کہ حضرت عبد المطلب اور حرب بن امیہ کے درمیان نزاع تو ہو یہودی کے قاتلوں کے متعلق اور مولوی شبلی صاحب اس اختلاف کو ریاست کے دعوے کی نزاع قرار دے دیں۔

یہ ضرور ہے کہ نفیل کو طرفین نے حکم بنایا مگر کب اور کیوں ؟ چونکہ مکہ معظمہ میں ہر شخص کے تعلقات دہاں کے باشندوں سے وابستہ تھے۔ کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو درمیان میں پڑ سکے۔ اسوجہ سے دونوں شخص نجاشی کے پاس گئے۔ جب اوس نے انکار کیا تو واپس آکر پھر مکہ ہی میں کسی ثالث کو تلاش کرنے لگے۔ اور اب نفیل کو آمادہ کیا۔ جو ان لوگوں کے خاندان سے نہیں تھا (کیونکہ جناب عبد المطلب و حرب ابن امیہ قریش سے تھے اور نفیل غیر قریش سے)۔ نفیل کو اس میں کیا عذر ہوتا فیصلہ کر دیا۔ مگر اس فیصلہ پر حرب بن امیہ نے جس عبارت سے حرب پر اپنا غیظ و غضب ظاہر کیا وہ کاشف ہے کہ وہ لوگ ان لوگوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے و من انتکاس الزمان ان جعلت حکما یہ بھی زمانہ کی بدبختی اور نحوست ہے کہ تمہارے ایسا شخص پنچ بنا دیا گیا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صلا)۔ اسکے علاوہ بھی جناب عبد المطلب اور دوسرے اہل مکہ سے اختلاف ہوا ہے تو ایسے ہی لوگ پنچ بنائے گئے جو درجہ میں ان لوگوں سے بہت گھٹے ہوئے تھے۔ مثلاً جب آپ نے چاہ زمزم کھودا ہے اور قریش نے چاہا کہ ان کو بھی اس میں حصہ ملے۔ اس پر اختلاف ہوا تو رائے ہوئی کہ بنی سعد کی کاہنہ کے پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے وہ جو کچھ فیصلہ کر دے اس پر سب راضی ہو جائیں۔ سب وہاں چلے۔ راستہ میں جب پیاس سے جناب عبد المطلب وغیرہ ہلاکت کے قریب پہونچے تو خدا نے ان کے اونٹ کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ نکال دیا جس پر یہ لوگ سیر ہو گئے۔ اور آپکی یہ کرامت دیکھکر آپ کے مخالفین بول اوٹھے کہ اے عبد المطلب! خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دے دی۔ اب کاہنہ کے پاس چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سب وہیں سے پلٹ آئے[1] ظاہر ہے کہ شام کی وہ کاہنہ اہل مکہ سے زیادہ عزت و عظمت والی نہ تھی۔ لیکن بے تعلق شخص تھی اس وجہ سے سب نے اسی سے فیصلہ کا ارادہ کیا۔ اسی طرح عرب میں بکثرت واقعات موجود

[1] اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل تاریخ ائمہ صلا میں قابل دید ہے۔ یہاں بقدر ضرورت ذکر کیا گیا ۱۲ منہ

ہیں جن میں فیصلہ کرنے کے لئے معمولی درجہ کا شخص حکم بنا لیا گیا۔ حضرت علیؑ و معویہ میں ایک ایک حَکم مقرر کئے گئے۔ ابو موسےٰ اشعری جو حضرت علی سے بمراتب ادنے درجہ کے تھے اور عمرو عاص جو معویہ سے بہت سے بہت گھٹا ہوا تھا۔ اور کبھی ان لوگوں نے یا ان کے طرفداروں نے اس بات پر فخر نہیں کیا کہ یہ عرب کے ایسے دو معزز شخصوں کے درمیان حکم بنائے گئے۔

اس کے بعد مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کردیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں قیس بن ساعدة۔ ورقہ بن نوفل" (الفاروق صہ۲۱) افسوس مولوی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس میں ان لوگوں کے تفصیلی حالات دیکھے جاتے۔ نہایت تعجب کا امر ہے کہ انساب عرب کی جو بہت مشہور کتاب سبائک الذہب ہے اس میں نفیل کے صرف ایک بیٹے خطاب کا ذکر ہے۔ نہ عمرو کا بیان ہے اور ان کے فرزند زید کا البتہ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے امرأة من فهم كانت تحت نفيل بن عبد العزى جد عمر بن الخطاب رضى الله تعالے عنه فتزوجها عمرو بن نفيل بعد ابيه فولدت له زيدا فامه ام الخطاب وزيد هذا ابو سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل۔ خاندان فہم کی ایک عورت نفیل بن عبد العزے جد حضرت عمر بن الخطاب کے تصرف میں تھی۔ جب نفیل کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے عمرو بن نفیل نے اپنے باپ کے بعد اُنکی اوس عورت کو (جو انکی حقیقی یا سوتیلی ماں تھی) اپنے تصرف میں رکھ لیا۔ تو اس عورت سے عمرو بن نفیل کے بیٹے زید پیدا ہوئے۔ اس طرح زید ہی کی ماں خطاب کی ماں تھیں اور یہ زید سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے باپ تھے (معارف مطبوعہ مصر صہ۳۷)۔ اب سلسلہ نسب اس طرح قائم ہوتا ہے۔ نفیل کی شادی فہم کی ایک عورت سے ہوئی

عمرو نے بھی فہم کی اوس عورت کو رکھ لیا	خطاب
زید	عمر
سعید	

اسی طرح زید حضرت عمر کے چچا زاد بھائی ہوئے اور چچا بھی کیونکہ انکی دادی کے فرزند تھے۔ اور خطاب زید کے ماموں بھی ہوئے اور ان کے مادری بھائی بھی۔ اور فہم کی وہ عورت حضرت عمر کی حقیقی دادی بھی ہوئی اور حقیقی چچی بھی۔ اور عمرو اپنے والد نفیل کے بیٹے بھی ہوئے اور ہم زلف بھی۔ اور نفیل اس عورت کے شوہر بھی ہوئے اور خسر بھی۔ اور وہ عورت خطاب کی ماں بھی ہوئی اور بھاوج بھی۔ اور عمرو کی ماں بھی ہوئی اور بی بی بھی اور زید کی دادی بھی ہوئی اور ماں بھی۔ اور معلوم نہیں کون کون رشتہ پیدا ہو گئے۔ ممکن ہے انھیں رشتوں کی پیچیدگیوں کی وجہ سے علامہ سویدی نے نفیل کی اولاد میں عمرو کا ذکر اس مقام پر جہاں عدی کی اولاد کا ذکر کیا ہے یعنی صفحہ ۴۶ میں ترک کر دیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممدوح کو ان تعلقات کے نتائج بھی مکروہ معلوم ہوئے ہوں اس وجہ سے اس ذکر سے خاموش رہنا ہی بہتر نظر آیا ہو۔ ورنہ ایسے معزز حضرات کا تذکرہ چھوڑ دینے کی کوئی معقول وجہ نظر آتی ہی نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ ممکن ہے اسی وجہ سے حضرت عمر بھی نسبی حالات کے بیان کو ناپسند کرتے ہوں۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے بیان کیا ہے قال ابوعثمان و بلغ عمر بن الخطاب ان اناسا من رواۃ الاشعار وحملۃ الآثار یعیبون الناس و یسبونھم فی اسلافھم فقام علی المنبر وقال ایاکم وذکر العیوب والبحث عن الاصول فلو قلت لا یخرج الیوم من ھذہ الابواب الا من لا وصمۃ فیہ لم یخرج منکم احد فقام رجل من قریش نکرہ ان نذکرہ فقال اذا کنت انا۔ ابوعثمان کہتے تھے کہ حضرت عمر بن الخطاب کو یہ خبر پہونچی کہ اشعار کے راویوں اور حالات کے واقفوں سے کچھ لوگ واقعات ماضیہ کی وجہ سے لوگوں کے نسبی عیبوں کو بیان کرتے اور گزشتہ لوگوں کے کچے چٹھے کھولتے رہتے ہیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا لوگو! خبردار نسبوں کے عیوب اور آبا و اجداد کی پیدائش کی اصلوں اور طریقوں سے بحث نہ کیا کرو کیونکہ اگر آج میں یہاں حکم دوں کہ ان دروازوں سے اوس شخص کے سوائے جو نسبی عیوب اور خاندانی خرابیوں سے بالکل پاک ہو کوئی نہ نکلے تو تم میں سے کوئی شخص بھی نکل کر باہر نہیں جا سکے گا۔ حضرت ممدوح کی اس تقریر پر قریش کا ایک شخص جس کا ذکر میں پسند نہیں کرتا ہوں کھڑا ہو گیا اور حضرت عمر کو جواب دیا کہ اور کوئی نکلے یا نہ نکلے مگر میں ایسا ہوں کہ ضرور نکل جاؤں گا (شرح ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

قلت الرجل الذی قام هو المهاجر بن خالد بن الولید بن مغیرة المخزومی کان عمر یبغضه لبغضه اباه خالدا ولان المهاجر کان علوی الرای جدا وکان اخوه عبد الرحمن بخلافه شهد المهاجر صفین مع علی علیه السلام وشهدها عبد الرحمن مع معویة وکان المهاجر مع علی فی یوم الجمل وفقئت ذلک الیوم عینه ولان الکلام الذی بلغ عمر بلغه عن المهاجر ... ذکر ذلک عنه ابن قتیبه فی کتاب المعارف وروی ابو الحسن المدائنی هذا الخبر فی کتاب امهات الخلفاء وقال انه روی عند جعفر بن محمد علیه السلام بالمدینة فقال لا تلمه یا ابن اخی انه اشفق ان یحدج بقضیة نفیل بن عبد العزی و صهاک امة الزبیر بن عبد المطلب	میں کہتا ہوں وہ شخص جو حضرت عمر کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا تھا مہاجر بن خالد بن الولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ حضرت عمر اس کو بسبب اس کے باپ کے بغض رکھنے کے دشمن رکھتے تھے۔ اور حضرت عمر مہاجر کو اس وجہ سے بھی دشمن رکھتے تھے کہ یہ (مہاجر) حضرت علیؑ کا بڑا طرفدار تھا۔ اس کے خلاف اس کا بھائی عبد الرحمن تھا جو جنگ صفین میں معویہ کی طرف تھا اور مہاجر جنگ صفین و جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کی طرف تھا۔ اس جنگ میں اسکی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ اور اس سبب سے بھی حضرت عمر مہاجر کے خلاف ہوئے کہ وہ بات جس پر حضرت عمر نے وہ خطبہ دیا تھا مہاجر ہی نے کہی تھی۔ ان امور کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں لکھا ہے۔ اور علامہ ابو الحسن مدائنی نے بھی یہ خبر اپنی کتاب امہات الخلفاء میں بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت عمر کے اس غیظ و غضب کا واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا اے بھائی ان کی ملامت نہ کرو۔ وہ اس امر سے ڈرے کہ کہیں ان کے دادا نفیل اور زبیر بن عبد المطلب کی لونڈی صہاک کا قصہ نہ چھڑ جائے۔ اور اس سے ان پر چوٹ نہ پڑے۔

پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

ثم نعود لاتمام حکایة کلام شیخنا ابی عثمان قال ومتی یقدر الناس	اب ہم اپنے استاد ابوعثمان کے بقیہ کلام کو تمام کرتے ہیں انھوں نے پھر فرمایا خدا تمہاری حفاظت کرے بتاؤ تو

حفظك الله على رجل مسلم من كل أبنة ومیرأ من كل آفة فی جمیع آبائه وامهاته واسلافه واصهاره حتى تسلم له اخواله و اعمامه وخالاته وعماته واخواته وبناته وامهات نسائه وجمیع من یناسبه من قبل جداته واجداده واصهاره واختانه ولو كان ذلك موجود الماكان لنسب رسول اللهؐ فضیلة فی النقاء و التهذیب و فی التصفیة و التنقیح۔ قال رسول اللهؐ ما مسنی عرق سفاح قط وما زلت انقل من الاصلاب السلیمة من الوصوم والارحام البریة من العیوب۔ فلسنا نقضی لاحد بالنقاء من جمیع الوجوه الا لنسب من صدقه القران واختاره الله علی جمیع الانام و الا فلا بد من شئ یکون فی نفس الرجل او فی طرفیه

لوگوں کو ایسا شخص کب مل سکتا ہے جو ہر نسبی عیب اور ہر خاندانی دغلہ پن سے بچا ہو۔ اوس کے کل باپ دادا بھی اس سے محفوظ ہوں۔ اوس کی ماں ماموں خالہ نانا نانی بھی۔ اس کے بزرگ بھی اور اوس کے سسرالی رشتہ دار بھی یہاں تک کہ اس کے کل ماموں چچا۔ خالائیں۔ پھوپھیاں۔ بہنیں۔ بیٹیاں۔ بی بی کی ماں دادی نانی اور بھی جو لوگ اسکی دادی اور دادا۔ نانی۔ نانا سسرالی رشتہ داروں اور دامادوں کے رشتہ کے ہوں۔ سب ہی ایسی خرابیوں سے بچے ہوں اور کسی میں کوئی دھبہ نہ لگا ہو۔ اگر ایسے لوگ موجود ہوتے تو نسب کی پاکیزگی۔ صفائی۔ اصلیت خوبی وغیرہ اوصاف میں حضرت رسولخدا صلعم کے نسب کی کوئی فضیلت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ زنا یا حرام کاری کا شائبہ بھی میرے خاندان میں نہیں آیا۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے صُلبوں سے جو کل عیوب سے پاک اور محفوظ تھے۔ ایسے رحموں میں منتقل ہوتا رہا جو ہر خرابی۔ ہر بُرائی۔ ہر قابل نفرت بات سے بالکل صحیح وسالم تھے۔ ان وجوہ سے ہم کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ ہر طرح نسبی بُرائیوں سے پاک ہے۔ سوائے اوس بزرگ کے نسب کے جسکی تصدیق قرآنمجید نے کی اور جسکو اللہ نے سب مخلوق پر برگزیدہ کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی ذات یا اسکی

اوفی بعض اسلافہ اوفی بعض اصہارہ ولکنہ یکون مخطے بالصلاح ومحجوبا بالفضائل و مغمورا بالمناقب فلو تاملت احوال الناس لوجدت اکثرھم عیوبا اشدھم تعییبا۔ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۵۹۲۴)

دادیہال یا نانہیال یا اُس کے بعض بزرگوں یا اسکے سسرالی رشتہ داروں میں کوئی نہ کوئی عیب یا دھبا ضرور ملے گا لیکن وہ داغ اسکی نیکی سے ڈھک گیا اور اوسکے فضائل سے چھپ گیا ہوگا اور اوسکی خوبیوں سے اس پر پردہ پڑ گیا ہوگا۔ اب اگر لوگوں کے خاندانی حالات کی تم تفتیش کرو تو دیکھوگے کہ جو لوگ دوسروں کے عیوب زیادہ بیان کرتے ہیں اونھیں میں سب سے زیادہ عیوب موجود ہیں۔

غالباً انھیں وجوہ سے حضرت عمر کو اس میں بڑا اہتمام رہتا کہ لوگوں کے نسبی حالات نہ بیان کئے جائیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ اس آیۃ کی تفسیر میں یا ایھا الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم۔ مسلمانو ایسی باتیں مت پوچھو جو اگر بیان کی جائیں تم سے تم کو بُری لگیں (پ ۷ ع ۴)

فقال یا رسول اللہ من ابی قال ابوک فلان فقام الیہ عمر فقبل رجلہ وقال یا رسول اللہ رضینا باللہ ربا وبک نبیا وبالقرآن اماما فاعف عنا عفا اللہ عنک فلم یزل بہ حتی رضی فیومئذ قال الولد للفراش وللعاھر الحجر وانزل علیہ قد سالھا قوم من قبلکم (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۳۳۵)

کہ ایکدفعہ حضرت رسولخدا صلعم سے ایک صحابی نے کہا اے رسولخدا میرا باپ کون تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا فلاں شخص تھا۔ اس پر حضرت عمر کھڑے ہوگئے اور آنحضرتؐ کا پاؤں چوم کر کہا اے رسولخدا ہم لوگ اللہ کو رب آپ کو نبی اور قرآن کو امام ماننے پر راضی ہوگئے۔ اب آپ ہم لوگوں کو معاف کر دیجئے خدا بھی آپ کو معاف کرے گا۔ غرض حضرت عمر اسیطرح اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرتؐ راضی ہوگئے اور اوسی روز حضرتؐ نے فرمایا کہ شوہر کے لئے لڑکا ہے اور زناکار کے لئے پتھر ہے اور حضرت پر یہ آیۃ نازل ہوئی قد سألھا الآیۃ

جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں اس طرح کیا ہے "کیونکہ بے ضرورت پوچھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اور مشکل بڑھ جاتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ خطبہ سنا رہے تھے ایک شخص نے آپ سے پوچھا میرا باپ کون تھا (عبداللہ بن حذافہ نے۔ لوگ ان کا باپ حذافہ ہونے میں شبہ کرتے تھے) آپ نے فرمایا تیرا باپ فلانہ ہے (حذافہ)۔ جیسے دوسری روایۃ میں ہے" (تفسیر وحیدی صـ ۱۶۲)

اور علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے روی انس انھم سألوا النبیؐ فاکثروا المسئلة فقام علی المنبر فقال سلونی فواللہ لا تسألونی عن شئ مادمت فی مقامی ھذا الا حدثتکم بہ فقام عبد اللہ بن حذافة السھمی وکان یطعن فی نسبہ فقال یا نبی اللہ من ابی فقال ابوک حذافة بن قیس ... ولما اشتد غضب الرسول قام عمر وقال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیة۔ واعلم ان السوال عن الاشیاء ربما یؤدی الی ظھور احوال مکتومة یکرہ ظھورھا وربما ترتبت علیہ تکالیف شاقة صعبتہ فالاولی بالعاقل ان یسکت عما لا تکلیف علیہ فیہ۔ الا تری ان الذی سال عن ابیہ فانہ لم یامن ان یلحقہ الرسول علیہ الصلاۃ والسلام بغیر ابیہ فیفتضح۔ جناب انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے بہت سی باتیں پوچھنا شروع کیں۔ اور سوالوں کی بھرمار کردی۔ اس پر آنحضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اب مجھ سے پوچھو! خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ کھڑا ہوں تم لوگ جو بات بھی مجھ سے پوچھتے جاؤ گے میں سب تم لوگوں کو بتاتا جاؤنگا حضرتؐ کا یہ قول سن کر عبداللہ بن حذافہ اسھمی کھڑا ہوگیا۔ یہ وہ شخص تھا جسکے نسب میں بڑی بڑی خرابیاں بیان کی جاتی تھیں۔ اس نے پوچھا اے رسولخدا میرا باپ کون تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ بن قیس تھا... اور جب حضرتؐ کا غضب بہت زیادہ ہوگیا تو حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا ہم اللہ کو اپنا پروردگار۔ اسلام کو اپنا دین۔ اور محمد کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہوگئے۔ اس پر خدا نے یہ آیۃ نازل کی۔ اب اس بات کو سمجھو کہ بہت سے امور کا سوال بعض اوقات ایسی پوشیدہ باتوں کے ظاہر ہوجانے کا

باعث ہوتا ہے جن کے فاش ہونے سے لوگوں کو بڑی اذیت ہوتی ہے اور اکثر اوقات ایسی باتوں پر شاق اور صعب تکلیفیں مترتب ہونے لگتی ہیں۔ پس عاقل کے لئے مناسب یہ ہے کہ جس بات کی اس کو ضرورت نہ ہو اوسکے سوال کرنے سے سکوت ہی اختیار کئے رہے۔ کیا تم اوس شخص کو خیال نہیں کرتے جس نے اپنے باپ کے بارے میں سوال کیا۔ اس کو یقینا اس بات سے اطمینان نہیں تھا کہ حضرتؐ اس کا باپ کسی دوسرے شخص کو نہ بتا دیں۔ اس صورت میں (کہ حضرت اس شخص کا باپ مشہور شخص کے علاوہ کسی اور کو بتا دیتے) وہ کس درجہ فضیحت ہوجاتا (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۶۷)

ان تمام عبارتوں سے بھی اس کا پتا نہیں چلا کہ حضرت عمر کے لئے کیا وجہ ہوئی جس سے آپ نے آنحضرت صلعم کو اس درجہ راضی کرنے کی کوشش کی کہ حضرتؐ کا پاؤں چوم لیا اور بات ختم کرنے پر اصرار کیا۔ اس سبب سے سابق زمانہ کی کتابیں ڈھونڈھنے کا موقع ملا۔ علامہ طبری کی تفسیر میں ایک روایۃ ملی جس سے ممکن ہے اس مسئلہ پر کچھ روشنی پڑ سکے:۔

عن ابی ھریرۃ قال خرج رسول اللہ وھو غضبان محمار وجھہ حتے جلس علے المنبر فقام الیہ رجل فقال این ابی قال فی النار فقام آخر فقال من ابی۔ قال ابوک حذافۃ۔ فقام عمر بن الخطاب فقال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمدؐ نبیا وبالقرآن اماما انا یا رسول اللہ حدیثو عھد بجاھلیۃ وشرک واللہ یعلم من آباؤنا۔ قال فسکن غضبہ ونزلت یا ایھا الذین آمنوا لاتسألوا الآیۃ (تفسیر طبری مطبوعہ

جناب ابو ہریرہ سے روایۃ ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسو لخدا صلعم بہت غضبناک تشریف لائے غیظ و غضب سے آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور منبر پر بیٹھے۔ تو حضرتؐ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا جہنم میں۔ دوسرا کھڑا ہوا پوچھا میرا باپ کون تھا؟ فرمایا حذافہ۔ اس پر حضرت عمر کھڑے ہوگئے اور کہا ہم اللہ کو رب۔ اسلام کو دین۔ محمدؐ کو نبی اور قرآن کو پیشوا ماننے پر راضی ہیں۔ اے رسو لخدا ہم لوگوں کی جاہلیۃ کا زمانہ ابھی گزرا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ واقعاً ہم لوگوں کے باپ دادا کون تھے۔ اس پر آنحضرتؐ کا غضب فرو ہوا۔ اور یہ آیۃ نازل ہوئی اے ایمان والو ان باتوں کو نہ پوچھو

حضرت عمر
Hazrat

مصر جلد ۷ صفحہ ۴۹) | جن کے کھلنے سے تم لوگوں کو رنج و اندوہ ہو۔
اس سے پہلے (صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷ میں) علامہ ابن ابی الحدید کی یہ زوردار عبارت گزر چکی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں (سوائے خاندان حضرت رسولخدا صلعم کے) کون شخص ایسا مل سکتا ہے جسکی ذات یا اسکے بزرگوں یا دادیہالی ناںہالی سسرالی رشتہ داروں یا پورے خاندان میں نسب و نسل کا کوئی داغ کوئی خرابی ۔ کوئی عیب ۔ کوئی شرمناک دھبہ نہ ملے سلہ اوسکی تصدیق حضرت رسولخدا صلعم کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے

سلہ ممکن ہے یہاں کوئی شخص یہ کہے کہ نسبی خرابیوں کی طرف توجہ کرنا اہل عقل کا کام نہیں ہے باپ دادا نے کوئی کام کیا تو اوس کا اثر صرف انہیں تک محدود رہے گا ۔ اگر حرام کاری کی تو اوس زمانہ میں وہی بدنام ہونگے ۔ اگر کوئی شرمناک حرکت کی تو اسکی ذلت کا سہرا بھی انھیں کے سر رہے گا ۔ اولاد اس کا نتیجہ کیوں برداشت کریگی درصورتیکہ اس کا کوئی اختیار اپنے وجود اور اپنی ولادت میں نہیں تھا ۔ اور خدا نے بھی فرمایا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا خدا کسی شخص کو ایسے امر کی تکلیف نہیں دے سکتا جو اسکے اختیار سے باہر ہو لا تزر وازرۃ وزر اخری کبھی کوئی شخص دوسرے کی برائیوں کا بوجھ نہیں اوٹھائیگا ۔ انسان کی عزت و بزرگی کے متعلق بھی خدا نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اسکے والدین نیکوکار ہونگے ۔ تب اسکی عزت ہوگی یا وہ حلال زادہ ہوگا تب اوسکو کوئی شرف ہوگا یا اس کا خاندان نسبی عیوب سے محفوظ ہوگا تب وہ اچھی نظر سے دیکھا جائیگا بلکہ اس نے تو صاف صاف فرمادیا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم لوگوں میں جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے ۔ تقوے پرہیزگاری کرنے والے ہوں گے وہی سب سے زیادہ اسکے سامنے شریف ۔ معزز اور قابل قدر ہوں گے پس اگر کوئی شخص والدین کی طرف سے کتنا ہی برا ہو ۔ یا اسکی ولادت کتنی ہی شرمناک صورت سے ہوئی ہو خود اچھے کام کرے ۔ خود عزت و آبرو کا سامان پیدا کرلے جو شرف و بزرگی کے اونچے درجہ پر پہونچ جائے تو عقل و شرع دونوں کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اسکی مدح و قدر کرو اور اسکے نسبی دھبوں کو بھول جاؤ ۔ اس صورت میں اسکے

کہ جب لوگوں نے حضرتؓ سے اپنے آباء و اجداد کے پتے دریافت کرنا شروع کئے تو حضرت کو نہایت درجہ غیظ و غضب آگیا۔ غالباً اسی خیال سے کہ اگر میں انکے اصلی آباء و اجداد کو بتاتا ہوں تو ان صحابہ کرام کی فضیحتی ہوتی ہے۔ اور اگر میں بھی انکے مشہور اور غلط بزرگوں کا نام لیتا ہوں جن کے بیٹے یا پوتے یہ لوگ اب سمجھے یا پکارے جاتے ہیں تو دشوار تر امر ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح مجھ سے کذب کا ارتکاب ہوتا ہے۔ غرض حضرتؓ کو شدید پریشانی ہوئی کہ ہر شخص اسی طرح دریافت کرتا جائیگا تو کس کو کس کو کیا جواب دوں گا۔ اوس وقت حضرت عمر نے اپنے حسن تدبیر سے ایسی دانائی اور انجام بینی کو راہ دیا جس سے بات بن گئی۔ ممکن ہے موصوف کو بھی خوف ہوا ہو کہ جب نسبی عیوب اور خاندانی مطاعن کی بحث چھڑ گئی تو نہ معلوم کس کس خاندان کے حالات منکشف ہو جائیں۔ اسی سبب سے آپ نے اس تذکرہ کا دروازہ بند کر دینے ہی میں مصلحت دیکھی اور اس کے لئے ایسا عنوان اختیار کیا جس سے سائلین کو بھی خاموش ہو جانا پڑا اور آنحضرتؐ کا غیظ و غضب بھی رفع ہو گیا۔ بات کرتے کرتے پاؤں چومنے لگنا ایسا دل فریب عمل ہے کہ جس کا پاؤں چوما جاتا ہے اسکو بھی رحم آجاتا ہے۔ اور دیکھنے والوں کے دلوں میں بھی ہمدردی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ اسکے ساتھ آپ نے اپنی طرف سے صحابہ کرام کی جانب سے اور خود حضرت

(بقیہ حاشیہ صـ۲۴۳) آبائی معائب کا نام لینا کیسا تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ محض اس کے ذاتی محاسن اور شخصی کمالات و فضائل کا لحاظ کرنا ہمارا عقلی و مذہبی فریضہ ہوگا۔ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا اور بزرگانِ دین کے اقوال میں بھی اس کے موافق چیزیں موجود ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شرافت نسب۔ علوے خاندان۔ طیب ولادت اور نجابت والدین لاشئ محض ہیں اس کا کوئی خیال ہی نہیں کرنا چاہیئے یا یہ چیزیں قابل لحاظ نہیں ہیں۔ اونکی طرف توجہ کرنا اہل عقل کا کام نہیں ہے اور یہ کہ ان امور کو خدا اور رسولؐ نے بھی کوئی حسن نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ جس شخص میں محض نسبی شرف اور فضیلت ہو اوسکو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہماری خاندانی عزت۔ ہماری آبائی منزلت۔ ہمارے بزرگوں کی عظمت و جلالت ہماری قدر کے لئے

رسولخدا صلعم کے جواب کی حیثیت سے بھی بہترین بات کہ دی کہ واللہ اعلم من آباؤنا یعنی خدا ہی کو معلوم ہے کہ واقعاً ہم لوگوں کے آباد اجداد کون تھے۔ یعنی اب نہ ہم لوگ حضور سے پوچھیں گے کہ ہمارے باپ دادا یہی ہیں یا کوئی اور تھے۔ اور نہ خود ان لوگوں کا نام لینگے جن کو لوگ ہمارے آبا و اجداد کہتے یا سمجھتے ہیں بلکہ اس مسئلہ کو خدا ہی کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ تب حضرتؐ کا غیظ دفع ہوا اور حضرتؐ کو تسکین ہوئی اور خدا نے بھی صحابہ کرام کو سمجھایا کہ ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جنکی وجہ سے تم لوگوں کی عزت و آبرو کے پردے چاک ہو جائیں اور سربستہ راز فاش ہو کر تم سب کی ذلت و شرم کا سامان مہیا کر دے۔

(بقیہ حاشیہ صا۲۳) کافی ہے۔ اب ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کسی خوبی کے پیدا کرنے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ اب ہم خواہ کیسے ہی بُرے ہوں لوگوں کو ہماری تعظیم ہی کرنا مناسب ہے۔ بلکہ اوس شخص کو اپنے بزرگوں کے فضائل و مناقب کی طرف سے چشم پوشی کرکے اپنے میں بھی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنے کو ذاتی اوصاف حسنہ مثل علم و فضل۔ تقوے۔ زہد۔ ورع۔ خدمت دین۔ خدمت قوم۔ خدمت ملک۔ خدمت بنی نوع انسان سے آراستہ کرنا چاہیئے۔ دنیا کی جائز اور پسندیدہ ترقی کی جد و جہد میں لگنا چاہیئے۔ اپنے اعمال و اخلاق سے لوگوں کو اپنا گرویدہ کرنا چاہیئے۔ اپنی حسن تدبیر۔ اپنی محنت۔ اپنی ریاضت اپنی دماغی قوت سے لوگوں کے نفع رسانی کے اسباب مہیا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ غرض مفید علم و عمل کے جس قدر شعبے ہیں ان سب کو بدرجہ اتم و بوجہ اعلےٰ اپنے قبضہ میں لانے کی سعی میں ہر شخص کو مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اس کی ترقی بھی ہو۔ اس کے خاندان کا نام بھی روشن ہو۔ اس کے ذریعہ سے دوسروں کی بھلائی بھی ہو۔ اور اسکے کمالات سے وہ خود بھی منتفع ہو اور اسکی برادری اور قوم والوں کو بھی اس کی وجہ سے پوری قوت حاصل رہے۔ اس کا نام روشن اور اسکے ہم مذہب و ہم ملت افراد کا وزن بڑھتا جائے اسکی زندگی سے اس کے وطن والوں کی طاقت زیادہ ہوتی جائے۔ اور اوس کے کارنامے آئندہ لوگوں کو بھی نفع پہونچائیں اور اس سے معزز اولاد پیدا ہوتی اور ترقی کرتی رہے۱۲

علامہ ابن ابی الحدید نے کچھ اور باتیں بھی ایسی لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا لوگوں کے نسبی حالات کی تحقیق سے روکنا ہی مصلحت وقت کے مناسب تھا۔ مثلاً تحریر کرتے ہیں قدم عمرو بن العاص علی عمر وکان والیا له المصر فقال له فی کم سرت - قال فی عشرین - قال عمر لقد سرت سیر عاشق - فقال عمرو انی واللہ ما تابطتنی الاماء ولا حملتنی فی غبرات المالی - فقال عمر واللہ ما هذا بجواب الکلام الذی سألتک عنه - وان الدجاجة لتفحص فی الرماد فتضع لغیر الفحل - وانما تنسب البیضة الی طرقها - فقام عمرو مربد الوجه قلت المالی خرق سود یحبها النوائح ویسرن بها بایدیهن عند اللطم - والا دخرق الحیض ههنا وشبهها بتلک وانکر مرتحره بالامهات وقال ان الفخر للاب الذی الیه النسب - وسالت النقیب اباجعفر عن هذا الحدیث فی عمر - فقال ان عمرا فخر علی عمر لان ام الخطاب زنجیة تعرف بباطحلی تسمی صهاک - فقلت له وام عمرو النابغة امة من سبایا العرب - فقال امة عربیة من عنزة سبیت فی بعض الغارات فلیس یلحقها من النقص عندهم ما یلحق الاماء الزنجیات فقلت له اکان عمرو یقدم علی عمر بمثل هذا القول - قال قد یکون بلغه عنه قول قادح فی نفسه فلم یحتمله له ونفث بما فی صدره منه وان لم یکن جوابا مطابقا للسوال - وقد کان عمر مع خشونته یحتمل نحو هذا فقد جبهه الزبیر مرة وجبهه یحکی کلامه یمططه وجبهه سعد بن ابی وقاص ایضا فاغضی عنه - ومر ما فی السوق علی ناقة له فوثب غلام من بنی ضبة فاذا هو خلفه فالتفت الیه فقال ممن انت قال ضبی قال جسور واللہ - فقال الغلام علی العدو - قال عمر وعلی الصدیق ایضا - ما حاجتک - فقضی حاجته ثم قال دع الان لنا ظهر راحلتنا - ایک دفعہ عمرو عاص جو حضرت عمر کی طرف سے مصر کے گورنر تھے حضرت عمر کی خدمت میں کسی ضرورت سے آئے تو دونوں صاحبوں میں حسب ذیل باتیں ہوئیں:

حضرت عمر۔ تم مصر سے یہاں تک کتنے دنوں میں پہونچے؟

عمرو عاص۔ بیس دنوں میں۔

حضرت عمر۔ واہ تم اس درجہ تیز چلے جتنا جلد کوئی عاشق اپنے معشوق کی طرف جاتا ہے۔

عمرو عاص۔ خدا کی قسم میں وہ تو ہوں نہیں جس کو لونڈیوں نے اپنی گود میں کھلایا یا پرورش کی ہو اور نہ وہ ہوں جس کو فاحشہ عورتوں نے حیض کے لتوں میں اوڑھایا ہو!!!
حضرت عمر۔ میں نے تم سے جو بات پوچھی ہے خدا کی قسم اوس کا جواب یہ نہیں ہے۔ البتہ مرغی راکھ کو کریدتی اوس میں گڈھا کرتی اوس میں لوٹتی ہے اور بغیر اسکے کہ اس کا کوئی خلو ہو انڈا دیتی ہے اور انڈا اوسی کی طرف نسبت دیا جاتا ہے جس کا وہ نطفہ ہو۔ یہ سُنکر عمرو عاص حضرت عمر کے پاس سے سیاہ رو ہو کر اوٹھ گئے ۱؎ میں کہتا ہوں کہ نالی وہ

۱؎ مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے " انہ قام من عند عمر مسودا لوجہ عمرو بن عاص حضرت عمر کے پاس سے منہ تیرہ ہو کر اوٹھے۔ کیا حضرت عمر کو بھی معاویہ سمجھے تھے" (انوار اللغۃ پ ۱۰ ص ۱۸)۔ اس جواب سے حضرت عمر کی حاضر جوابی۔ ذہن کی رسائی۔ عقل کی تیزی۔ فہم کی زیرکی۔ علم ادب کی قوت اور حُسنِ کلام کی طاقت اچھی طرح نمایاں ہے۔ عمرو عاص نے حضرت عمر پر چوٹ کی کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسے آپ ہیں کیونکہ نہ میری ماں لونڈی۔ نہ میری دادی لونڈی۔ نہ میری بزرگوں میں کوئی حبشن تھی۔ پھر آپ کس منہ سے مجھ پر حملہ کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت عمر نے وہ کلام کیا جس نے عمرو عاص کی پھڑکتی ہوئی رگ پکڑلی اور ایسا گہرا وار کیا کہ عمرو عاص کو وہاں سے اوٹھ جانے کے سوائے کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا۔ اس عبارت میں چند جملے خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حضرت عمر نے عمرو عاص سے تو صرف یہ کہا کہ تم اس قدر تیز چلے جتنا کوئی عاشق اپنے معشوق کی طرف جاتا اور اوسکے پاس جلد از جلد پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں ممدوح نے کوئی بُری بات نہیں کہی لیکن اسکے جواب میں عمرو عاص نے کہا کہ لونڈیوں نے مجھے گود میں نہیں کھلایا۔ یہ بالکل بے تُکی بات تھی۔ سوال از آسماں۔ جواب از ریسماں اسی کو کہتے ہیں۔ مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں " ما تابطنی الاماء مجھ کو چھوکریوں (لونڈیوں) نے نہیں کھلایا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۰ ص ۶)۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے عمرو عاص پر یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ تم کو لونڈیوں نے کھلایا ہے۔ پھر عمرو عاص کا مقصود یہی تو ہوا کہ آپ میں یہ خوبی موجود ہے کہ آپ کے گھر والی لونڈیاں تھیں۔ انھیں سے آپ پیدا ہوئے۔ انھیں

سیاہ چیتھڑے ہوتے ہیں جن کو نوحہ کرنے والی عورتیں اوٹھائے پھرتی ہیں اور میت پر روتے وقت اپنا منہ پیٹنے کے لئے وہ ان چیتھڑوں سے کام لیتی ہیں۔
اور اس مقام پر عمرو عاص کی مراد اس لفظ سے حیض کے لتے ہیں۔ اور ان لتّوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۴) کی گود میں کھیلے اور اونھیں کی گود میں پرورش پائی۔ اسکے بعد عمرو عاص نے کہا ولاحملتنی فی غبرات المألی۔ اسکے بارے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں "انی واللہ ماتابطتنی الاماء ولاحملتنی البغایافی غبرات المألی۔ عمرو عاص کہتے ہیں قسم خدا کی مجھکو لونڈیوں نے بغل میں نہیں لیا (نہیں کھلایا) اور نہ بدکار عورتوں نے مجھکو بقیہ ایام حیض میں پیٹ میں اوٹھایا (مطلب یہ کہ میں ولدالزنا اور ولدالحیض نہیں ہوں جیسے لوگ مجھ کو کہتے ہیں۔ ان کے افعال کو دیکھئے تو ضرور دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ انکی ماں نابغہ عرب میں بدنام تھی واللہ اعلم" (انوار اللغۃ جلد ۲۴ صفحہ) ایک اور موقع پر ممدوح لکھتے ہیں "ولاحملتنی البغایافی غبرات المألی مجھ کو فاحشہ عورتوں نے حیض کے لتوں میں نہیں اوٹھایا یعنی میں لونڈیوں کی گود میں پرورش نہیں ہوا" (انوار اللغۃ پ ۱۹ صفحہ ۴۲)۔ مولوی صاحب نے عمرو عاص کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ درحقیقت اپنے متعلق یہ باتیں نہیں کہتے تھے کیونکہ ان کا ماں کی طرف سے معیوب ہونا بالکل واضح تھا جس کو عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ وہ واقعاً اپنے عیب کے مقابلہ میں دوسروں کے عیوب کا ذکر کر رہے تھے۔ ممکن ہے حضرت عمر کا اشارہ اس طرف رہا ہو کہ تم نے مجھ پر حملہ کیا کہ میری دادی حبشن لونڈی تھی جس نے میرے باپ کو بھی جنا اور مجھے بھی اپنی گود میں کھلایا مگر اپنے کو خیال نہیں کرتے کہ تمہاری ماں عرب کی کیسی مشہور بدنام عورت تھی جسکی برائیوں سے ہر شخص واقف تھا اور ہے۔ میری دادی یا نانی یا ماں کے حبشن ہونے سے مجھ میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے باپ دادا کا پتا تو ہے اور اولاد اپنے باپ دادا ہی کی طرف منسوب ہوتی اور اوسی کی بولی جاتی ہے۔ برخلاف تمہارے کہ تمہاری ماں میری ماں سے گو بہت زیادہ شریف اور معزز تھی مگر خود ایسی خراب چال چلن کی تھی کہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا تم کس کے بیٹے ہو۔ صرف عاص سے تمہاری کچھ صورت

اونھوں نے حیض کے لتوں سے تشبیہ دی -
اور حضرت عمر ماں پر فخر کرنے کو ناپسند کرتے اور کہتے تھے کہ فخر تو بس باپ کے اوپر کرنا چاہیے کہ اسی کی طرف آدمی منسوب ہوتا ہے - ماں کوئی بھی ہو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے
اور مجھ (ابن ابی الحدید) اور نقیب ابو جعفر میں اس بات کے متعلق ایک دفعہ اس طرح باتیں ہوئیں :-

میں - حضرت عمر کی اس گفتگو کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟ آپ کے کس عیب کا ذکر عمرو عاص نے کیا؟

نقیب - بات یہ ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر پر اس وجہ سے فخر کیا کہ حضرت عمر کی دادی (خطاب کی ماں) ایک حبشن لونڈی تھیں جن کا نام صہاک تھا اور جو باطلی کے لقب سے مشہور تھیں -

میں - لیکن عمرو عاص کی ماں نابغہ بھی تو عرب کی لونڈیوں ہی سے ایک لونڈی تھیں (دیکھ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۵) ملتی ہے اس وجہ سے سب لوگوں نے اس کا لڑکا کہنا شروع کر دیا - چنانچہ مورخین و نسابان عرب نے لکھا ہے کہ حضرت عبد المطلب کی پوتی (اور حضرت رسول خدا صلعم کی چچازاد بہن) اروے جو بہت بوڑھی اور کمزور ہو گئی تھیں ایک دفعہ معویہ کے پاس تشریف لائیں تو معویہ کو بڑی خوشی ہوئی - اوس وقت دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں :-

معویہ - (ہاہا - آپ بھی آخر میرے ہاں تشریف لائیں ؟) خالہ جان آپ کا آنا مبارک ہو - کیسا مزاج ہے؟

اروے - خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہوں - مگر اے معویہ تمہارے بارے میں البتہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ خدا کی مخالفت اور کفران نعمت کرتے ہو اور اپنے بزرگ کی صحبت کا تم نے بُرا استعمال کیا - ان کے صحابی ہونے کو بدنام کر دیا اور وہ نام (خلیفہ) اپنے لیئے اختیار کیا جسکے تم کسی طرح اہل اور سزاوار نہیں ہو سکتے - اور اس چیز پر قبضہ کر لیا جس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے - کیونکہ نہ تو تمہارا کوئی دین ہے نہ تمہارے باپ دادا کا کوئی دین تھا - نہ اسلام میں تم لوگوں کو کسی قسم کی سبقت یا خصوصیت حاصل تھی بلکہ تم لوگوں نے تو پہلے حضرت رسول خدا صلعم کے ماننے ہی سے کھلم کھلا انکار کر دیا تھا -

کس منہ سے وہ حضرت عمر کے مقابلہ میں فخر کرتے تھے۔
نقیب۔ یہ سچ ہے کہ عمرو عاص کی ماں بھی لونڈی ہی تھیں مگر لونڈی لونڈی میں فرق ہوتا ہے۔ ان کی ماں عرب ہی کے ایک قبیلہ عنزہ سے تھیں جو بعض لوٹ مار میں قید کر لی گئیں اس وجہ سے ان میں وہ عیب لاحق نہیں ہوا جو عرب کے خیال میں حبشی لونڈیوں میں ہوتا تھا کہ وہ عرب میں نہایت ذلیل اور حقیر سمجھی جاتی تھیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۶) خدا تم لوگوں کے نصیبے خراب کرے۔ تم لوگوں کے رخسار دں کو خاک آلود کرے۔ تمہارے چہروں کو ذلیل و خوار کرے اور حق کو حق دار کی طرف لوٹا دے۔ اگرچہ مشرکین اس سے کتنا ہی پیچ و تاب کھائیں۔ اے معویہ سُن رکھو کہ ہم لوگوں کا کلمہ بلند ہے اور ہمارے رسول صلعم ہی کی فتح ہوئی۔ اب حضرتؐ کے بعد تم لوگ زبردستی حاکم بن بیٹھے اور لگے حضرت رسولؐ کی قرابت ظاہر کرکے دوسروں کے مقابلہ میں اپنا حق جتانے اور اپنے کو حضرتؐ کا سچا قائم مقام بتانے حالانکہ تم سے کہیں زیادہ قرابت ہم لوگوں کو حضرتؐ سے حاصل ہے اور اس خلافۃ و حکومۃ کے حقدار بھی ہم لوگ ہی ہیں۔ تم لوگ کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ مگر اب تم لوگوں نے ہم لوگوں کی وہی حالت کردی جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کی ہوگئی تھی اور ہمارے آقا و مولا حضرت علیؑ ہمارے پیغمبرؐ و رسولؐ کے بعد حضرتؐ کے ویسے ہی جانشین اور خلیفہ ہوئے جیسے حضرت موسیٰؑ کے خدا کے ہاں جانے کے بعد حضرت ہارون آپ کے جانشین و خلیفہ ہوئے تھے اچھا اے معو یہ اب یہ بھی سمجھ لو کہ ہم لوگوں کی منزل مقصود بہشت اور تم لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جناب اروے اسی شجاعۃ فصاحۃ اور حق گوئی سے کلام کرتی چلی جاتی تھیں اور معویہ کے دربار کا ذرا اثر ان پر نہیں ہوتا تھا۔ تو عمرو عاص نے ان کو ٹوکا اور پھر ان میں اور عمرو عاص میں اس طرح باتیں ہونے لگیں:۔
عمرو عاص۔ بس بس۔ او بڈھی گمراہ عورت۔ کہاں تک بکتی جائیگی؟ اب بھی چپ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور تیرے کلام کی کوئی حد بھی ہوگی یا کہتی ہی چلی جائیگی؟ معلوم ہوتا ہے تیری عقل جاتی رہی کیونکہ تیری تہنا گواہی کس کام کی؟ وہ تو جائز تک نہیں ہے۔

یں۔ تو کیا عمرو عاص کو اتنی جرءت ہو جاتی تھی کہ حضرت عمر سے (جو خلیفہ وقت اور سب مسلمانوں کے حاکم اور خاص کر ان کے بھی افسر تھے) ایسی تذلیل دتوہین کی باتیں کر جائیں؟

نقیب۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضرت عمر کی ایسی ہی کوئی ناگوار بات پہونچ گئی ہو جس کو اونھوں نے اپنی شان کے خلاف سمجھا ہو اور اس کو برداشت نہ کر سکے ہوں۔ اس وجہ سے (غیظ و غضب میں حضرت عمر کے متعلق) وہ باتیں زبان سے نکال دی ہوں جو ان کے

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۷) اروے۔ اے سبحان اللہ۔ ارے نابغہ کے بچے! تیری بھی ایسی مجال ہو گئی کہ شریفوں کے مقابلہ میں بولنے لگے حالانکہ تیری ماں تو مکہ معظمہ کی سب سے زیادہ مشہور فاحشہ اور سب سے سستی پیشہ ور عورت تھی۔ اور تیرے باپ ہونے کا دعوے ایک ہی وقت میں پانچ آدمیوں نے کیا تھا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ عمرو میرا بیٹا ہے جب کسی طرح اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا تو لوگوں نے تیری ماں نابغہ سے پوچھا کہ صاحب تمہارا بیٹا عمرو کس کے نطفہ سے ہے؟ تو اوس نے جواب دیا تھا میرا تعلق ان پانچوں آدمیوں سے تھا۔ اسکی صورت سب سے ملاؤ۔ جس سے مل جائے اوسی کا بیٹا سمجھ لو۔ تب تیری صورت سب سے ملائی گئی اور عاص بن وائل سے زیادہ ملتی ہوئی نکلی۔ اس وجہ سے تجھ کو عاص کا بیٹا بنا دیا گیا۔ اس کا کوئی جواب عمرو عاص سے نہیں ہو سکا (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۱۱۵ و عقد فرید جلد ۱ ص۱۲۵)۔ علامہ ابن ابی الحدید کی عبارت میں تیسرا جملہ یہ ہے ان الدجاجۃ لتفحص۔ اسکے متعلق مولوی صاحب لکھتے ہیں ان الدجاجۃ لتفحص فی الرماد۔ مرغی راکھ میں گڈھا کرتی ہے۔ اس میں لوٹتی ہے (انوار اللغۃ پ۲۰ ص۲۲)۔ چوتھا جملہ یہ ہے وانما تنسب البیضۃ الی طرقھا اسکے بارے میں لکھتے ہیں "والبیضۃ منسوبۃ الی طرقھا۔ انڈا اوسی کی طرف نسبت دیا جاتا ہے جس کا وہ نطفہ ہو یعنی نر کی طرف اوسکی نسبت ہوتی ہے نہ مادہ کی طرف" (انوار اللغۃ پ۱۶ ص۱۸)

اس مطلب کے مطابق حضرت عمر کا مقصود معلوم نہیں ہوا کہ عمرو عاص پر چوٹ کرنا تھا یا اپنے عیب پر پردہ ڈالنا۔ مگر اس جملہ پر عمرو عاص کا منہ بنا کر اوٹھ جانا واضح کرتا ہے کہ حضرت نے عمرو عاص کی نسبی حالت کا ذکر چھیڑ دیا اور یہ سب اشارے کنائے انھیں کی طرف

سینے میں کھٹکتی تھیں۔ اگرچہ وہ باتیں حقیقت میں حضرت عمر کے سوال کا واقعی جواب نہیں ہوتیں
اور حضرت عمر اگرچہ بہت بدمزاج اور اکثر طبیعت کے تھے مگر وہ ایسی باتوں کو اکثر برداشت
کر جایا کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ زبیر نے ان کو ذلیل کرنا چاہا اس طرح کہ ان کے کلام کی نقل کر کے
ان کو برا کہنے لگے۔ اور سعد بن ابی وقاص نے بھی رو برو ان کو برا کہنا شروع کیا مگر
حضرت عمر نے ان سے چشم پوشی کر لی۔ اور ایک روز بازار کی طرف سے گزرے تو قبیلہ
بنو ضبہ کا ایک لڑکا اچھل کر آپ کے پیچھے آپ کی سواری پر چڑھ بیٹھا۔ آپ گھبرا کر اس کی
طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کون؟

وہ لڑکا۔ میں قبیلہ بنی ضبہ کا ہوں۔

حضرت عمر۔ خدا کی قسم تم بڑے بے باک ہو۔

وہ لڑکا۔ ہاں مگر دشمن ہی کے لیے۔

حضرت عمر۔ دوست کے لیے بھی تو دلیر اور گستاخ ہی نظر آتے ہو۔ اچھا بتاؤ تمہاری
حاجت کیا ہے۔

لڑکے نے اپنی غرض بیان کی۔ تو آپ نے اوس کا کام انجام کر دیا۔ اسکے بعد کہا لو اب میری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸) تھے۔ مختصر یہ کہ عمرو عاص نے بہت بدتہذیبی سے کام لیکر
حضرت عمر کے مادری عیوب کا ذکر چھیڑ دیا اور اس طرح جناب ممدوح کو غیظ و غضب میں لانے
کی کوشش کی مگر آپ نے کمال حلم و ضبط سے کام لیکر عمرو عاص کو مناسب طور پر سمجھا دیا کہ
یہ عیوب اس قابل نہیں ہیں کہ ذکر کئے جائیں اور نہ عقل والوں کو اس طرف کوئی توجہ کرنی چاہیے
اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اگر قابل شرم کوئی بات ہو سکتی ہے تو وہ باپ کا لاپتا ہونا ہے۔
جو عمرو عاص کا مسکت جواب تھا اور اسی وجہ سے حضرت عمر کے دل میں عمرو عاص کی کبھی کوئی
عزت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عمرو عاص بھی حضرت عمر کو ہمیشہ ذلت و حقارت ہی کی نظر سے
دیکھا کئے۔ اور باوجود آپ کے خلیفۂ وقت ہونے کے کبھی آپ سے دبے نہیں لیکن حضرت عمر
اپنی کمال دانائی اور حکمت عملی سے اس کا بہت کم موقع دیتے کہ وہ آپ کے خاندانی حالات کے راز
کو فاش کر سکیں بلکہ ہمیشہ اپنی عزت کی حفاظت کا خیال رکھتے تھے اور یہی آپ کے حق میں مفید بھی تھا۔ ۱۲ منہ

سواری کی بیٹھ خالی کردو (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۰۳)۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے زمانہ جاہلیۃ کے وقار اور عزت سے بھی لوگ آپ کی خلافت کے زمانہ میں ناجائز نفع اوٹھانا چاہتے تھے جو مناسب بات نہیں تھی کیونکہ آپ کی نسبی حالت اور اسلام سے قبل کی کیفیت جو رہی ہو اس پر جب حضرت عمر خود کبھی فخر نہیں کرتے تھے تو آپکی رعایا کو بھی ان باتوں کا ذکر کرنا شرافت کے خلاف تھا۔

تیسری فصل

حضرت عمر کا خاندانی پیشہ

آپ کے خاندان میں دلالی کا پیشہ باقاعدہ جاری تھا۔ جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے "کان عمر فی الجاھلیۃ مبرطشا۔ حضرت عمر جاہلیۃ کے زمانہ میں دلالی کا پیشہ کرتے تھے یعنی بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ کراتے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۔ ص ۳۳)۔ یہی مضمون قاموس اور دوسری کتب لغت میں بھی ہے۔ مگر دوسرے پیشوں کا پتا بھی ملتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "سن رشد کو پہونچکر خطاب ان کے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدید سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافۃ کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا ادھر گزر ہوا تو اون کو نہایت عبرت ہوئی۔ آب دیدہ ہو کر فرمایا اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ اور آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں طبقات ابن سعد" (الفاروق ص ۲۵) افسوس ممدوح نے اسکی تحقیق نہیں کی کہ خطاب آپ کے ساتھ اس بے رحمی کا برتاؤ کیوں کرتے تھے۔ ہر باپ اپنے بیٹے پر عموماً رحیم اور شفیق ہوتا ہے۔ دوسرے اگر اسکے بیٹے کو تیز نظر

سے بھی دیکھتے ہیں تو باپ ان کی جان کے درپے ہوجاتے ہیں۔ پھر کیوں وہ آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے تھے؟ کیا حضرت عمر کے کسی مخفی وصف کی وجہ سے وہ آپ کو اس سختی میں رکھتے تھے؟ یا اُن کو حضرت عمر سے زیادہ اپنے اونٹوں کی محبت تھی جس سے مجبور ہو کر وہ اون جانوروں کے آرام کی فکر رکھتے اور فرزند ارجمند کی اذیت کی پروا نہیں کرتے تھے؟ عمرو عاص اور حضرت عمر میں نسبی مفاخر کے متعلق جو گفتگو ہوئی وہ پہلے نقل کی جاچکی ہے۔ ایک اور عبارت قابل تامل ہے۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ عمرو عاص مصر میں بڑی دولت پیدا کر رہے ہیں تو ایک شخص محمد بن مسلمہ کو اون کے ہاں بھیجا کہ جا کر نصف پر قبضہ کرلیں اور نصف عمرو عاص کے لئے چھوڑ دیں۔ محمد بن مسلمہ وہاں پہونچے تو عمرو عاص نے کہا لعن اللہ یوما کنت فیہ والیا لابن الخطاب واللہ لقد رأیتہ ورأیت اباہ وان علی کل واحد منہما عباءۃ قطرانیۃ مؤتزر ابہا ماتبلغ مأبض رکبتیہ وعلی عنق کل واحد منہما حزمۃ من حطب وان العاص بن وائل لفی مزرات الدیباج۔ خدا اس دن پر لعنت کرے جب میں ابن خطاب کی طرف سے مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ خدا کی قسم میں نے عمر کو بھی دیکھا ہے اور اون کے باپ کو بھی کہ ہر ایک کے جسم پر بھدے کپڑے کی ایسی مختصر عبا تھی جو اونکے گھٹنوں تک بھی نہیں پہونچتی تھی۔ اور اوس وقت دونوں کے سروں پر جلانے کی لکڑیوں کا ایک گٹھر رہتا تھا۔ اوس وقت میرا باپ ریشم و دیبا کی گھنڈیاں لگی ہوئی عبا استعمال کرتا تھا (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۱۸۳ وشرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص۱۰۱ وغیرہ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کے والد کا اور ان کا پیشہ لکڑیاں کہیں سے کاٹ کر لانا اور بیچنا تھا۔ اور چونکہ انہیں پیسے بہت کم ملتے ہیں، اس وجہ سے اُن لوگوں کو اتنی قدرت نہیں ہوتی تھی کہ بقدر ضرورت اپنے معاش کا سامان کرسکیں۔ اور عزت و آبرو سے بسر کرسکیں۔

عمرو عاص کا مقصود غالباً اس سے یہ تھا کہ بتائیں پہلے حضرت عمر کا خاندان بہت حقیر نہایت ذلیل اور بالکل ادنے درجہ کا تھا کہ اس کو کسی قسم کی عزت حاصل نہیں تھی بلکہ وہ لوگ لکڑہارے کا کام کرتے کہ جنگل یا پہاڑ پر سے لکڑیاں کاٹ کر یا جمع کر کے لاتے اور اوسی پر بسر اوقات کرتے اتنی حیثیت بھی نہیں تھی کہ جسم پر پورا لباس ہوتا صرف لنگوٹی باندھے مزدوروں کا کام کرتے پھرتے تھے۔ لیکن عمرو عاص نے یہ نہیں بتایا کہ اس سے واقعاً حضرت عمر یا اُن کے خاندان میں کیا عیب پیدا ہوگیا۔ اخلاقی حیثیت سے اس میں کیا خرابی، حرج اور عقلی اصول سے یہ کیوں

معیوب سمجھا جائیگا۔ ہندوستان میں بیشک بہت چھوٹی ذات کی قومیں لکڑ ہارے کا کام کرتی ہیں اور ان میں کوئی تہذیب بلکہ آدمیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ عرب میں بھی جو لوگ اپنی عسرت و پریشانی میں ایسا کام کرتے وہ ذلیل ہی سمجھے جاتے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت خیز ہے کہ عمرو عاص نے حضرت عمر اور آپ کے خاندان کی ذلت و حقارت کی یہ پوری داستان سُنادی لیکن حضرت عمر کے خاص فرستادہ محمد بن مسلمہ نے عمرو عاص کا کوئی جواب ایسا نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیۃ میں عزت و آبرو کے تھے اور ان کا خاندان بھی کچھ وجاہت رکھتا تھا۔ بلکہ انھوں نے اپنے جواب سے گویا ثابت کر دیا کہ واقعاً حضرت عمر اور ان کا خاندان اسلام سے قبل کوئی چیز تھا ہی نہیں اور ان کا شمار کسی معمولی طبقہ میں بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ محمد نے کہا ایھا یا عمرو فعمر واللہ خیر منک و اما ابوک و ابوہ ففی النار۔ اے عمرو عاص! بس کرو (زیادہ فخر و مباہات کی ضرورت نہیں اب تو) عمر خدا کی قسم تم سے بہتر ہی ہیں۔ رہے تمہارے باپ اور ان کے باپ تو دونوں واصل جہنم ہی ہوئے (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)۔ اس سے واضح ہوا کہ محمد بن مسلمہ کے خیال میں عمرو عاص کا بیان لفظاً بہ لفظ صحیح تھا۔ اور واقعاً حضرت عمر اور ان کے خاندان کی پہلے وہی حالت تھی جو انھوں نے بیان کی۔ اب البتہ چونکہ حضرت عمر بادشاہ وقت ہو گئے اور عمرو عاص تک کے حاکم تھے اس وجہ سے ان کا درجہ عمرو عاص سے بھی بہتر ہو گیا تھا۔ کتب تاریخ و سیرۃ اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں کہ حضرت عمر اور ان کا خاندان اسلام سے قبل اسی قسم کے مشاغل میں رہتا تھا۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے قرأت فی کتاب من تصانیف ابی احمد العسکری ان عمر خرج عسیفا مع الولید بن المغیرہ الی الشام فی تجارۃ للولید و عمر یومئذ ابن ثمانی عشرۃ سنۃ فکان یرعٰی للولید ابلہ و یرفع احمالہ و یحفظ متاعہ۔

میں نے ابو احمد عسکری کی مصنفات سے ایک کتاب میں یہ مضمون پڑھا کہ حضرت عمر ولید بن مغیرہ کے ساتھ اس کے خدمت گار مقرر ہو کر ایک دفعہ اسکی تجارۃ کے قافلہ میں شام کی طرف گئے تھے تو آپ ہی ولید کے اونٹوں کو چراتے اور ولید کے مال و اسباب کو بھی آپ ہی اپنے سر یا کاندھے پر لادے پھرتے (جس طرح پھیری والے مزدور کے چیزوں کو لئے پھرتے ہیں آپ بھی مزدور بنتے) اور اسکے مال و اسباب کی چوکیداری کی خدمت بھی آپ ہی انجام دیتے تھے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۱۴۳) عسیف کا ترجمہ یہ لکھا ہے عسیف بمعنے مزدور

اور نوکر" (انوار اللغۃ پ۱ ص۲۱۱) ۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے قبل مزدوری اور خدمت گاری ہی وغیرہ ذرائع معاش میں مشغول رہتے ۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ نے لکھا ہے زید بن اسلم قال اخبرنا عمر بن الخطاب قال خرجت مع ناس من قریش فی تجارۃ الی الشام فی الجاھلیۃ فلما خرجنا الی مکۃ نسیت قضاء حاجۃ فرجعت فقلت لاصحابی الحقکم فواللہ انی لفی سوق من اسواقھا اذا انا ببطریق قد جاء فاخذ بعنقی فذھبت انازعہ فادخلنی کنیستہ فاذا تراب متراکب بعضہ علی بعض فدفع الی مخرقۃ وفاساً وزنبیلا وقال انقل ھذا التراب ۔ فجلست افکر فی امری کیف اصنع فاتانی فی الھاجرۃ فقال لی لم ارک اخرجت شیئاً ثم ضم اصابعہ فضرب بھا وسط راسی فقمت فضربت بھا ھامتہ فاذا دماغہ قد انتشر ثم خرجت علی وجھی ما ادری این اسلک فمشیت بقیۃ یومی ولیلتی حتے اصبحت فانتھیت الی دیر فاستظلت فی ظلہ فخرج الی رجل فقال یا عبداللہ ما یجیئک ھھنا قلت ضللت من اصحابی فجاءنی بطعام وشراب وصعد فی النظر وخفضہ ثم قال یا ھذا قد علم اھل الکتاب انہ لم یبق علی وجہ الارض احد اعلم منی بالکتاب وانی اجد صفتک الذی تخرجنا من ھذا الدیر وتغلب علی ھذہ البلدۃ فقلت لہ ایھا الرجل قد ذھبت فی غیر مذھب ۔ قال ما اسمک ۔ قلت عمر بن الخطاب قال انت واللہ صاحبنا غیر شک فاکتب لی علی دیری وما فیہ قلت ایھا الرجل قد صنعت معروفا فلا تکدرہ ۔ فقال اکتب لی کتابا فی رق لیس علیک فیہ شئی فان تک صاحبنا فھو ما نرید وان تکن الاخرے فلیس یضرک ۔ قلت ھات فکتبت لہ ثم ختمت علیہ فلما قدم عمر الشام فی خلافتہ اتاہ ذلک الراھب وھو صاحب دیر القدس بذلک الکتاب فلما راٰہ عمر تعجب منہ فانشأ یحدثنا حدیثہ فقال اوف لی بشرطی فقال عمر لیس لعمر ولا لابن عمر منہ شئی ۔ یعنی زید بن اسلم کہتے تھے کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ زمانہ جاہلیۃ میں قریش کے لوگوں کے ہمراہ میں بھی تجارت کے لئے ملک شام گیا تھا ۔ وہاں سے جب مکہ واپس آنے لگا تو میں ایک چیز بھول گیا جسکے لئے تنہا شام میں واپس آیا اور

اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ چلو میں ابھی آیا۔ غرض میں جب شام کے ایک بازار سے گزرنے لگا تو ایک عیسائی عالم اور پیشوا کو دیکھا جس نے آکر میری گردن پکڑلی۔ اس پر میں اوس سے لڑنے لگا (لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ آخر) وہ پکڑ کر مجھے اپنے عبادت خانہ میں لے گیا جہاں میں نے دیکھا کہ مٹی کا ایک بڑا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔ وہاں اوس عیسائی پیشوا نے مجھے ایک پھاوڑا اور کلہاڑی اور ٹوکری دیکر کہا کہ اِس مٹی کو یہاں سے ڈھو ڈھو کرلے جاؤ۔ یہ سُن کر میں زمین پر بیٹھ گیا اور اپنی مصیبت دیکھکر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں جس سے یہ آفت ہٹے۔ اسی حال میں دوپہر ہوگئی اور مجھ سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکا۔ اوس وقت پھر وہ عیسائی عالم اور پیشوا آیا اور مجھ سے کہا تم نے تو ابھی تک یہاں سے کچھ بھی مٹی نہیں اوٹھائی۔ یہ کہکر اوس نے زور سے ایک طمانچہ میرے سر پر لگایا۔ تب تو میں بھی کھڑا ہوگیا اور اوسکے سر پر ایسی چپت لگائی جس سے اوس کا دماغ پراگندہ ہوگیا (سر پھٹ گیا) یہ دیکھکر میں نے ذرا ایسا بدحواس ہوکر اپنی راہ لی کہ مجھے کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا کہاں جاؤں۔ کہاں بھاگوں۔ اور کیا کروں۔ اسی طرح تمام دن رات میں بھاگا بھاگا پھرتا رہا اور جب دوسری صبح ہوئی تو ایک راہب کے دیر کے پاس پہونچ کے سایہ میں بیٹھکر آرام کرنے لگا۔ لیکن فوراً ہی اوس دیر سے ایک شخص نکلا جس نے مجھے دیکھکر کہا بندۂ خدا! تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے کہا میں اپنے قافلہ والوں سے چھوٹ کر راہ بھول گیا اس وجہ سے بھٹکتا پھرتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ شخص گیا اور میرے لئے کھانا اور پانی لایا۔ پھر وہاں کھڑے ہوکر وہ میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا پھر اپنی نظر نیچی کرکے مجھ سے یوں مخاطب ہوا۔ "او بھائی! تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ اس وقت روے زمین پر آسمانی کتاب کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی شخص بھی نہیں ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ تم میں اِس شخص کی علامتیں پائی جاتی ہیں جو آئندہ زمانہ میں ہم لوگوں کو اس دیر سے نکال کر اِس شہر پر قابض ہو جائیگا۔ یہ سُن کر میں نے کہا "بھائی تم کیسی بہکی باتیں کرتے ہو؟" تب اوس نے کہا "اچھا تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے کہا "عمر بن الخطاب"۔ یہ سُنتے ہی وہ شخص بول اوٹھا "واللہ تم ہی ہم لوگوں کو اس دیر سے نکالوگے۔ اب تم عذر نہ کرو اور مہربانی کرکے میرے لئے اس دیر اور اس کے مملوکات کا ہبہ نامہ لکھدو"۔ یہ سُن کر میں نے کہا "بھائی! تم نے میرے اوپر ایک احسان (اس

وقت کھانا کھلانے کا) کیا ہے۔ ان مسخرا پن کی باتوں سے اپنے اِس احسان کو بدمزہ نہ کرو"
اس کا جواب اوس نے یہ دیا کہ "تمہارا اس میں کیا حرج ہے کہ ایک کاغذ پر ہمارے لئے
اس کا ہبہ نامہ لکھ دو۔ جس شخص کے بارے میں ہم لوگوں کو خوف ہے کہ اِس دیر پر قبضہ کریگا
اگر تم ہی ہو تو ہمارا فائدہ ہی ہے۔ اور اگر وہ تم نہیں ہو تو اتنا لکھ دینے سے تمہارا کوئی
نقصان نہیں ہوگا۔" اس پر میں راضی ہوگیا اور کہا "خیر کاغذ لاؤ۔" وہ کاغذ لایا تو میں نے
ہبہ نامہ لکھ کر اور مہر کر کے اوسکے حوالہ کردیا (بات ختم ہوگئی)۔ جب حضرت عمر اپنی خلافت
کے زمانہ میں شام پہونچے تو وہی راہب آپ کا وہی ہبہ نامہ لئے آپ پاس پہونچا اور
وہ کاغذ دکھایا۔ حضرت عمر اُس ہبہ نامہ کو دیکھکر بہت متعجب ہوئے اور ہم لوگوں سے
یہ قصہ بیان کیا۔ اسکے بعد اوس راہب نے کہا "اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔" حضرت عمر
نے کہا "بے شک اس دیر پر نہ میرا کوئی حق ہے اور نہ میری اولاد کا" (ازالۃ الخفاء مقصد ا
ص۳۲)۔ اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ حضرت عمر جوانی میں مزدوری یا حمالی کا کام
کرتے تھے اور اس وضع اور صورت میں رہتے تھے کہ دوسرے ملکوں کے لوگ بھی آپ کو
آسانی سے مزدور یا باربردار سمجھ لیتے۔ اس وجہ سے باوجودیکہ آپ کے قافلہ تجارت
میں عرب کے بہت سے لوگ تھے مگر اس عالم نے اور کسی کو بھی مٹی ڈھونے کے لئے نہیں پکڑا
بلکہ صرف آپ ہی کو گرفتار کر کے اور ٹوکری بیلچہ دیکر حکم دیا کہ وہاں کی کل مٹی کو وہاں سے
ڈھو ڈالیں اور جب آپ نے اسکے حکم کی تعمیل نہیں کی تو اوس نے آپ کو سزا دی۔ جس کا
مطلب یہی ہوگا کہ جب مزدور ہی ہو اور یہی تمہارا شغل ہے تو اس مٹی کو کیوں نہیں یہاں
سے ڈھو دیا۔ افسوس ہے آپ کا ابتدائی زمانہ اذیت و مصائب ہی میں گزرا۔ باپ
کے اونٹ چرایا کرتے اور جب دم لیتے تو سزا پاتے اور جب سفر کرتے تو دوسرے ملکوں
کے لوگ بھی آپ کو حقیر مزدور سمجھکر آپ پر حکومت کرتے اور آپ کو اذیت ہی پہونچاتے۔
ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر تجارت پیشہ لوگوں کی نوکری یا خدمت گاری
قبول کر کے دوسرے ملکوں میں جایا کرتے تھے نہ کہ خود تجارت کرنے کے لئے سفر کرتے
لیکن مولوی شبلی صاحب نے اس کو دوسرے ہی رنگ میں پیش کیا۔ لکھتے ہیں "ان فنون
سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر
تجارت تھا اس لئے اونھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی

ترقیوں کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے۔ خودداری۔ بلند حوصلگی۔ تجربہ کاری۔ معاملہ دانی یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے کے قبل پیدا ہوگئے تھے سب انہیں سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرۃ فی اسفارہ فی الجاھلیۃ الی الشام والعراق مع کثیر من ملوک العرب والعجم وقد اتینا علے مبسوطھا فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط۔ عمر بن خطاب نے جاہلیۃ کے زمانہ میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔ علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہو چکیں میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر کے ان حالات کا پتا لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمر کے سفر کے بعض واقعات لکھے لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں" (الفاروق ص۳۱)۔ غالباً دلچسپی نہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہو کہ ممدوح جن امور کو چاہتے تھے کہ کتابوں سے ثابت کریں ان سے وہ سب خالی ملیں کیونکہ تمام کتب تاریخ وسیرۃ اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمر شروع میں یا اونٹ چرایا کرتے یا جوان ہو کر خدمتگاری نوکری یا چوکیداری کا کام کرتے تھے۔ اور اسی شغل میں آپ نے شام وعراق کے سفر بھی کئے کہ تاجران مکہ آپ کو نوکر رکھکر اپنے ساتھ ان ملکوں میں لے جایا کرتے اور راستہ میں آپ سے آرام حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شرح ابن ابی الحدید نیز ازالۃ الخفاء کی عبارت اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔ افسوس ہے کہ علامہ مسعودی کی عبارت کو بھی آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔ مورخ مذکور کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر خود تجارت کرنے کے لئے دوسرے ملکوں میں جایا کرتے۔ یا اس سلسلہ میں عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملاقات کرتے تھے بلکہ وہ دوسرے تاجروں کے اسباب اوٹھا کر انکے

ساتھ بادشاہوں کے پاس لے جایا کرتے اور تاجر بادشاہوں کے پاس پہونچکر حضرت عمر کے سر یا کاندھے سے اسباب اُتار کر بادشاہوں کو دکھایا کرتے اور حضرت عمر بہ طور مزدور یا نوکر کے وہاں موجود ہکران دربار دوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے۔ آج ہندوستان میں بھی ہزاروں پھیری کرنے والے چھوٹے بڑے کپڑے، عطر، انگوٹھیاں، زیورات، تمباکو وغیرہ مال کسی مزدور کے سر پر رکھکر نوابوں، جاگیرداروں وغیرہ کے ہاں گھومتے پھرتے ہیں اور جب ان کے پاس پہونچتے ہیں تو اوس مزدور کے سر پر سے مال اُتار کر خود دکھاتے اور معاملہ کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عرب کے تاجروں کا دستور تھا کہ حضرت عمر کو حمال یا بار بردار مقرر کر کے ساتھ لے جایا کرتے اور گاہکوں کو اپنا مال دکھا کر چیزیں فروخت کرتے تھے جسکی تائید اوپر کی عبارتوں سے اچھی طرح ہوتی ہے۔ نہ معلوم مولوی شبلی صاحب کو اس امر پر اصرار کیوں ہے کہ وہ حضرت عمر کے خاندان کو معزز اور اسکے پیشہ اور ذریعہ معاش کو باوقعت ثابت کریں۔ اگر ممدوح کا خاندان اوس وقت ایسا نہ تھا اور آپ نے خود اونٹ کے چرانے یا خدمت گاری یا نوکری یا چوکیداری یا قلی کے پیشہ سے ترقی کرتے کرتے دنیاے اسلام کی حکومت حاصل کرلی تو یہ حضرت ممدوح کے لئے زیادہ باعث فخر ہے اور آپ کے اس کارنامہ کو خاص اہمیت سے دکھانا چاہیئے کہ ہمت اور کوشش کرنے سے استے ادنے درجہ کے لوگ بھی اس قدر اعلےٰ منصب حاصل کرلیتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جو معمولی چرواہے یا سپاہی کی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اگر حضرت عمر بھی ایسے ہی منتخب روزگار لوگوں میں ہوئے تو یہ ان کی مدح ہوئی یا کوئی قابل شرم بات جسکے چھپانے کے لئے مولوی شبلی صاحب نے اس طرح کوشش کی۔ آپکی اس ترقی سے ہر ادنے اور چھوٹے شخص کو بھی سبق لینا چاہیئے اور بڑے لوگوں کو بھی چھوٹے چھوٹے کاموں میں شرم نہیں کرنی چاہیئے۔ جو کام آئندہ بڑے عروج و اقبال کا ذریعہ ثابت ہو اگر ابتدا میں بہت حقیر اور قابل نفرت معلوم ہو اس سے کبھی گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ یہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ انسان کے افعال ایسے ہوں جن سے خدا خوش رہے۔ کسی کو بے وجہ ستائے نہیں۔ کسی کا حق غصب کرے کسی مصیبت زدہ کو ستائے نہیں۔ کسی کے مال اور جائداد پر زبردستی قبضہ نہ کرے۔

چوتھی فصل

حضرت عمرؓ کے والدین

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "خطاب حضرت عمر کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے غلبا نھیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی ... عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب اونھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی اونھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے"۔ (الفاروق ص ۲۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبیلہ عدی، قبیلہ عبد الشمس سے مغلوب رہتا اور قبیلہ بنو سہم سے بھی پست تر تھا اس وجہ سے ان کے دامن میں پناہ لی۔ مگر مولوی صاحب کے اس جملہ کا مطلب واضح نہیں ہوا کہ "جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے"۔ ان لوگوں سے تعلق یہی تو پیدا کیا کہ ان کے دامن میں پناہ لی مگر اس وجہ سے مکانات کیوں بیچ ڈالے؟ دو ہی صورت ہوسکتی ہے یا بنو سہم نے ان لوگوں کو اپنے دامن میں پناہ اس وجہ سے دی ہو کہ یہ لوگ ان کو اپنے مکانات دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یا ان لوگوں کو لکڑی کاٹنے اور اس کو ڈھو کر بیچنے کا موقع بنو عبد الشمس کے خوف سے نہیں ملتا تھا۔ باہر نکل نہیں سکتے تھے تو روزمرہ کے مصارف پورے کیونکر ہوتے اس سبب سے مجبور ہو کر ان لوگوں نے اپنے مکانات انھیں کے ہاتھ بیچ ڈالے ہوں۔ ممدوح کی مادر گرامی کے متعلق لکھتے ہیں "حضرت عمر کی ماں جن کا نام حنتمہ تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں"۔ مگر ممدوح نے یہ نہیں لکھا کہ حنتمہ کی ماں کون تھیں اور کس قوم و قبیلہ سے ان کا تعلق تھا۔ اگر وہ بھی ہشام کی طرح عرب تھیں تو عرب والوں کے خیال کے مطابق ان میں اور ان کے والد میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے مگر دوسری کتابوں سے کچھ شبہہ ہوتا ہے۔ علامہ مسعودی جو نہایت معتبر مورخ گزرا ہے لکھتا ہے "وامہ حنتمہ بنت ہشام بن المغیرۃ بن عبد اللہ

بن عمرو بن مخزوم وکانت سوداء - حضرت عمر کی ماں خیثمہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی حبشن تھیں (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ▪ ص۱۰۹ مطبوعہ مصر) اس میں حنتمہ کے عوض خیثمہ لکھا ہے تو ممکن ہے لکھنے یا چھاپنے میں نقطے اِدھر اُدھر ہو گئے ہوں گر سمجھ میں نہیں آتا کہ مورخ مذکور نے حنتمہ کو حبشن کس اصول پر لکھا۔ اسکے معنے سیاہ تو لیا نہیں جا سکتا کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ تو لکھا نہیں جاتا کہ فلاں عورت گوری تھی فلاں کالی۔ فلاں مرد گورا تھا فلاں کالا - اگر یہ اصول رہتا تو مورخ مذکور حضرت عمر کو بھی لکھتا کہ کالے تھے یا گورے - آپ کے نانا ہشام کو بھی ظاہر کرتا کہ سیاہ تھے یا سفید - اب خاص کر حنتمہ کو سوداء لکھنے کا مطلب اسکے سوا ے کچھ ہو نہیں سکتا کہ وہ عربی نہیں تھیں بلکہ ملک حبش کی رہنے والی سیاہ فام عورت تھیں - اس صورت میں وہ ہشام کی بیٹی کیوں لکھی جاتی ہیں - ممکن ہے اسکی وجہ یہ ہو کہ ہشام نے کوئی حبشن لڑکی کہیں پائی ہو - اس کو اٹھا کر اپنے ہاں لے گئے ہوں اور پرورش کی ہو جسکے بعد وہ ہشام کی بیٹی پکاری جانے لگی ہو - اور عرب میں یہ بہت رائج تھا کہ لوگ جس لڑکے یا لڑکی کی پرورش کرتے وہ اوسی کا لڑکا یا لڑکی پکاری جاتی - چنانچہ جناب زید غلام بھی صرف اس وجہ سے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپکی پرورش کی تھی زید ابن محمدؐ کہے جاتے تھے - حضرت عمر کے نانا کے بارے میں بھی شدید اختلاف ہے کہ کون صاحب تھے - مولوی شبلی صاحب نے ہشام بن المغیرہ لکھا ہے مگر علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے " والدہ ان کی حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھیں - اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھیں - اس دوسری روایت کی بناء پر یہ ابو جہل کی حقیقی بہن ہو جاوینگی اور پہلی روایت کی بناء پر وہ ابو جہل کی چچازاد بہن ہونگی ابو عمر نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے حنتمہ کو بنت ہشام لکھا ہے اوس نے غلطی کی ہے کیونکہ اس صورت میں ابو جہل اور حارث فرزندان ہشام کی حقیقی بہن ہو جاوینگی - حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ابو جہل اور حارث کی چچازاد بہن ہیں - ہشام اور ہاشم فرزندان مغیرہ دو بھائی تھے - ہاشم حنتمہ کے والد تھے - ہشام کو جد عمر ذوالرمحین کہتے ہیں - اور ابن مندہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی والدہ ابو جہل کی حقیقی بہن تھیں - اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ وہ ہشام کی بیٹی تھیں جو ابو جہل کی بہن کا بیٹا تھا - یعنی ابو جہل ہاشم

کا ماموں تھا۔ ابو نعیم نے اس کو اسحاق سے روایت کیا ہے زبیر نے بیان کیا ہے کہ حنتمہ ہاشم کی بیٹی تھیں لہذا وہ ابو جہل کی چچا زاد بہن ہوئیں جیسا کہ ابو عمر نے بیان کیا ہے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ ص ۴۳) اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے وامہ حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرۃ المخزومیۃ کذا قال ابن الزبیر۔ وروی ابو نعیم من طریق ابن اسحاق انہا بنت ہشام اخت ابی جہل۔ حضرت عمر کی ماں کا نام حنتمہ تھا اور وہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں جو قبیلہ مخزوم سے تھے۔ اسی طرح ابن زبیر نے بیان کیا ہے۔ ابو نعیم نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ حنتمہ ہشام کی بیٹی ابو جہل کی بہن تھیں۔ (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۲۷۶)۔ غرض اس امر کی تحقیق میں سخت زحمتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ حنتمہ عرب کی باشندہ تھیں یا حبشہ کی۔ اسی طرح اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ حنتمہ بیٹی بھی کس کی تھیں۔ اگر اُن کے باپ عرب ہی تھے تو وہ کون تھے ہشام یا ہاشم اور ابو جہل رشتہ میں حضرت عمر کا کون ہوتا تھا۔ افسوس نسب عرب کی کتابیں بہت کم ملتی ہیں اس سبب سے پوری تحقیق نہیں ہو سکتی کہ واقعہ کیا ہے اور کس خاندان کی شادی کس میں ہوئی۔ پھر اس خاندان میں عرب کی لڑکیاں کون بیاہی گئیں اور ملک حبشہ کی لڑکیوں سے کون اولاد ہوئی۔ اس لئے کہ حبشہ کی لونڈیاں کثرت سے عرب میں آیا کرتیں۔ ان کو لوگ خرید کر اپنے گھر رکھتے اور کبھی کبھی انکو بیٹی بھی بنا لیتے تھے۔

پانچویں فصل

حضرت عمر کی ولادت اور آپ کا حلیہ

حضرت عمر کے قابل قدر سوانح نگار جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں" (الفاروق ص ۲۷)۔ اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے "حضرت عمر کی ولادت واقعہ فیل کے ۱۳ برس بعد ہوئی۔ خود حضرت عمر سے روایت ہے وہ کہتے تھے واقعہ فجار اعظم کے چار برس بعد میں پیدا ہوا تھا (ترجمہ

اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷)۔ آپ کے حلیہ کے بارے میں علامہ موصوف نے لکھا ہے حضرت عمر اپنے دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے اوسی طرح بائیں ہاتھ سے بھی کام کرتے تھے۔ انکی پیشانی پر بال نہ تھے۔ آپ کا قد اس قدر لانبا تھا کہ آپ سب لوگوں سے ایسے بلند معلوم ہوتے گویا آپ سواری پر ہیں۔ ان کا رنگ عام الرمادہ (نام قحط سالی کا) میں سیاہ ہوگیا تھا وجہ اسکی یہ تھی کہ اونھوں نے تمام زمانہ قحط سالی کے لئے گھی اور دودھ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا لہ اور صرف روغن زیتون پر قناعت کرلی تھی۔ اور سماک نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کی رفتار ایسی تیز تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی چیز پر سوار ہیں۔ شباہت انکی قبیلہ سدوس کے لوگوں سے ملتی تھی" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۱۰۶) "اسلم کا بیان ہے کہ حضرت عمر کی داڑھی بڑی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آگ پھونکنے میں دھواں آپ کی داڑھی کے درمیان سے نکلتا تھا" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۹۲)۔ اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کان عمر طویلا جسیما اصلع اشعر شدید الحمرۃ کثیر السبلۃ فی اطرافہا صہوبۃ وفی عارضیہ خفۃ وروی یعقوب بن سفیان فی تاریخہ بسند جید الی زر بن جیش قال رأیت عمر اعسر اصلع آدم قد فرع الناس کانہ علی دابۃ قال فذکرت ہذہ القصۃ لبعض ولد عمر فقال سمعنا اشیاخنا یذکرون ان عمر کان ابیض فلما کان عام الرمادۃ وہی سنۃ المجاعۃ ترک اکل اللحم والسمن وادمن اکل الزیت حتی تغیر لونہ وکان قد احمر فشحب لونہ ... عن سماک کان عمر اروح کانہ راکب والناس یمشون قال والاروح الذی یتدانی عقباہ اذا مشے

لہ یہ بھی عجیب بات ہے۔ ہندوستان میں کتنے لوگ ہیں کہ برسوں گھی اور دودھ ان کو میسر نہیں ہوتا مگر اس سبب سے وہ گورے سے کالے تو نہیں ہوجاتے۔ معلوم نہیں عرب کی آب و ہوا میں کیا تاثیر تھی کہ جو لوگ گھی اور دودھ کھاتے وہ گورے رہتے اور جو لوگ چند دنوں گھی اور دودھ کا استعمال ترک کردیتے وہ اتنی ہی مدت میں سیاہ ہوجاتے۔ ایسے سیاہ کہ کتابوں میں انکے رنگ بدل دینے کی وجہ لکھی جاتی ۱۲

کان عمر یاخذ اذنه الیسریٰ بیدہ الیمنیٰ و یجمع جرا میزہ و یثب علے فرسہ فکانما خلق علے ظہرہ۔ حضرت عمر لانبے ڈیل ڈول والے گنجے [1] دوسرے مقامات پر بہت بال والے۔ شدید سرخی والے۔ بڑی مونچھ والے تھے جسکے کناروں میں سرخی تھی۔ آپکے دونوں رخسارے پیچکے (یعنی دھسے) ہوئے تھے۔ یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں سند جید سے جو زر بن حبیش تک پہونچتی ہے روایت کی ہے کہ کہتے تھے میں نے حضرت عمر کو دیکھا بائیں [2] ہتھے اور گنجے سیاہ رنگ کے تھے۔ لوگوں سے اتنے اونچے رہتے کہ معلوم ہوتا کسی جانور پر ہیں۔ اس قصہ کو میں نے حضرت عمر کی بعض اولاد سے ذکر کیا تو اوس نے کہا حضرت عمر سفید تھے مگر جب قحط کا سال آیا تو گوشت اور گھی کھانا چھوڑ دیا اور برابر روغن زیتون ہی کھاتے رہے اس وجہ سے ان کا رنگ بدل کر سیاہ ہوگیا۔ حالانکہ وہ پہلے سرخ تھے تو اب رنگ بگڑ گیا۔ اور سماک کہتے تھے کہ حضرت عمر اروح تھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوار اور لوگ پیدل ہیں۔ اور اروح وہ شخص ہوتا ہے جسکی دونوں ایڑیاں چلنے میں ایک دوسرے سے قریب رہتی ہیں [3] سماک بیان کرتے تھے کہ ہلال بن عبد اللہ نے کہا میں نے حضرت عمر کو ایسے ڈیل ڈول والا دیکھا گویا وہ بنو سدوس کے خاندان سے تھے اور حضرت عمر اپنے بائیں کان کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو جمع کرکے اپنے گھوڑے پر اچک چڑھ جاتے تھے اوس وقت وہ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی پیدا کئے گئے ہیں [4] (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۹) اس عبارت کی سب باتیں تو سمجھ میں

---

[1] اصلع کا معنے گنجا لکھا ہے (انوار اللغۃ پ ۱۴ صفحہ ۸۱) ۱۲ منہ

[2] اعسر جو بائیں ہاتھ سے کام کرتا ہے (انوار اللغۃ پ ۸ صفحہ ۱۱)

[3] انہ کان اروح کانہ راکب والناس یمشون۔ حضرت عمر اروح تھے۔ جب چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ سوار ہیں دوسرے لوگ پا پیادہ ہیں۔ اروح وہ شخص چلنے میں جسکی ایڑیاں نزدیک رہیں اور پاؤں کے پنجے دور دور رہیں (انوار اللغۃ پ ۱۰ صفحہ ۱۴۱) [4] انہ کان یجمع جرا میزہ و یثب علے الفرس

آگئیں لیکن اس جملہ کا مطلب حل نہیں ہوتا کہ آپ اپنے بائیں کان کو داہنے ہاتھ سے پکڑ کر کیوں گھوڑے پر کود جاتے تھے اور اس میں کیا مصلحت تھی۔ شاید یہ مطلب ہو کہ آپ نیچے سے اس طرح اوچھل جاتے کہ اسی طرح گھوڑے کی پشت پر پہونچ جاتے تھے۔ کیونکہ داہنے ہاتھ سے تو اپنا کان پکڑے رہتے اور بائیں ہاتھ سے اپنے پیروں کو سمیٹے رہتے تو اب کوئی ہاتھ خالی رہتا ہی نہیں تھا جس سے گھوڑے کی پیٹھ یا دم یا سر وغیرہ پکڑ کر اس پر چڑھتے مگر آپ کا قد اس قدر طویل تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح اوچھل کر گھوڑے پر چڑھتے ہونگے۔ پست قد لوگوں کے لئے نیچے سے اونچے پر اوچھل جانا تو دیکھا جاتا ہے۔ مگر بڑے لانبے قد کے بزرگ کا اوچھل کر گھوڑے پر چڑھ جانا ان کے کمال کی دلیل ہے مشہور انگریز مورخ نے لکھا ہے "جس وقت عمر خلیفہ ہوئے انکی عمر تخمیناً ۵۳ سال کی تھی۔ وہ بڑے ڈھنگ کا آدمی۔ لانبا سر سے گنجا آدمی تھا۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ وہ بیٹھا ہوا دوسرے کھڑے آدمی کے برابر تھا۔ اسکی طاقت غیر مشہور تھی اور وہ بائیں ہاتھ سے ایسی ہوشیاری سے کام کرتا تھا جیسا کہ داہنے ہاتھ سے یعنی لکھا تھا" تاریخ سکسیسرز آف محمد صفحہ ۵ ۱۹۰ مطبوعہ لندن) علامہ ابن عبدالبر نے آپ کے حلیہ میں کچھ اور باتیں بھی اضافہ کی ہیں وکان شدید الادمۃ طوالا۔ کث اللحیۃ اصلع۔ اعسر، کان شدید الادمۃ ذو صفۃ ابو رجاء العطاردکان معقلا۔ قال انما جاءتنا الادمۃ من قبل اخوالی بنی مظعون۔ حضرت عمر کا رنگ بہت زیادہ سیاہی مائل تھا۔ قد طویل تھا۔ ڈاڑھی جھاڑی نما تھی[۱] سر گنجا تھا۔ بائیں ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ رنگ بہت سیاہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۲) حضرت عمر اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر گھوڑے پر کود جاتے سبحان اللہ آپ کی مستعدی بڑھاپے کی حالت میں اور سپاہگری۔ آپ کی نالائق اولاد ہم لوگ ہیں جو کچھ بزرگوں نے ملک و مال کمایا تھا وہ بھی کھو دیا (انوار پ ۵ صفحہ ۳۲)

[۱] کث اللحیہ یعنی گھنی ڈاڑھی والے۔ نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی کی کثاثت یہ ہے کہ باریک اور لمبی نہ ہو بلکہ اس میں کثافت اور دلداریپنا ہو (انوار اللغۃ پ ۲۲ صفحہ ۲۰) جس طرح جھاڑی گھنی ہوتی ہے اوسی طرح ڈاڑھی (د) بھی آپ کی گھنی تھی ۱۲ منہ

پاؤں سے معقل تھے یعنی گویا پیر بندھے ہوئے تھے۔ آپ کے فرزند کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی سیاہی ناہنال سے ہے کہ بنی مظعون کالے تھے (استیعاب جلد ۲ ص ۵)
اور علامہ گجراتی نے لکھا ہے الاروح من تتدانی عقباہ وتتباعد صدرا قدمیہ۔ اروح اوسے کہتے ہیں جسکی دونوں ایڑیاں مل جائیں اور قدم کا سرا دور دور پڑتا ہو (مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۴۳)
آپکی مونچھ کے بارے میں ہے السبالتان طرفا الشارب وح قصہ یدل علی استحباب قصہما لانہما داخلان فیہ دذکر لہ ان المجوس یوفرون سبالہم ویحلقون لحاہم فقال خالفوہم فکان بعضہم یجزہ الغزالی لا باس بترکہ فعلہ عمر لانہ لا یستر الفم ولا یبقے فیہ غمرۃ الطعام یعنی سبالہ دونوں طرف کے شارب کو کہتے ہیں (مونچھ کے دونوں کنارے) اور اسکے بارے میں جو حدیث ہے کہ اس کو چھٹوانا چاہیئے یہ دلالت کرتی ہے اسکے ترشوانے کے فعل مستحب ہونے پر کیونکہ یہ دونوں بھی اس میں داخل ہے۔ کسی شخص نے حضرت رسول خدا صلعم سے کہا کہ مجوسی لوگ مونچھوں کو بڑھاتے اور ڈاڑھیاں منڈواتے ہیں تو حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ ان کے خلاف کرو۔ اس وجہ سے بعض صحابہ مونچھ چھٹوادیتے تھے۔ امام غزالی کہتے تھے کہ مونچھ کے بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عمر ایسا ہی کرتے تھے کیونکہ یہ تو نہ منہ کو چھپاتی ہے اور نہ اس میں کھانے کی چکنائی باقی رہتی ہے (مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۹۳)۔ اور مولوی وحید الزمان خاں صاحب لکھتے ہیں :-
"السبالتان طرفا الشارب سبالہ کہتے ہیں مونچھ کے کنارے کو جو لب کے دونوں طرف ہوتا ہے اوس کا بھی کتروانا مستحب ہے۔ اگر نہ کترائے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے کیونکہ وہ منہ کو نہیں چھپاتا نہ کھانے کی چکنائی اوس میں لگتی ہے۔ حضرت عمر سبالہ رکھتے تھے اس کو نہیں کترتے تھے" (انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۲۸)
اس کا پتا نہیں چلتا کہ آپ کی دونوں ایڑیاں جو مل جاتی تھیں وہ خلقی تھیں یا پیدا ہونے کے بعد کسی چوٹ وغیرہ کے اثر سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد بن الولید نے بچپن میں آپ کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ علامہ حلبی

وغیرہ نے لکھا ہے واصل العداوۃ بین خالد وسیدنا عمرؓ علی ماحکاہ الشعبی انہما وہما غلامان تصارعا وکان خالد ابن خال عمر فکسر خالد ساق عمر فعولجت وجبرت ولما ولی سیدنا عمرؓ الخلافۃ اول شئ بدأ بہ عزل خالد لما تقدم وقال لایلی لی عملا ابدا یعنی خالد بن ولید اور حضرت عمر کے درمیان عداوت کی اصلی وجہ جیساکہ شعبی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ دونوں نے جب لڑکے تھے لڑائی کی اور خالد حضرت عمر کے خالہ زاد بھائی تھے اونھوں نے حضرت عمر کی ٹانگ ہی توڑ دی تھی جسکے بعد اس کا علاج کیا گیا اور وہ جُٹ بھی گئی۔ اور جب حضرت عمر خلیفہ مقرر کئے گئے تو سب سے پہلا کام جو کیا یہی تھا کہ خالد کو معزول کر دیا بسبب اوس وجہ کے جو اوپر ذکر کی گئی اور کہا کہ خالد میری زندگی بھر تو کسی عہدہ پر رہنے نہیں پائیں گے (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)۔ ممکن ہے اسی چوٹ کا اثر ہو کہ آپکی دونوں ایڑیاں راستہ چلنے میں ایک دوسرے سے مل جاتی ہوں اور پاؤں کے پنجے دور دور رہتے ہوں جسکو لوگوں نے آپ کے حلیہ میں مستقل طور پر لکھا ہے

چھٹی فصل

آپ کا نام اور القاب

آپ کا نام عمر تھا یا اور کچھ۔ اس میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور عمر ہے۔ گر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے عمیر (جو عمر کی تصغیر ہے) کہے جاتے۔ بعد کو ترقی ہوئی تو عمر نام پڑ گیا۔ علامہ ابن عبد ربہ نے اسکے متعلق ایک عجیب و غریب روایۃ لکھی ہے جو یہ ہے۔

خرج عمر بن الخطابؓ ویدہ علی المعلی بن الجارود العبدی فلقیتہ امرأۃ من قریش فقالت لہ یا عمر۔ فوقف لہا۔ فقالت کنا نعرفک مدۃ عمیرا ثم صرت من بعد عمیر عمر ثم صرت من بعد عمر امیر المومنین فاتق اللہ یا ابن الخطاب وانظر فی امور الناس فانہ من خاف الوعید قرب علیہ البعید ومن خاف الموت خشی الفوت فقال المعلی ایہا یا امۃ اللہ فقد ابکیت

امیرالمومنین فقال له عمر اسکت - اتدری من هذہ؟ هذہ خولة بنت حکیم التی سمع الله قولها من سمائہ فعمر احری ان یسمع قولها ویقتدی به - ایک دفعہ معلے بن جارود عبدی کے اوپر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت عمر برآمد ہوئے تو قریش کی ایک عورت آپکو مل گئی - اوس نے آپ کو دیکھکر کہا اے عمر! اس پر حضرت عمر اسکے لئے ٹھہر گئے کہ سنیں کیا کہتی ہے - اوس نے کہا ہم لوگ تم کو مدت دراز تک تو عمیرا جانتے تھے - عمیر کے بعد تم عمر ہو گئے - اور عمر کے بعد اب امیرالمومنین بن گئے - تو اے خطاب کے لڑکے اللہ سے ڈرو اور لوگوں کے امور میں غور و فکر کرو - کیونکہ جو شخص دھمکی سے ڈرتا ہے وہ اپنے اوپر دور کو نزدیک کرتا ہے اور جو موت سے خوف کرتا ہے وہ فوت سے بچتا ہے - یہ سُن کر معلے نے اوس عورت سے کہا اے کنیز خدا تو نے امیرالمومنین کو رُلا دیا تو حضرت عمر نے معلے سے کہا چپ ہو - تم جانتے بھی ہو یہ کون بی بی ہیں؟ یہ خولہ دختر حکیم ہیں جن کی بات کو اللہ نے اپنے آسمان پر سے سُنا تو عمر کو زیادہ سزاوار ہے کہ ان کی بات سُنے اور اسکی پیروی کرے (عقد فرید جلد ا صـ۱۸۵) - آپکی کنیت ابوحفص یا ابوحفصہ تھی - آپکا لقب فاروق مشہور ہے مگر معلوم نہیں کیوں یہ لقب آپکا مشہور کیا گیا - درصورتے کہ حضرت رسولخدا صلعم سے اس لقب کا آپ کو ملنا ثابت نہیں ہے - علامہ مسعودی نے لکھا ہے:-

وانما سمے الفاروق لانه فرق بین الحق والباطل وکنیته ابوحفص وهو اول من سمے بامیرالمومنین سماہ عدی بن حاتم وقیل غیرہ والله اعلم وکان اول من سلم علیه بها المغیرة بن شعبه واول من دعاله بهذالاسم علے المنبر ابوموسے الاشعری فلما قرئے ذلک علے عمر قال انی لعبدالله وانی لامیرالمومنین الحمد لله رب العالمین - حضرت عمر فاروق اس وجہ سے مشہور کئے گئے کہ آپ ہی نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا - اور آپکی کنیت ابوحفص تھی - اور آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جن کا نام امیرالمومنین رکھا گیا - یہ نام آپکو عدی بن حاتم نے دیا تھا اور لوگوں نے اسکے علاوہ بھی لوگوں کا نام لیا ہے - واللہ اعلم - اور سب سے پہلے یہ نام لیکر آپ پر مغیرہ بن شعبہ نے سلام کیا تھا - اور

منبر پر سب سے پہلے جس شخص نے اس نام سے آپ کے لئے دعا کی وہ ابو موسےٰ اشعری تھے۔ جب یہ بات حضرت عمر کے سامنے ذکر کی گئی تو انھوں نے کہا میں اللہ کا بندہ اور میں ہی امیر المومنین ہوں الحمد للہ رب العالمین (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلدہ ص۱۰۹)۔ جس سے واضح ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو لقب فارق نہیں دیا بلکہ یہ لقب بھی حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ ہی کو دیا اور سب مسلمانوں سے فرما دیا تھا سیکون بعدی فتنۃ فاذا کان ذلک فالزموا علی ابن ابی طالب فانہ الفاروق بین الحق والباطل۔ میرے بعد فتنہ ہوگا۔ جب اس کا وقت آئے تو تم سب علیؑ کی پیروی کرنا کہ وہی حق و باطل کے درمیان فاروق (فرق کرنے والے) ہیں (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۵) ان ھذا اول من آمن بی وھو اول من یصافحنی یوم القیامۃ وھذا الصدیق الاکبر وھذا فاروق ھذہ الامۃ یفرق بین الحق والباطل وھذا الیعسوب المومنین۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ علیؑ مجھ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور قیامت میں سب سے پہلے یہی مجھ سے مصافحہ کرینگے۔ یہی صدیق اکبر اور یہی اس امت کے فاروق ہونگے کہ حق و باطل کے درمیان فرق کردینگے اور یہی مومنین کے سردار ہیں (جلد ۶ ص۱۵۶) وعن ابی ذر قال سمعت رسول اللہؐ یقول لعلی انت الصدیق الاکبر وانت الفاروق الذی تفرق بین الحق والباطل۔ جناب ابوذر بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم ہی صدیق اکبر ہو اور تم ہی وہ فاروق ہو جو حق و باطل کے درمیان فرق کردوگے (ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۵۵)۔ اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے در احادیث صحیحہ کنیت شان بابو تراب وابو الریحانتین و تلقیب ایشان بہ ذی القرنین و یعسوب الدین و صدیق و فاروق و سابق و یعسوب الامۃ و یعسوب المومنین و یعسوب قریش و بیضۃ البلد و امین و شریف و ہادی و مہدی وغیرہ مروی و ثابت است۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کی کنیت ابو تراب اور ابو الریحانتین اور آپ کے القاب ذوالقرنین۔ یعسوب الدین۔ صدیق۔ فاروق۔ سابق۔ یعسوب الامۃ یعسوب المومنین۔ یعسوب قریش۔ بیضۃ البلد۔ امین۔ شریف۔ ہادی اور مہدی لکھے

تھے - ان سب کی روایتیں موجود اور ثابت ہیں (فتاوے عزیزی جلد ۲ صفحہ)

ساتویں فصل

آپ کا اسلام

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ بہت حیرت خیز ہے - اس کی توضیح کے لئے ناظرین اس کتاب کے صفحہ سے صفحہ ۱۴ تک پھر پڑھ لیں۔ عام مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی ۲۷ سال کی عمر تھی کہ جناب رسالت مآب صلعم عہدۂ نبوت پہ سرفراز ہوئے - اسکے بعد ۶ سال تک حضرت عمر جناب محمد اور مسلمانوں پر نہایت ہی سخت رہے - آپکا ماموں ابوجہل آنحضرت صلعم کی جان کا دشمن ہو گیا تھا - وہ اپنے مجمع میں بولا کہ جو کوئی محمد کا سر کاٹ کر لائے اوس کو سو اونٹ یا چالیس ہزار درہم انعام ملیگا - حضرت عمر نے جو ابوجہل کی طرح آنحضرت کے سخت دشمن تھے کہا کہ یہ کام میں کروں گا - بس اپنی تلوار لے کر ارقم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت اب تک مقیم تھے - راستہ میں کسی نے پوچھا کہاں؟ تو کہا محمد کو قتل کرنے - اس نے کہا پہلے اپنی بہن کی تو خبر لے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئی ہیں - یہ وہاں پہونچے - بہنوئی سے چمٹ گئے - دونوں میں خوب مار پیٹ ہوئی - بہن کے منہ پر ایسا گھونسا مارا کہ خون بہنے لگا - اسکے بعد آنحضرت کی طرف روانہ ہوئے - وہاں پہونچے تو آنحضرت صلعم نے آپکی کلائی پکڑ کر فشار دیا جس سے حضرت عمر گھٹنے کے بل بیٹھ گئے اور ایسی ہیبت آپ پر طاری ہوئی کہ کانپنے لگے - حضرت نے فرمایا اے عمر کیا تو باز نہ آئیگا جب تک تیرے حق میں بھی وہی نازل نہ ہو جو ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی تھی - حضرت عمر نے فوراً کہہ دیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام قبول کر لیا۔

کیا آج تک کسی شخص نے کوئی جدید مذہب اس قدر جلد قبول کر لیا ہے؟ تا آج تک یہ کہیں سنا گیا نہ کسی طرح یہ عقل میں آتا ہے - اس وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا اس قدر جلد اسلام قبول کر لینا دو ہی وجہ سے ہوگا - یا جان کے خوف سے

کیونکہ آنحضرتؐ کلائی پکڑ کر فشار دے رہے ہیں اور حضرت عمر کہہ رہے ہیں اشهد ان لا اله الا الله۔ یا کسی بات کے دفعتہً یاد آجانے سے۔ چنانچہ اسکے قبل صفحہ ۲۲ میں یہ روایت لکھی گئی کہ شام میں ایک عیسائی راہب نے آپ کو حکومت کی خوش خبری سنائی تھی ممکن ہے وہی خیال تازہ ہوگیا ہو اور آپ نے سوچا ہو بس جلد اس دین میں داخل ہوکر ملک شام فتح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس مضمون کی اور روایتیں بھی ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے ان عمر خرج عسیفا مع الولید بن المغیرۃ الی الشام فی تجارۃ للولید وعمر یومئذ ابن ثمانی عشرۃ سنۃ فکان یرعی للولید ابله ویرفع احماله ویحفظ متاعه فلما کان بالبلقاء لقیه رجل من علماء الروم فجعل ینظر الیه ویطیل النظر لعمر ثم قال اظن اسمک یاغلام عامر او عمران او نحوذلک قال اسمی عمر قال اکشف عن فخذیک فکشف فاذا علی احدهما شامة سوداء فی قدر راحة الکف۔ فسأله ان یکشف عن راسه فکشف فاذا هو اصلع فسأله ان یعتمل بیده فاعتمل فاذا اعسر الیسر۔ فقال له انت ملک العرب وحق مریم البتول قال فضحک عمر مستهزئا۔ قال او تضحک وحق مریم البتول انک ملک العرب وملک الروم وملک الفرس فترکه عمر وانصرف مستهینا بکلامه وکان عمر یحدث بعد ذلک ویقول تبعنی ذلک الرومی وهو راکب حمار فلم یزل معی حتی باع الولید متاعه وابتاع بثمنه عطرا وثیابا وقفل الی الحجاز والرومی یتبعنی لا یسألنی حاجة ویقبل یدی کل یوم اذا اصبحت کما یقبل ید الملک حتی خرجنا من حدود الشام ودخلنا فی ارض الحجاز۔ حضرت عمر ایک دفعہ خدمت گاری کی نوکری کرکے ولید بن مغیرہ کے ساتھ شام کی طرف گئے ولید ہی کی تجارت میں۔ اس وقت آپکی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ راستہ میں آپ ولید کے اونٹوں کو چراتے اسکے مال واسباب کو ڈھوتے اور اسکی چیزوں کی چوکیداری کرتے ہوئے جارہے تھے جب مقام بلقاء میں پہونچے تو روم کے عیسائی عالموں میں سے ایک عالم نے آپکو دیکھا تو آپکی طرف غور کی نظر سے تکنے لگا اور دیر تک آپ کو دیکھتا رہا۔ پھر کہا

غلام (یا اے لڑکے) میرا گمان ہے کہ تمہارا نام عامر یا عمران یا اسی قسم کا کچھ ہے حضرت عمر نے کہا میرا نام عمر ہے۔ اس نے کہا اچھا اپنی دونوں رانیں ذرہ کھول تو دو۔ حضرت نے کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ آپ کی ایک ران پر ایک سیاہ تل ہتھیلی کے گڈھے برابر ہے۔ اب اس نے آپ سے کہا کہ اپنا سر بھی کھول دو۔ آپ نے کھول دیا تو اس نے دیکھا کہ آپ گنجے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ آپ اپنے ہاتھ سے کام کرنا دکھائیے۔ آپ نے کیا تو معلوم ہوا کہ آپ بائیں ہاتھ سے اور داہنے ہاتھ سے بھی کام کرتے تھے۔ تب اس نے کہا مریم بتول کی قسم تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے یہ سن کر حضرت عمر ہنس دیئے تو اس نے کہا تم ہنستے ہو؟ مریم بتول کے حق کی قسم تم ضرور عرب و روم و ایران کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ اسکے بعد حضرت عمر نے اسکو چھوڑ دیا اور اسکی باتوں کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے واپس آئے۔ اور آپ اسکے بعد اس واقعہ کو بیان کرتے اور کہتے تھے کہ وہ رومی میرے پیچھے لگا رہا اور ہر روز صبح کو میرے ہاتھوں کو اسی طرح بوسہ دیتا جس طرح بادشاہ کا ہاتھ چوما جاتا ہے یہاں تک کہ ہم لوگ ملک شام کے حدود سے نکل کر زمین حجاز میں داخل ہو گئے (شرح نہج البلاغۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۴)۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی اس خبر کی روایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً عن ابن مسعود قال رکض عمر فرسا فانکشف ثوبہ عن فخذہ فرای اہل نجران بفخذہ شامۃ سوداء فقالوا ھذا الذی فی کتابنا انہ یخرجنا من ارضنا ابن مسعود بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے اپنا گھوڑا دوڑایا تو ان کی ران پر سے کپڑا ہٹ گیا۔ اوس وقت اہل نجران نے (جو سب عیسائی تھے) آپ کی ران پر ایک سیاہ تل دیکھکر کہا یہی وہ شخص ہے جسکے بارے میں ہمیں اپنی کتاب سے پتا چلتا ہے کہ ہم لوگوں کو اس ملک سے نکال دیگا (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۳۲)۔ ان روایتوں میں یہ امر قابل تامل ہے کہ جن عیسائی راہبوں یا عالموں نے آپ کے متعلق پیشین گوئیاں کیں سب نے آپ کی بادشاہت۔ یا فتوحات ہی کی خبر بیان کی کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ خلیفہ رسول ہونگے۔ یا ہم لوگوں کو اسلام سکھائیں گے۔ یا ہم لوگوں کی ہدایت کریں گے یا ہم لوگوں کو بہشت کا راستہ بتائیں گے

یا ہم لوگوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دینگے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آپ کا اور آپ کے والد کا اصل پیشہ ہیزم فروشی تھا جیسا کہ اوپر کی کتابوں کی عبارتوں سے بیان کیا گیا۔ اور جب آپ ۱۸ برس کے ہو کر ولید بن مغیرہ مخزومی کے ہاں خدمت گاری پر مقرر ہو گئے کہ اسکے اونٹ چراتے۔ اسکے اسباب ڈھوتے اور اسکے مالوں کی چوکیداری کرتے اور اس سے ترقی کر کے آپ بازاروں میں دلالی کا پیشہ کرنے لگے تو بادشاہت کی خوشخبری آپ کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر تھی۔ اس وجہ سے آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیا ہو کہ ممکن ہے اس ذریعہ سے ان ملکوں کے فتح کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ (عم رسولؐ) اور حضرت عمر کے اسلام لانے کے بعد مسلمان ارکان اسلام مسجد حرام میں علانیہ ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت رسولخدا صلعم سے اصرار کیا کہ ہمیں مناسب نہیں کہ اپنے دین کو چھپائیں اور خود بھی چھپتے پھریں۔ حضرتؐ نے فرمایا ہم لوگ ابھی تھوڑے ہیں اور جو کچھ ہم لوگوں پر گزر رہی ہے تم دیکھ چکے ہو۔ مگر آپ اصرار کر کے آنحضرتؐ کو خانہ کعبہ کی طرف لے گئے۔ دوران کعبہ میں آئے تو کفار مکہ نے مزاحمت کی مگر حضرت علیؑ و جناب حمزہ نے اس گروہ کو ہٹا دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے دو رکعت نماز علانیہ کعبہ میں پڑھی اور دار ارقم کی طرف واپس گئے مگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اصرار پر جو آنحضرت صلعم نے کعبہ میں دو دفعہ اسلام کا اعلان کیا اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑک اٹھی اور اس کا خمیازہ رسولخدا صلعم کو تین سال تک بھگتنا پڑا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم مع تمام بنی ہاشم کے تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور شدید ترین مصائب کی زندگی بسر کی۔ مولوی شبلی صاحب نے اس جگہ بہت اختصار سے کام لیا۔ لکھتے ہیں "حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک اگرچہ ۴۰۔ ۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر

کیا۔ کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے" (الفاروق ص۳۱)۔ مگر اسکی وجہ سے اسلام کن مصائب میں مبتلا ہو گیا اس کو موصوف نے نظر انداز کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسکے بعد کفار قریش نے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے اور کوئی ظلم باقی نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلعم نے مجبور ہو کر مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے کبھی حبشہ کی طرف اور کبھی مدینہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا۔ مورخین نے بتصریح لکھ دیا ہے واسلم عمر بن الخطاب فلما اسلم اجتمعت قریش فائتمرت بینها ان یکتبوا بینهم کتابا یتعاقدون فیه علی ان لا ینکحوا الی بنی هاشم وبنی المطلب ولا ینکحوهم ولا یبیعوهم شیئا ولا یتباعوا منهم فکتبوا بذلک صحیفة وتعاهدوا وتوا ثقوا علی ذلک... فلما فعلت ذلک قریش انحازت بنو هاشم وبنو المطلب الی ابی طالب فدخلوا معه فی شعبه فاقاموا علی ذلک من امرهم سنتین او ثلاثا حتی جهدوا لا یصل الی احد منهم شئ الا سرا مستخفیا به۔ حضرت عمر مسلمان ہوئے تو قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک عہدنامہ لکھیں جس میں سب عہد کریں کہ اب خاندان بنی ہاشم سے شادی بیاہ نہیں کرینگے اور نہ انکے ہاتھ کوئی چیز بیچیں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے۔ آپس میں طے کر کے ایسا معاہدہ ان لوگوں نے لکھ لیا اور اس پر پورا عہد و میثاق کیا... جب قریش نے یہ کارروائی کی تو بنو ہاشم اور بنو مطلب جناب ابو طالب کے پاس چلے گئے۔ وہ ان سب لوگوں کو لئے ہوئے اپنے شعب میں داخل ہو گئے۔ وہاں وہ سب انھیں مصائب کے ساتھ دو تین سال تک قیدی بنے رہے۔ ان کے مصائب و شدائد کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ان تک کوئی چیز بھی جانے نہیں پاتی۔ بس جس کو ان لوگوں پر رحم آتا وہ پوشیدہ طور پر انکی مدد کے لئے کچھ بھیج دیتا تھا (تاریخ طبری جلد ۲ ص۲۲۵) سال میں دو دفعہ موسم حج کے وقت بنی ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے اور دوسرے موسم کے آنے تک ہر چند گرسنگی اور احتیاج سے پریشان ہوتے مگر خوف قریش سے باہر نہیں آ سکتے تھے۔ کیونکہ قریش نے ان کا محاصرہ

کر رکھا تھا۔ بغیر موسم اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو لوگ اس کو مارتے۔ بازار میں کوئی چیز خرید و فروخت نہیں کرنے دیتے۔ اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی کی یہ نوبت پہونچ گئی کہ بیچارے درختوں کے پتے کھانے لگے۔ ناطے کنبے والے جو چوری چھپے کوئی چیز بھیجتے اور لوگوں کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں رسوا کئے جاتے اور بد عہد قرار پاتے تھے۔ تین برس اسی حالت میں گزرے۔ اہل شعب کی حالت روز بروز بدتر ہونے لگی۔ ان کے بچے بھوک سے شور مچاتے تو رات کو پڑوسیوں کی نیند حرام ہو جاتی اس زمانہ میں حضرت عمر کہاں اور کس حال میں تھے اس سے تاریخ کے اوراق خاموش نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس مصیبت کے وقت حضرت رسول خدا صلعم کی کیا مدد کی مسلمانوں کو کیا آرام پہونچایا۔ کفار قریش جو شعب کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ان سے کیا سفارش کی۔ غرض کسی امر کا پتا چلتا ہی نہیں ہے۔ مولوی شبلی صاحب تک کوئی بات نہیں بتا سکے کہ اس مدت آفات و بلایا میں حضرت عمر عرب میں تھے یا کہیں تشریف لے گئے تھے یہ سکوت نہایت حیرت خیز ہے کہ حضرت ممدوح مسلمان تو ہوئے ۶ سنہ بعثت میں اور اسکے بعد مکہ معظمہ میں ۶ سال تک رہے مگر سوائے اسکے کہ آپ نے اصرار کر کے مسلمانوں سے خانہ کعبہ میں نماز پڑھوا دی جسکے بعد اہل اسلام شعب ابیطالب میں محصور ہو گئے۔ آپ کا کوئی کارنامہ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا۔

آٹھویں فصل

مدینہ کی طرف ہجرت

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا انکی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقہ میں آ گئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا۔۔

ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار بڑ سے اوڈھ کھڑے ہوئے اور جسکو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا - یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے - اسی اثنار میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کرلیا تھا اسلئے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں - سب سے پہلے ابو سلمہ پھر حضرت بلال اور عمار یاسر نے ہجرت کی - ان کے بعد حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا (الفاروق ص۳۵) یہ واقعہ بھی حیرت سے خالی نہیں کیونکہ جب آنحضرت صلعم نے یہ حکم دیا تھا کہ "جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں" تو حضرت عمر نے کیوں ہجرت کی ؟ کیا آپ کو بھی باوجود آپ کے اس دبدبہ اور شوکت کے کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی تھی ؟ یہ اور تعجب خیز ہے کہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے والوں میں آپکا چوتھا نمبر تھا - حالانکہ آپ ہر کام میں حضرت ابوبکر کے ساتھ ساتھ رہتے تھے - اس وقت کیا مصلحت پیدا ہوگئی کہ ان سے اور حضرت رسولخدا صلعم سے بہت پہلے ہجرت کو اختیار کرلیا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی کفار عرب کی پوری یورش تھی اور آپکی ذاتی وجاہت یا خاندانی طاقت کافروں کو مرعوب نہ کرسکی - آپ کے ماموں ابو جہل نے بھی آپکی کوئی مدد نہیں کی - اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے ساتھ ہجرت کرنے کے لئے نہیں روکا تھا - کیونکہ اگر آنحضرتؐ ان کو روکتے تو حضرت عمر کو بھی ضرور روکتے جو جرأت و ہمت و بہادری و سطوت و جلالت و اثر و رعب و ہیبت و شان و شکوہ و عظمت و ہر دلعزیزی و قابلیت و کمال وغیرہ اوصاف جلیلہ و خصائل حمیدہ میں حضرت ابوبکر سے کہیں بڑھے چڑھے سمجھے جاتے تھے - یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کی پیشینگوئی بھی آپ ہی کے لئے کی گئی تھی -

الحمد للہ کہ محض اوسی کے فضل و کرم سے سوانح عمری خلیفہ دوم کا پہلا حصہ تمام ہو گیا -

... تیسرا حصہ بھی اب جلد شایع کیا جائیگا جس میں آپکی مدینہ کی زندگی و وفات کی ... پوری تحقیق و جامعیت سے لکھی جائیگی ...

کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ان کا انجام
کیسا برا ہوا حالانکہ جو لوگ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور جس قدر زمین ان لوگوں نے آباد کی ہے اس سے
کہیں زیادہ ان لوگوں نے بھی آباد کی تھی اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر واضح اور روشن دلیلیں
لے کر آ چکے تھے مگر ان لوگوں نے نہ مانا تو خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمیٰ بہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

اولیٰ

حصہ ثانیہ

جس میں خدا کے فضل و کرم سے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی ہجرت طرف مدینہ سے وفات تک کے
مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم مدیر جریدہ مبارکہ اصلاح کھجوا (بہار)

ابن

حضرت فخر المتکلمین ظہیر العلماء والمجتہدین زین الملۃ والدین حجۃ الاسلام والمسلمین کہف الایمان والمومنین آیۃ اللہ
فی العالمین مولانا و مقتدانا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ و جعل اللہ الجنۃ مثواہ المتوفی
۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ) بہار میں طبع ہوئی